تفسیر فتح القدیر میں شواہد شعریہ:

سورۃ الکھف سے سورۃ النّاس اختصاصی مطالعہ

(مقالہ برائے پی ایچ ڈی، علوم اسلامیہ)

مقالہ نگار

محمد عمران

پی ایچ ڈی سکالر، شعبہ اسلامی فکر و ثقافت

رجسٹریشن نمبر:-Phd/IS/F-18/789

فیکلٹی آف سوشل سائنسز

شعبہ اسلامی فکر و ثقافت

نیشنل یونیورسٹی آف ماڈرن لینگویجز اسلام آباد

اکتوبر، 2025

تفسیر فتح القدیر میں شواہد شعریہ:

سورۃ الکھف سے سورۃ النّاس اختصاصی مطالعہ

(مقالہ برائے پی ایچ ڈی، علوم اسلامیہ)

مقالہ نگار

محمد عمران

پی ایچ ڈی سکالر، شعبہ اسلامی فکر و ثقافت

رجسٹریشن نمبر:-Phd/IS/F-18/789

نگرانِ مقالہ

ڈاکٹر نور حیات خان

ایسوسی ایٹ پروفیسر شعبہ اسلامی فکر و ثقافت

نمل، اسلام آباد

فیکلٹی آف سوشل سائنسز

شعبہ اسلامی فکر و ثقافت

نیشنل یونیورسٹی آف ماڈرن لینگویجز، اسلام آباد

سیشن (2018ء–2025ء)

© محمد عمران 2025

بسم الله الرحمن الرحيم

منظوری فارم برائے مقالہ و دفاع مقالہ

(Thesis and Defence Approval Form)

زیر دستخطی تصدیق کرتے ہیں کہ انھوں نے یہ مقالہ پڑھا اور مقالے کے دفاع کو جانچا ہے، وہ مجموعی طور پر امتحانی کارکردگی سے مطمئن ہیں اور فیکلٹی آف سوشل سائنسز کو اس مقالے کی منظوری کی سفارش کرتے ہیں۔

مقالہ بعنوان: **تفسیر فتح القدیر میں شواہد شعریہ: سورۃ الکھف سے سورۃ الناس اختصاصی مطالعہ**

Invoking of poetry in Tafsir Fath Al-Qadir
:A specific Study From Surat-ul-Kahf To Surat-ul-Naas
Tafsir Fath Al-Qadir Main Shwahid-E-Sheria:Surat-ul-Kahf Sy Surat-ul-Naas Ikhtisasi Mutalea

نام ڈگری: ڈاکٹر آف فلاسفی علوم اسلامیہ

نام مقالہ نگار: محمد عمران

رجسٹریشن نمبر: 789-Phd/IS/F-18

ڈاکٹر نور حیات خان
(نگرانِ مقالہ)
____
دستخط نگرانِ مقالہ

ڈاکٹر ریاض احمد سعید
(صدر شعبہ اسلامی فکر و ثقافت)
____
دستخط صدر، شعبہ اسلامی فکر و ثقافت

پروفیسر ڈاکٹر محمد ریاض شاد
(ڈین فیکلٹی آف سوشل سائنسز)
____
دستخط ڈین فیکلٹی آف سوشل سائنسز

میجر جنرل (ر) شاہد محمود کیانی (ہلال امتیاز ملٹری)
(ریکٹر نیشنل یونیورسٹی آف ماڈرن لینگویجز اسلام آباد)
____
دستخط ریکٹر نمل

تاریخ: ________________

حلف نامہ فارم

(Candidate Declaration Form)

میں **محمد عمران ولد ولی استان**

رول نمبر:789-Phd/IS/F-18 رجسٹریشن نمبر:PD-IS-18-459

طالب علم، پی ایچ ڈی، شعبہ اسلامک تھاٹ اینڈ کلچر، نیشنل یونیورسٹی آف ماڈرن لینگویجز(نمل) اسلام آباد حلفاً اقرار کرتا ہوں کہ

مقالہ بعنوان: **تفسیر فتح القدیر میں شواہد شعریہ: سورۃ الکھف سے سورۃ النّاس اختصاصی مطالعہ**

Invoking of poetry in Tafsir Fath Al-Qadir
:A specific Study From Surat-ul-Kahf To Surat-ul-Naas
Tafsir Fath Al-Qadir Main Shwahid-E-Sheria:Surat-ul-Kahf Sy Surat-ul-Naas Ikhtisasi Mutalea

پی ایچ ڈی اسلامک فکر اور ثقافت کی ڈگری کی جزوی تکمیل کے سلسلے میں پیش کیا گیا ہے اور **ڈاکٹر نور حیات خان** کی زیر نگرانی تحریر کیا گیا ہے، یہ راقم الحروف کا اصل کام ہے اور مزید یہ کہ مذکورہ کام کہیں اور جمع کرایا گیا ہے نہ ہی پہلے سے شائع شدہ ہے اور نہ ہی مستقبل میں کسی بھی ڈگری کے حصول کے لئے دوسری یونیورسٹی یا ادارے میں میری طرف سے پیش کیا جائے گا۔

نام مقالہ نگار: محمد عمران

دستخط مقالہ نگار: ________________

نیشنل یونیورسٹی آف ماڈرن لینگویجز، اسلام آباد

Invoking of poetry in Tafsir Fath Al-Qadir
:A specific Study From Surat-ul-Kahf To Surat-ul-Naas

Abstract

The last message of God is revealed through Arabic language.The Quranic language is renowned for its eloquence. Ancient Arabic poetry played a significent role in the interpretation of the Quran as many of the earliest Islamic scholars like Ibn-e-Abbas used poetry to explain and illustrate the Quranic Ayats. Ancient Arabic poetry is also known as Jahili poetry and Diwan-e-Arab. All the great Islamic scholars and narrators got help from jahili poetry to understand the meaning of Holy Quran. Imam Mohammed shokani is one of them who wrote tafseer Fath Al-Qadir and wrote more than one and half thousand stanzas. He used Arabic poetry generally and jahidi arabic poetry specifically to elaborate the meaning of Quranic verses.

This thesis will justify the fact that Imam shokani got help from Jahili Arabic poetry to interpret the Quranic verses. This thesis comprises of four chapters, tables of contents and bibliography. The study includes introduction of the subject, its importance, fundamental questions, targets and objectives of the research, its hypothesis, literature review and research methodology. The subject matter is divided into four chapters and each chapter is further divided into sub-units.

The first chapter is about the importance and requirement of invoking Jahili poetry for interpreting the Holy Quran. This chapter also covers the introduction of Fath Al-Qadir and its writer. The second chapter provides the details of verses where Jahili poetry has been invoked to elaborate the linguistic matters. The third chapter covers the details of places where syntactical issues have been solved through invoking Jahili poetry. Last chapter deals with the rhetorical matters.

This study adopts a qualitative research paradigm with analytical research methodology to reach a conclusion. Analyzing it in the light of discussion and interpretation of Tafseer Fath Al Qadir .

Key Words: Tafseer Fath Al Qadir, Imam Shokani, Jahili Poetry, Linguistic, Syntactic, Rhetoric

تفسیر فتح القدیر میں شواہد شعریہ:
سورۃ الکھف سے سورۃ النّاس اختصاصی مطالعہ

خلاصہ

اللہ تعالیٰ کا آخری پیغام عربی زبان میں نازل ہوا، جو فصاحت و بلاغت میں بے مثال ہے۔ عربی شاعری نے قرآن مجید کی تفسیر میں اہم کردار ادا کیا۔ ابتدائی مفسرین مثلاً ابنِ عباسؓ وغیرہ نے قرآنی آیات کی وضاحت اور تشریح کے لیے جاہلی اشعار سے استشہاد کیا۔ قدیم عربی شاعری، جسے "شعرِ جاہلی" یا "دیوان العرب" بھی کہا جاتا ہے، اسلامی علماء کے لیے ایک بنیادی ماخذ رہی ہے جس کے ذریعے وہ قرآن کے مفاہیم کو واضح کرتے رہے۔

امام محمد شوکانیؒ بھی انہی مفسرین میں سے ہیں جنہوں نے تفسیر فتح القدیر میں جاہلی شاعری سے مدد لے کر قرآنی مفاہیم کی وضاحت کی۔ انہوں نے تقریباً ڈیڑھ ہزار اشعار درج کیے جو قرآنی الفاظ، ساخت اور معنی کے بیان میں معاون ہیں۔ یہ تحقیق اس امر کو ثابت کرتی ہے کہ امام شوکانیؒ نے قرآنی آیات کی تفسیر میں جاہلی شاعری کو لسانی، نحوی اور بلاغی پہلوؤں سے مفہوم کی توضیح کے لیے استعمال کیا۔ مقالہ ہٰذا چار ابواب پر مشتمل ہے۔

پہلا باب جاہلی شاعری کے قرآنی تفسیر میں استعمال کی اہمیت اور ضرورت کو واضح کرتا ہے اور فتح القدیر اور اس کے مصنف کا تعارف فراہم کرتا ہے۔ دوسرا باب ان آیات کی تفصیل پر مشتمل ہے جن میں امام شوکانیؒ نے لسانی مسائل کی وضاحت کے لیے جاہلی شاعری کا حوالہ دیا۔ تیسرا باب نحوی پہلوؤں پر بحث کرتا ہے جہاں اشعار کے ذریعے نحوی مسائل کو حل کیا گیا۔ چوتھا باب بلاغی پہلوؤں پر روشنی ڈالتا ہے۔ یہ تحقیق معیاری (qualitative) طریقۂ کار پر مبنی ہے اور تحلیلی و توضیحی انداز میں تفسیر فتح القدیر کے مطالعہ سے نتائج اخذ کرتی ہے۔

کلیدی الفاظ: تفسیر فتح القدیر، امام شوکانی، شعر جاہلی، لسانیات، نحو، بلاغت۔

فہرست عنوانات

نمبر شمار	عنوانات	صفحہ نمبر
1	منظوری فارم برائے مقالہ ودفاع مقالہ	I
2	حلف نامہ	II
3	ملخص(Abstract)	III
4	فہرست عنوانات	V
5	اظہار تشکر	VII
6	انتساب	VIII
	مقدمہ	1
7	**باب اول: تفسیر قران میں استشہاد بالشعر کی روایت اور تفسیر فتح القدیر کا منہج و اسلوب۔**	09
8	فصل اول: استشہاد بالشعر کا مفہوم اور تفسیر قرآن میں اس سے استشہاد کی علمی واستنادی حیثیت	11
9	فصل دوم: امام شوکانی کے احوال و آثار	20
10	فصل سوم: تفسیر فتح القدیر کا منہج واسلوب	25
11	**باب دوم: فتح القدیر میں آیات کے لغوی معانی سے متعلق جاہلی شاعری سے استشہاد**	37
12	فصل اول: الفاظ کی تفہیم میں کلمات کے اشتقاق سے متعلق جاہلی شاعری سے استشہاد	38
13	فصل دوم: علم قراءات سے متعلق جاہلی شاعری سے استشہاد	59
14	فصل سوم: الفاظ کی دلالت معنوی سے متعلق جاہلی شاعری سے استشہاد	84
16	**باب سوم: فتح القدیر میں آیات کی تفہیم میں جاہلی شاعری سے نحوی استشہاد**	211

212	فصل اول:اعراب کی تبدیلی سے آیات کے معنیٰ ومفہوم میں فرق اور جاہلی شاعری سے استشہاد (رفعی حالت)	17
221	فصل دوم: اعراب کی تبدیلی سے آیات کے معنیٰ ومفہوم میں فرق اور جاہلی شاعری سے استشہاد (نصبی حالت)	18
240	فصل سوم:اعراب کی تبدیلی سے آیات کے معنیٰ ومفہوم میں فرق اور جاہلی شاعری سے استشہاد (جری حالت)	19
248	**باب چہارم: تفسیر فتح القدیر میں جاہلی شاعری سے علم بلاغت سے متعلق استشہاد**	20
249	فصل اول: علم بیان سے متعلق جاہلی شاعری سے استشہاد	21
273	فصل دوم: علم بدیع سے متعلق جاہلی شاعری سے استشہاد	22
280	فصل سوم: علم معانی سے متعلق جاہلی شاعری سے استشہاد	23
284	خاتمہ بحث	24
285	خلاصہ بحث	25
287	نتائج بحث	26
289	سفارشات	27
290	فہارس	28
291	فہرست قرآنی آیات	29
302	فہرست احادیث	30
303	فہرست اصطلاحات	31
304	فہرست اعلام	32
305	فہرست اماکن	33
306	فہرستِ مصادر ومراجع	34

اظہار تشکر

اللہ رب العالمین کا فضل و احسان اور کرم و امتنان ہے کہ اس نے ہمیں قرآن مجید جیسا صحیفہ انقلاب اور محمد رسول اللہ ﷺ جیسا عظیم رسول عطا فرمایا اور ہمیں آپ ﷺ کا امتی ہونے کا شرف عطا فرمایا اور یہ سعادت بخشی کہ قرآن مجید اور آپ کی سیرت طیبہ سے خوشہ چینی کر سکیں۔ اللہ جل مجدہ کی بارگاہ میں ہدیہ تشکر پیش کرنے کے بعد والدین کریمین کی خدمت میں ہدیہ سپاس پیش کرتا ہوں کہ جن کی خصوصی دعاؤں سے یہ کاوش ثمر بار ہوئی۔

میں شکر گزار ہوں اپنے محسن و مربی اور انتہائی مشفق و مہربان استاد ڈاکٹر نور حیات خان (سابق صدر شعبہ اسلامی فکر و ثقافت) کا، کہ جن کی خصوصی توجہات سے یہ مقالہ بخیر و خوبی منزل آشنا ہوا آپ نے اپنی بے پناہ مصروفیات کے باوجود رہنمائی کے لئے بھرپور وقت عنایت فرمایا جس پر تازیست میں ان کا عمیق قلب سے شکر گزار رہوں گا اور بارگاہ الوہیت میں دعا گو ہوں کہ اللہ تعالیٰ انہیں دارین کی سعادتیں نصیب فرمائے۔ (آمین)

میں شکر گزار ہوں پروفیسر ڈاکٹر محمد ریاض شاد (ڈین فیکلٹی آف سوشل سائنسز)، پروفیسر ڈاکٹر ریاض احمد سعید (ہیڈ آف ڈیپارٹمنٹ شعبہ اسلامی فکر و ثقافت)، پروفیسر ڈاکٹر مستفیض احمد علوی (سابق ہیڈ آف ڈیپارٹمنٹ شعبہ اسلامی فکر و ثقافت)، ڈاکٹر سید عبد الغفار بخاری (سابق صدر شعبہ اسلامی فکر و ثقافت) اور شعبہ کے جملہ اساتذہ کرام کا جو اس تحقیق کے عمل میں میری ہر اعتبار سے حوصلہ افزائی اور رہنمائی کرتے رہے۔

بھائیوں جیسے دوست عاطف معروف کا بہت شکریہ کہ جن کی مخلص دوستی کا سہارا ہمیشہ ساتھ رہا ان کے اخلاص سے معمور تعاون کے بغیر شائد میرا یہ تعلیمی سفر جاری نہ رہ پاتا۔ آخر میں ان تمام کرم فرماؤں کا بھی شکر گزار ہوں جنہوں نے دوران تحقیق کسی بھی طرح کا تعاون کیا۔ اللہ تعالیٰ سب کو اجر عظیم عطا فرمائے۔ (آمین)

محمد عمران

پی ایچ ڈی سکالر، نمل۔ اسلام آباد

ذی الحجہ، 1445AH / اکتوبر، 2025

انتساب

میں اپنی اس کاوش کا انتساب

ان اہل اخلاص و فکر کے نام کرتا ہوں کہ جنھوں نے امت مسلمہ کے حالت زار پر اشک شوئی کے ساتھ ساتھ اس کی عظمت رفتہ کے حصول کے لیے علمی و عملی جدوجہد بھی پیش فرمائی۔

مقدمہ

1۔ موضوع تحقیق کا تعارف:

الحمد الله رب العالمين والصلوٰة والسلام على سيد الأنبياء والمرسلين اما بعد:

اللہ رب العالمین نے حضرت محمد مصطفی صلی اللہ علیہ والہ وسلم کے قلب اطہر پر قرآنِ کریم کو فصیح ترین عربی زبان میں نازل کیا ہے۔اور جس معاشرے میں نازل فرمایاوہ بھی اگرچہ صاحبان فصاحت وبلاغت تھے مگر قرآن عظیم ان کے لیے بھی معجزہ تھا جیسے لبید بن ربیعہ [1] جیسا صاحب معلقہ [2] شاعر بھی اپنے عجز کا اظہار کرتا ہے۔اسی وجہ سے فصیح عربی زبان قرآنِ کریم کی تفہیم کے لیے اہم مصدر کی حیثیت رکھتی ہے۔فصاحت و بلاغت میں قرآن و حدیث کے بعد جاہلی عربی شاعری کا نمبر آتا ہے۔اسی وجہ سے اس کو دیوانِ عرب کا نام دیا جاتا ہے۔اسی حقیقت کے پیش نظر اکثر مفسرین نے قرآن کریم کے معنی کی وضاحت کیلئے جاہلی شاعری کی طرف بھی رجوع کیا ہے۔مفسرین کے ہاں تفسیر قرآن میں جاہلی شاعری کی اس اہمیت کو مد نظر رکھتے ہوئے امام محمد بن علی بن محمد الشوکانی (متوفی 1834ء) کی تفسیر "**فتح القدیر سے سورۃ الکھف سے سورۃ الناس کا لغوی، نحوی اور بلاغی اعتبار سے جاہلی شعراء کے اشعار سے استشہاد کا اختصاصی مطالعہ** "کیا گیا ہے۔یہ تفسیر جہانِ علم میں ایک ممتاز مقام رکھتی ہے ،اور روایت و درایت کی جامعیت کے اوصاف سے متصف ہے۔مذکورہ تفسیر اگرچہ علمی تنوعات کی حامل ہے لیکن زیر تحقیق مقالہ میں فقط جاہلی شعراء کے اشعار سے استشہاد کا تجزیاتی مطالعہ کیا گیا ہے۔تجزیاتی مطالعہ میں تفسیر قرطبی، تفسیر ابن کثیر، تفسیر طبری، تفسیر کشاف، تفسیر بیضاوی، تفسیر تفہیم القرآن، تدبر قرآن،اور تفسیر ضیاء القرآن سے اخذ و استفادہ کیا گیا ہے۔اس کی وجہ یہ ہے کہ ان تفاسیر میں جابجا استشہاد شعری ملتا ہے اور اہل علم کے ہاں متداول تفاسیر ہیں۔

اس موضوع کی اہمیت کا اندازہ اس بات سے لگایا جاسکتا ہے کہ مفسر صحابہ کرام اوران کے بعد آنے والے تقریباتمام مفسرین نے قرآنِ کریم کی تفسیر میں جاہلی شاعری کی طرف رجوع کیا ہے تاکہ وہ ان معانی کو واضح کرسکیں جو ان پر مخفی تھے۔اس سلسلے میں حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا طریقہ بہت واضح ہے۔آپ قرآن کریم کے

1-لبید بن ربیعہ 534ء-644ء ایک طویل عمر پانے والا دور جاہلیت واسلام کا ایک نامور شاعر ہے (الزوزنی، الحسین بن احمد، **شرح المعلقات السبع**، (دار احیاء الترث العربی، طبع اولیٰ، 2002م)، ص85)

2-معلقہ دور جاہلیت کے اس طویل قصیدے کو کہتے تھے جسے اس کی فصاحت وبلاغت کی وجہ سے ریشم کے کپڑے میں لپیٹ کر خانہ کعبہ کے ساتھ معلق کر دیا جاتا تھا اس کی جمع معلقات ہے ان کی تعداد سات یا دس ہے یہ امر مختلف فیہ ہے (الزوزنی، الحسین بن احمد، **شرح المعلقات السبع**، ص6)

الفاظِ غریبہ کی تفسیر کے سلسلہ میں ہمیشہ شعر جاہلی کی طرف رجوع فرماتے تھے۔ اوراس کے علاوہ دیگر صحابہ کرام کا طریقہ کار بھی یہی تھا یہاں تک کہ نافع بن ازرق [1] نے آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے قرآن کریم کے الفاظِ غریبہ کے بارے میں دو سو سے زائد سوالات کئے تو آپ نے ان کے جوابات اشعار جاہلی کے حوالہ سے دیے۔ ''الاتقان''میں اس باہمی مناظرے کا تفصیلی ذکر کیا گیاہے۔ اس کی ایک مثال یہ ہے کہ نافع بن ازرق نے سوال کیا کہ ﴿عَنِ الْيَمِينِ وَعَنِ الشِّمالِ عِزِينَ﴾ [2] کا معنٰی بتائیں؟ تو آپ نے فرمایا" :العزون'' کے معنیٰ ہیں ''دوستوں کے حلقے''۔ اور دلیل کے طور پر عبید بن الابرص الاسدی (متوفی 550ء) کا درج ذیل شعر سنایا۔ فجاؤا يهرعون إليه حتى ... يَكُونُوا حَوْلَ مِنْبَرِهِ عِزِينَا [3] اسی طرح حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ایک مرتبہ صحابہ سے اس آیت کے معنیٰ دریافت کئے ﴿ أَوْ يَأْخُذَهُمْ عَلَى تَخَوُّفٍ فَإِنَّ رَبَّكُمْ لَرَءُوفٌ رَحِيمٌ ﴾ [4] تو قبیلہ بنو ہذیل کے ایک شخص نے کھڑے ہو کر کہا کہ ہماری زبان میں ''تخوف'' کا مطلب کمی اور نقصان ہے۔ اور پھر أبو كبير الهذلي (متوفی 631ء) کا یہ شعر پڑھا۔ "تخوَّف الرَّحْل مِنْهَا تامِكا قَرِدا ... كَمَا تخوَّف عودُ النَّبْعَةِ السُّفُنُ" [5] تو حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا : اے لوگو ! جاہلی شاعری کے دیوان کو مضبوطی سے تھام لو کیونکہ اس میں تمہاری کتاب کی تفسیر موجود ہے۔ [6]

یہی وجہ ہے کہ تقریباً تمام کبار مسلمان مفسرین نے قرآن مجید کی تشریح کے لئے جاہلی عربی شاعری سے استشہاد کیاہے۔ امام محمد بن جریر الطبری [7] (متوفی ۳۱۰ھ) نے اپنی تفسیر ''جامع البیان'' میں دو ہزار سے زائد اشعار سے استشہاد کیاہے۔ اس کے علاوہ امام جاراللہ زمخشری (متوفی ۵۳۸ھ) نے اپنی تفسیر ''الکشاف'' میں بلاغی انداز میں کثیر تعداد میں استشہادِ شعری کیاہے۔ امام قرطبی (متوفی ۶۷۱ھ) نے اپنی تفسیر ''الجامع لاحکام القرآن'' میں

---

[1] آپ کا اصلی نام نافع بن الازرق بن قیس الحنفی، البکری الوائلی، الحروری ہے۔ آپ اپنی قوم کے سرداراور فقیہ تھے۔ آپ کا تعلق بصرہ سے تھا۔ انکا سن وفات 65 ہجری بمطابق 685 عیسوی ہے۔ (زرکلی، خیر الدین بن محمود بن محمد، **الأعلام**، (دار العلم للملایین: 2002ء): 7\351

[2] المعارج: 37

[3] السیوطی، عبد الرحمن بن أبي بكر، **الإتقان في علوم القرآن** (الهيئة المصرية العامة للكتاب 1974ء) 2/68

[4] النحل: 27

[5] الشاطبی، إبراهيم بن موسى بن محمد، **الموافقات** (دار ابن عفان 1997ء)، 6/302

[6] ایضا، 1/58

[7] آپ کا اصل نام ابو جعفر محمد بن جریر بن یزید الطبری ہے۔ آپ مؤرخ، امام اور مفسر ہیں۔ آپ طبرستان میں پیدا ہوئے، بغداد میں آباد ہوئے اور بغداد میں وفات پائی۔ آپ کی مشہور تفسیر، تفسیر طبری کے نام سے موسوم ہے۔ انکا عرصہ حیات 224ا-310 ہجری بمطابق 839-923 عیسوی ہے۔ زرکلی، **الأعلام**: 6\69

تقریباًپانچ ہزار اشعار سے استشہاد کیاہے۔صاحب ''المحرر الوجیز فی تفسیر الکتاب العزیز(متوفی ۵۴۲ھ) نے تقریباًایک ہزار نو سو اشعار سے استشہاد کیاہے۔اسی طرح "تفسیر مجاز القرآن میں ساڑھے نو سو سے زائد شواہد شعری ملتے ہیں۔[1] امام محمد بن علی بن محمد الشوکانی (متوفی ۱۲۵۰ھ) نے بھی اسی منہج کو اپناتے ہوئے اپنی تفسیر "فتح القدیر" میں تقریباًایک ہزار سے زائد جاہلی اشعار سے استشہاد کیاہے۔

جواز تحقیق:

1. قرآنِ مجید اللہ تعالیٰ کی آخری کتاب ہے۔اور فرمانِ رسول ﷺ ہے کہ((خَيْرُكُمْ مَنْ تَعَلَّمَ الْقُرْآنَ وَعَلَّمَهُ))[2] اس حدیث کو پیشِ نظر رکھتے ہوئے قرآن کریم سے متعلق کام کرنے کی وجہ حصولِ رضائے الٰہی ہے۔
2. قرآنِ کریم اور حدیث مبارکہ کے بعد عربی زبان میں سب سے زیادہ فصاحت وبلاغت ہمیں جاہلی شاعری میں نظر آتی ہے۔اس لئے لغتِ قرآن کو سمجھنے کے لئے جاہلی شاعری کو سمجھنانہایت ضروری ہے۔
3. اکثر مفسرین نے جاہلی شاعری کو ایک مصدر کے طورپر استعمال کیاہے۔اور کوئی تفسیر عربی شاعری سے استشہاد کے بغیر مکمل نہیں ہوئی۔اس سے معلوم ہوتا ہے کہ تفسیر قرآن میں جاہلی شاعری کو ایک خاص اہمیت حاصل ہے۔
4. "تفسیر فتح القدیر"منتخب کرنے کی وجہ یہ ہے کہ یہ تفسیر علمی اعتبار سے انتہائی بلند مقام کی حامل ہے اور ایک شہرہ آفاق تفسیر ہے۔یہ تفسیر روایت و درایت کی جامع ہونے کے ساتھ ساتھ دوسری تفاسیر کے مقابلے میں جدید ہے کیونکہ یہ انیسویں صدی عیسوی میں لکھی گئی ہے۔

موضوع پر سابقہ تحقیقی کام کا جائزہ:

اس موضوع کی اہمیت کے پیشِ نظر اس پر مختلف جامعات میں مختلف نوعیت کا کام ہوا ہے۔

---

[1] شہری، عبد الرحمن بن معاضۃ، **الشاهد الشعري في تفسير القرآن الكريم أهميته، وأثره، ومناهج المفسرين في الاستشهاد به**(ریاض: دار المنهاج للنشر والتوزیع 1431ھ)، ص19

[2] البخاری، محمد بن اسماعیل، الجامع الصحیح، کتاب فضائل القرآن، باب خَيْرُكُمْ مَنْ تَعَلَّمَ الْقُرْآنَ وَعَلَّمَهُ، ح5027

مقالہ جات:

زیر تحقیق مقالہ سے قریب قریب کام درج ذیل مقالہ جات میں پایا جاتا ہے۔

1. ابو عبد الرحمن محمد، الشواهد الشعرية في تفسير فتح القدير للشوكاني: دراسة نحوية في النصف الأول من القرآن الكريم (جامعة القرآن الكريم والعلوم الإسلامية، سوڈان 2004)۔ مقالہ اولیٰ محض نحوی جانب سے بحث کرتا ہے جب کہ زیر تحقیق مقالہ اس سے بڑھ کر قرآن فہمی میں نحوی جہات کے ساتھ لغوی، صرفی کے علاوہ بلاغی جوانب کا بھی احاطہ کرتا ہے۔

2. ابو بدر، اسماء اسماعیل حسن، الاستدلال بالشعر في قضايا اللغة تفسير القرآن العظيم لابن كثير (پی ایچ ڈی، یرموک یونیورسٹی 2013)۔ مقالہ ہٰذا میں لغوی پہلو پر شعری استدلال کے تحت کام کیا گیا ہے اور یہ کام بھی تفسیر ابن کثیر پر ہے جب کہ زیر تحقیق مقالہ میں تفسیر فتح القدیر پر کام کیا گیا ہے۔

3. مبشر نذیر "عصر حاضر کی تفاسیر میں ادب عربی جاہلی سے استدلال کی روایت: فی ظلال القرآن، تدبر قرآن و ضیاء القرآن کا اختصاصی مطالعہ" (پی ایچ ڈی سرگودھا یونیورسٹی 2013) اس مقالہ میں مذکورہ بالا تین تفاسیر میں جاہلی ادب سے استدلال کی نشاندہی اور وضاحت کی گئی ہے۔

4. احمد، محمد دار السلام، الترجيحات النحوية في تفسير فتح القدير للإمام الشوكاني دراسة نحوية وصفية تحليلية تطبيقيه (پی ایچ ڈی، جامعہ ام درمان اسلامیہ سوڈان 2016)۔ مقالہ ہٰذا میں فقط نحوی مباحث پر تحقیق کی گئی ہے جاہلی شاعری سے استشہاد اس موضوع پر کام نہیں ہوا ہے اس اعتبار سے زیر تحقیق مقالہ کا کام اس سے مختلف ہے۔

5. محمد مبشر الرحمان، فتح القدیر کے منہج و اسلوب کا جائزہ (ایم فل، جی سی یونیورسٹی فیصل آباد (2017) اس مقالہ میں کاتب نے امام شوکانی کے منہج و اسلوب کو تفصیل سے بیان کیا ہے۔

6. احمد محمد سعید "الشعر الجاہلی فی جامع البیان لطبری" (پی ایچ ڈی، فیوم یونیورسٹی (مصر)) اس مقالہ میں کاتب نے استشہاد شعری کو مختلف فنون مثلاً نحو، صرف، بلاغت وغیرہ کے اعتبار سے پیش کیا ہے۔

7. محمد حمزة الهادي، الاجتهاد والتجديد الفقهي عند الإمام الشوكاني من خلال تفسيره "فتح القدير (پی ایچ ڈی، طرابلس یونیورسٹی2022)

8. سلمان بن سعود بن مسلم، توظيف الشاهد الشعري في تفسير الحواميم في كتاب الدر المصون: دراسة نحوية دلالية (پی ایچ ڈی، تبوک یونیورسٹی2022)

9. حسن، عبد المجيد، تعليل التسمية في الشواهد الشعرية: "فتح القدير" للشوكاني (جامعہ الازہر، 2022)

10. بھٹی، محفوظ احمد، امام شوکانی کا منہج استنباط: تفسیر فتح القدیر کا اختصاصی مطالعہ (پی ایچ ڈی، پنجاب یونیورسٹی ،لاہور2023)اس مقالہ میں کاتب نے امام شوکانی کا منہج استنباط تفصیل سے بیان کیا ہے۔

تحقیقی مقالات (ریسرچ پیپرز)

1. اختر حسین عزمی، عبد القادر بزدار، عتیق الرحمان، کلام جاہلی سے استفادہ اور تفسیر تدبر قرآن، پاکستان جرنل آف اسلامک ریسرچ، شمارہ11، 2013

2. جان، احمد سعید، "الزمخشري وموقفه من الاستشهاد بشعر المؤلدين في ضوء تفسيره الكشاف" **الایضاح**، جلد30, شمارہ1، 2015

3. مصطفى، ياسين جمال، الاستشهاد في اللغة العربية، الهيبيات، جلد2، شمارہ8، 2017

4. ہاشم اشعری، استشهاد النحاة باشعار المؤلدين والتي لايعرف قائلوها، ہادی الادب، شمارہ13، نومبر2022

5. هاني إسماعيل محمد: الوعي، فهد محمد الخزّي، دور الشعر في تفسير القرآن الكريم، الأحد، 15 أكتوبر2023

کتب:

1. علي الجندي، في تاريخ الأدب الجاهلي (مكتبة دار التراث 1991ء)

2. أبو بكر محمد بن القاسم بن بشار الأنباري، شرح القصائد السبع الطوال الجاهليات (دار المعارف)

3. أبو زيد محمد بن أبي الخطاب القرشي، جمهرة أشعار العرب (نهضة مصر للطباعة والنشر والتوزيع)

4. الأصمعي أبو سعيد عبد الملك، فحولة الشعراء (بيروت، دار الكتاب الجديد1980ء)

5. علم البديع، عبد العزيز عتيق (بيروت، دار النهضة العربية للطباعة والنشر والتوزيع1982ء)

6. :عبد العزيز عتيق، علم البيان، (بيروت، دار النهضة العربية للطباعة والنشر والتوزيع1982ء)

7. عبد العزيز عتيق، علم المعان (بيروت، دار النهضة العربية للطباعة والنشر والتوزيع2009ء)

8. محمد بن محمد حسن شُرَّاب، شرح الشواهد الشعرية في أمات الكتب النحوية «لأربعة آلاف شاهد شعري» (بيروت، مؤسسة الرسالة 2007ء)
9. ناصر الدين الأسد، مصادر الشعر الجاهلي (مصر، دار المعارف 1988ء)
10. عمرو الشيباني، شرح المعلقات السبع (بيروت، مؤسسة الأعلمي للمطبوعات 2001ء)
11. شوقي ضيف، تاريخ الأدب العربي العصر الجاهلي (مصر، دار المعارف، 1995ء)

موضوع کے انتخاب کی وجہ

قرآن مجید کی تعلیمات عالمگیر، آفاقی اور عصری نوعیت کے جملہ ہدایت طلب مسائل کو محیط ہیں، اور یہ معلومات تفاسیر کے مطالعہ کے بغیر ناممکن ہے۔ اور قرآن مجید کی تفسیر کے درست فہم کے لیے جاہلی شاعری سے مفسرین نے استشہاد کیا ہے جس میں امام شوکانی کا نام سر فہرست ہے جن کی تفسیر اہل علم کے نزدیک متداول ہے۔ اس حقیقت کے پیش نظر یہ امر اس موضوع پر تحقیق کا سبب بنا تا کہ قرآنی آیات کی تفسیر میں جاہلی شاعری کی اہمیت اور کردار کو اجاگر کیا جا سکے۔

زیر بحث موضوع کی انفرادیت:

اس موضوع کی انفرادیت درج ذیل نکات سے واضح ہوتی ہے۔

1. اس موضوع میں باقیوں کے برعکس صرف اشعار جاہلی کی تعداد بیان نہیں کی جائے گی بلکہ تعداد کے ساتھ ساتھ محل استشہاد کا تجزیہ بھی پیش کیا جائے گا۔
2. اس موضوع کے تحت تین مخصوص فنون نحو، بلاغت اور لغت کے حوالہ سے خاص طور پر استشہاد شعری پیش کیا جائے گا۔ جب کہ اکثر باقی مذکورہ تحقیقات میں تمام فنون پر اس طرح اکھٹی بحث نہیں کی گئی ہے۔
3. اس موضوع کے تحت استشہاد شعری صرف جاہلی شاعروں کی شاعری تک محدود ہے جبکہ باقی اکثر تحقیقی کاموں میں بالعموم استشہاد شعری کو موضوعِ بحث بنایا گیا ہے۔
4. اور اسکی نفرادیت کی سب سے بڑی وجہ یہ ہے کہ یہ تفسیر فتح القدیر کے نصف آخر میں دور جاہلیت کے شعراء کے کلام سے استشہاد کے حوالہ سے ہے اور باقی مذکورہ تحقیقی کاموں میں سے کوئی بھی کام تفسیر فتح القدیر کے نصف آخر میں جاہلی شاعری سے استشہاد کے حوالہ سے نہیں ہے۔

مقاصد تحقیق:

1. تفسیر قران میں استشہاد بالشعر کی استنادی حیثیت اور اس کے دائرہ کار کی تحدید سے بحث کرنا۔

2. تفسیر فتح القدیر میں جاہلی شعراء کے اشعار سے استشہاد کی مختلف جہات کا جائزہ لینا۔

3۔ تفسیر فتح القدیر کے نصف آخر میں جاہلی شعراء کے اشعار سے استشہاد کی صورتوں کا تجزیہ کرنا۔

4۔ اردو زبان کے مفسرین کے تراجم میں استشہادی معنی کے اطلاق کی جانچ کرنا۔

تحقیق کے بنیادی سوالات:

1. تفسیر قرآن میں اشعار کو بطور دلیل پیش کرنے کی علمی و استنادی حیثیت کیا ہے اور اس ضمن میں امام شوکانی نے کیا منہج و اسلوب اختیار کیا۔؟؟

2. امام شوکانی نے جاہلی اشعار کو لغوی استشہاد کے لیے کس انداز سے پیش کیا ہے اور یہ اشعار قرآنی الفاظ کے معنی و مفاہیم کی تعیین میں کس حد تک معاون ثابت ہوتے ہیں۔؟

3. قرآنی آیات کے محل اعراب اور نحوی تراکیب کو واضح کرنے کے لیے امام شوکانی نے جاہلی اشعار سے کس حد تک نحوی استشہاد کیا ہے اور اس کی صورتیں کیا ہیں۔؟

4- تفسیر فتح القدیر میں آیات کی بلاغی تفسیر کے ضمن میں جاہلی شعراء کے کلام کو کس اسلوب سے پیش کیا گیا ہے۔؟

تحدید موضوع:

1. مقالہ ہذا قرآن کریم کی سورۃ الکھف سے سورۃ الناس کے مطالعہ پر مشتمل ہے۔

2. اس میں فقط تفسیر فتح القدیر سے جاہلی شعراء کے اشعار کا لغوی، بلاغی اور نحوی استشہاد کا اختصاصی مطالعہ کیا گیا ہے۔

منہج تحقیق:

1. تحقیق کے معیاری پیراڈائم (Qualitative Paradigm) میں رہتے ہوئے استخراجی و تجزیاتی منہج تحقیق اختیار کیا گیا۔

2. تفسیر فتح القدیر میں استشہاد بالشعر (Content Analysis) کا تجزیہ و تحلیل کرتے ہوئے حقائق تک پہنچنے کی کوشش کی گئی ہے۔
3. اس تحقیق میں بنیادی ماخذ کے طور پر امام شوکانی کی تفسیر فتح القدیر کو منتخب کیا گیا ہے اس کے علاوہ جاہلی شواہد کے فہم اور موازنہ کے لیے تفسیر طبری' تفسیر کشاف' تفسیر قرطبی' البیضاوی' روح المعانی' المحرر الوجیز اور ابن کثیر جیسی تفاسیر سے مدد لی گئی ہے جن میں ادبی' لغوی اور بلاغی پہلو نمایاں طور پر بیان کیے گئے ہیں۔
4. شعراء جاہلی کے دواوین اور انکی شروحات سے بھی استفادہ کیا گیا ہے۔
5. کتب لغت میں لسان العرب، الصحاح تاج اللغۃ وصحاح العربیۃ، تاج العروس، القاموس المحیط، المنجد وغیرہ سے بھی استفادہ کیا گیا ہے۔
6. جدید تحقیق کے ذرائع، مثلاً علمی ویب سائٹس (مکتبہ شاملہ، مکتبہ وقفیہ، مکتبہ نور)، ای کتب تحقیقی مجلات اور آرٹیکلز سے بھی استفادہ کیا گیا ہے۔
7. مقالہ کی تحریر و تسوید اور حوالہ جات کے لئے NUML کے منظور شدہ فارمیٹ کو اختیار کیا گیا۔

محمد عمران
پی ایچ ڈی اسکالر
شعبہ اسلامی فکر و ثقافت، نمل اسلام آباد

باب اول: باب اول: تفسیر قران میں استشہاد بالشعر کی روایت اور تفسیر فتح القدیر کا منہج و اسلوب۔

فصل اول: استشہاد بالشعر الجاہلی کا مفہوم اور تفسیر میں اس سے استشہاد کی استنادی حیثیت

فصل دوم: امام شوکانی کے احوال و آثار

فصل سوم: تفسیر فتح القدیر کا منہج و اسلوب

باب اول: باب اول: تفسیر قران میں استشہاد بالشعر کی روایت اور تفسیر فتح القدیر کا منہج واسلوب۔

قرآن مجید اللہ تعالیٰ کا وہ کلام لاریب ہے جو فصیح و بلیغ و عربی مبین میں نازل ہوا۔ قرآن مجید نے اپنے علمی اعجاز کے ساتھ ساتھ الفاظ وتراکیب کا بھی اعجاز پیش فرمایا اور جس میں ایسے الفاظ غریبہ بھی ارشاد فرمائے گئے جن کی توضیحات و تشریحات سے مفسرین کرام نے تفاسیر کو احاطہ قلم بند کرتے وقت شعر عرب کی طرف بالعموم اور شعر جاہلی کی طرف بالخصوص رجوع کیا اس کی وجہ یہ تھی کہ دور جاہلیت کی شاعری اپنے زبان وبیان اور تاریخی پس منظر کے تناظر میں اپنا ثانی نہیں رکھتی ہے۔ اسی اہمیت کے پیش نظر امام شوکانی نے ان اشعار جاہلی سے انتہائی علمی پیرائے میں استدلال واستشہاد کیا۔

قرآن مجید کی تفاسیر میں امام شوکانی کی تفسیر "فتح القدیر" ایک ممتاز و منفرد مقام کی حامل ہے۔ تفسیر مذکور کے مؤلف امام شوکانی ایک نابغہ روزگار شخصیت تھے جنہوں نے مختلف میادین میں اپنی عدیم النظیر خدمات کے ذریعے امت کی رہنمائی کی۔ آپ نے اپنی گرانقدر خدمات میں علمیت سے معمور تصانیف کا ایک ذخیرہ چھوڑا جس میں شہرہ دوام واستفادہ عام آپ کی تصنیف لطیف تفسیر "فتح القدیر" کو خاص طور پر نصیب ہوا۔

تفسیر فتح القدیر روایت و درایت کی جامع سلف صالحین کے اسلوب میں تحریر کی گئی ایک عظیم الشان تفسیر ہے۔ آپ نے دوران تفسیر ایسی علمی ابحاث کو بھی صفحہ قرطاس کی زینت بنایا جن سے یہ اصول تفسیر کی مناسبت سے بھی رہنمائی کرنے والی ایک تفسیر منصہ شہود پر آگئی۔ آپ نے متنوع قسم کے موضوعات کو اپنی تفسیر کی زینت بنایا اور آیات کے معانی کی تعیین و تفسیر میں دیگر علوم وفنون سے استشہاد واستدلال کرنے کے ساتھ ساتھ جاہلی اشعار سے بھی جابجا استشہاد کیا۔

مقالہ ہذا کے باب اول میں استشہاد بالشعر کا مفہوم اور تفسیر قرآن میں اس سے استشہاد کی استنادی حیثیت، امام شوکانی کا تعارف اور تفسیر فتح القدیر کا منہج واسلوب ان پر بحث کی جائے گی۔

فصل اول: استشہاد بالشعر الجاہلی کا مفہوم اور تفسیر قرآن میں اس سے استشہاد کی استنادی حیثیت

اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید کو فصیح و بلیغ اور عربی مبین میں نازل فرمایا ہے جس نے بڑے بڑے فصحائے عرب کو انگشت بدنداں کر دیا تھا اور اس کے لفظی و لغوی اعجاز کے سامنے سراپائے عجز بن کر کھڑے ہو گئے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید کے الفاظ و کلمات میں ایسی جامعیت و کاملیت کا عنصر رکھا کہ جس کی صحیح تفہیم کیلئے لغات و دیوان عرب کی طرح رجوع کرنا لازمی و لابدی امر ہے اس سے ان الفاظ کا تاریخی پس منظر بھی واضح ہو جاتا ہے اور اس کیلئے جاہلی شاعری جو کہ دیوان عرب کا حصہ ہے کا کردار انتہائی اہم ہے کہ قرآن مجید کی تفسیر کرتے وقت اس سے استشہاد و استدلال کئے بغیر درست فہم تک رسائی ناممکن ہو جاتی ہے اسی تناظر میں مفسرین نے دوران تفسیر دور جاہلیت کی شاعری سے بھرپور استشہاد کیا ہے۔

مبحث اول: استشہاد بالشعر الجاہلی کا مفہوم

قرآن مجید کے کسی لفظ و کلمہ یا پھر حرف کی مختلف پہلوؤں سے جائزہ لینے کیلئے شعر کو بطور تائید و دلیل پیش کرنا شعر سے استشہاد کرنا کہلاتا ہے۔

استشہاد کا مفہوم

استشہاد کا لفظ "**شهد يشهد**" سے باب استفعال کا مصدر ہے لغت میں اس کا مفہوم "**استعان و احتج به**"[1] یعنی مدد طلب کرنا اور اس سے حجت و دلیل پکڑنا جبکہ اصطلاح میں بھی اس کا مفہوم یہی ہے کہ کسی چیز سے استدلال کرنا اور حجت و دلیل پکڑنا۔

الشعر الجاہلی کا مفہوم

شعر ایک ایسا کلام ہوتا ہے جس میں ہم وزن اور ہم قافیہ کلام بالارادہ بیان کیا جاتا ہے اور جاہلی سے مراد وہ دور ہے جو اعلان نبوت سے قبل کا ہے گویا الشعر الجاہلی سے مراد آپ ﷺ کے اعلان نبوت سے تقریباً ایک سو پچاس سال قبل سے شروع ہونے والے دور کی شاعری ہے۔

شعر کا لغوی مفہوم

شعر کا لفظ "شین" کے کسرہ کے ساتھ آتا ہے اور اپنے مادہ کے اعتبار سے یہ لفظ کسی چیز سے آگاہی اور واقفیت کا مفہوم پیش کرتا ہے اور شعر "باب نصر" اور "باب کرم" کے اوزان پر مستعمل ہوتا ہے اور جب اس کا صلہ

1۔ اصفہانی، محمد حسین، **مفردات الفاظ القرآن**، تحقیق: صفوان عدنان (دمشق: دار القلم، الطبعۃ الرابعۃ، 1430ھ-2009م)، ص466-/ مفتی، محمد شاد ،**الاستشهاد بالشعر فی التفسیر و آراءه العلماء فيه**" راحت القلوب، جلد6، شمارہ:2 (جولائی۔ دسمبر 2022ء) ص50-60

"با" کے ساتھ ہو تو اس وقت اس کا مفہوم ہو گا "جاننا" "محسوس" کرنا اور جب اس کے صلہ میں لام ہو تو اس کا معنی "سمجھنا" ہو گا۔[1] چنانچہ لفظ "شعور" کا مادہ بھی ش، ع، ر (شعر) ہے جس کا مطلب کسی چیز کا علم، ادراک یا احساس رکھتا ہے جیسے "لیت شعری" کا مطلب ہے کاش مجھے اس کا علم ہو تا۔ شاعر اسی لئے شاعر ہے کہ وہ ان امور کا شعور یا علم رکھتا ہے جن کا شعور دوسرے نہیں رکھتے۔[2] گویا شاعر کا اطلاق ایسے شخص پر ہو گا جو صاحب ادراک و صاحب شعور ہو۔

شعر کا اصطلاحی مفہوم

مطلقاً کسی بھی عبارت اور کلام کو شعر نہیں کہا جاتا بلکہ وہ ایک مخصوص انداز اور طرز میں بولا ہوا یا لکھا ہوا کلام ہوتا ہے:

"الکلام الموزون المقفی قصداً" [3]

ترجمہ:۔ وہ کلام جو وزن اور قافیے کی قید کے ساتھ ارادۃً کہا گیا ہو۔

"کلام مقفی موزون علیٰ سبیل القصد" [4]

ترجمہ:۔ ایسا کلام جو ہم قافیہ اور ہم وزن ہو اور قصداً کہا گیا ہو۔

گویا شعر کا اطلاق ایسے کلام پر ہو گا جس کا ایک مخصوص وزن ہو اور ایسا کلام ارادہ سے کہا گیا ہو اس طرح اگر بلا قصد کوئی ہم وزن کلام کہہ دیا تو اس پر شعر کا مفہوم صادق نہیں آئے گا۔

شعر جاہلی کا مفہوم اور اس کا زمانہ

شعر جاہلی اس دور کے شعر اور شاعری کو کہا جاتا ہے جس کا تعلق آپ ﷺ کے اعلان نبوت سے قبل کا ہے اور جاحظ[5] نے اس کے زمانہ کی تحدید بھی کی ہے کہ وہ بعثت سے کتنا ما قبل ہے۔

آپ تحریر کرتے ہیں:

1۔ بلیلاوی، عبد الحفیظ، **مصباح اللغات**، (لاہور: مکتبۃ الخلیل، س ط ندارد) ص 435

2۔ الافریقی، محمد بن مکرم، **لسان العرب**، (بیروت: دار صادر، س ط ندارد)، 4/410

3۔ احمد بن ابراہیم، **جواھر الادب وانشاء لغة العرب**، (بیروت: مؤسسۃ المعارف، س ط ندارد)، 2/23

4۔ الجرجانی، علی بن محمد، **کتاب التعریفات**، (بیروت، لبنان: دار الکتب العلمیۃ، 1983ء)، ص 127

5۔ جاحظ ابو عثمان عمر بن محبوب کنانی بصری عہد عباسی کا نامور ادیب تھا آنکھیں بد وضع اور ابھری ہوئی ہونے کی وجہ سے جاحظ کہلوایا۔ 163ھ کو بصرہ میں پیدا ہوا۔ 255ھ کو وفات پائی ابو عبیدہ کا شاگرد تھا۔ دو سو سے زائد کتب تصنیف فرمائی ہیں۔ (یحییٰ مراد، **تراجم الشعراء**، قاہرۃ: دار الحدیث، س 2006ء، ص 187

"و العصر الجاھلی: ھو العصر الذی یمتد قبل بعثۃ النبی ﷺ 150 و سھل الطریق الیہ:

امر اء القیس بن حجر و مھلھل بن ربیعہ" [1]

ترجمہ:۔ حضور ﷺ کی بعثت سے قریباً ڈیڑھ سو برس قبل کا زمانہ عصر جاہلی (دور جاہلیت) شمار کیا جاتا ہے اور دور کی شاعری کے سرخیل امرؤالقیس [2] اور مہلھل بن ربیعہ [3] ہیں۔

مذکورہ عبارت سے معلوم ہوا کہ شعر جاہلی سے مراد حضور ﷺ کی بعثت مبارک سے پہلے زمانہ کی شاعری ہے جس کا دورانیہ ڈیڑھ سو سال پر مشتمل ہے۔ اس طرح استشہاد بالشعر الجاہلی سے مراد آپ ﷺ کی بعثت سے تقریباً ڈیڑھ سو سال قبل کی شاعری کو قرآن مجید کی تفسیر میں بطور استدلال پیش کرنا ہے تاکہ معانی قرآن کا گہرائی و گیرائی سے مطالعہ کیا جاسکے اور بلاشبہ تفسیر قرآن میں اس کا کردار انتہائی اہم ہے۔

مبحث دوم: تفسیر قرآن میں استشہاد بالشعر کی استنادی حیثیت

کلام کی اثر انگیزی میں اشعار بنیادی کردار ادا کرتے ہیں ایسی بات جس کو اشعار سے مؤید کہا جائے تو اس کی اثر آفرینی بہت بڑھ جاتی ہے ایسے ہی اشعار کی اہمیت کو اجاگر کرنے کیلئے آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

((ان من الشعر حکمۃ)) [4]

ترجمہ: بعض اشعار حکمت والے ہوتے ہیں۔

آپ ﷺ کا یہ فرمان اشعار کی شرعی حیثیت کو بھی متعین کر رہا ہے یعنی ہر قسم کا شعر لائق تحسین نہیں ہے بلکہ بعض اشعار ایسے ہوتے ہیں جو حکمت سے معمور ہوتے ہیں تو ایسا شاعرانہ کلام لائق توجہ ہے جبکہ بعض ایسے اشعار بھی ہیں جن کی حوصلہ شکنی از حد ضروری ہے جیسے آپ ﷺ نے فرمایا:

((لا ن یمتلی جوف رجل قیحاً خیر من أن یمتلی شعراً)) [5]

ترجمہ: کسی انسان کے پیٹ میں پیپ بھر جانا جو اس کے پیٹ کو تباہ کردے شعر کے ساتھ بھر جانے کی نسبت بہتر ہے۔

1۔ جاحظ، عمرو بن بحر، **کتاب الحیوان**، (بیروت: دار الکتب العلمیہ، ط2)، 2/53

2۔ امر اء القیس: جندح بن حجر الحارث الکندی 501ء میں بنو اسد کے گھر پیدا ہوا جوانی کی عمر میں موج مستی اور عیاشی کے ساتھ شاعری میں لگا رہا۔ زمانہ جاہلیت کا مشہور شاعر تھا۔ جلد کی بیماری کی بدولت 544ء میں انتقال کر گیا۔ (یحیٰ مراد، **تراجم الشعراء**، ص257)

3۔ ابو لیلی عدی بن ربیعہ بن مرہ: اہل نجد کا انتہائی باکمال شاعر تھا۔ امر اء القیس کا ماموں لگتا تھا خوبرو، فصیح اللسان اور جوانی میں عورتوں کا شوقین تھا یہ جاہلیت کا پہلا طبقہ کا شاعر تھا۔ (یحیٰ مراد، **تراجم الشعراء**، ص266)

4۔ البخاری، **الجامع الصحیح**' کتاب الأدب' باب مایجوز من الشعر و الرجز، (دمشق: دار ابن کثیر، الطبعۃ الاولیٰ 2002ء) حدیث نمبر 5793

5۔ مسلم، **الجامع الصحیح**، کتاب الشعر' باب فی انشاد الاشعار و بیان أشعر الکلمۃ، (الریاض: دار طیبہ، الطبعۃ الاولیٰ، 2006ء) حدیث نمبر 5893

آپ ﷺ کا یہ فرمان ایسے اشعار کی تذمیم کر رہا ہے جو فحش گوئی اور غیر شرعی باتوں پر مشتمل ہو جس سے دل ذکر اللہ، قرآن کی تلاوت اور دیگر حقوق کی ادائیگی سے غافل کر دے۔ مفتی محمد شفیع اس بابت رقم طراز ہیں:

"اسی طرح وہ اشعار جو فحش مضامین یا لوگوں پر طعن و تشنیع یا دوسرے خلاف شرع مضامین پر مشتمل ہوں وہ باجماع امت حرام اور ناجائز ہیں اور یہ حکم شعر کے ساتھ مخصوص نہیں جو نثر کلام ایسا ہو اس کا بھی یہی حکم ہے"[1]

لہٰذا جو کلام ایسے مذکورہ امور سے خالی ہو گا وہ آپ ﷺ کے ارشاد گرامی کا مصداق نہیں ہے جیسے سورۃ الشعراء کے اس آیت کے سبب نزول سے معلوم ہوتا ہے اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿وَ الشُّعَرَآءُ یَتَّبِعُهُمُ الْغَاوٗنَؕ اَلَمْ تَرَ اَنَّهُمْ فِیْ كُلِّ وَادٍ یَّهِیْمُوْنَ۔ وَ اَنَّهُمْ یَقُوْلُوْنَ مَا لَا یَفْعَلُوْنَ۔ اِلَّا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَ عَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ وَ ذَكَرُوا اللّٰهَ كَثِیْرًا وَّ انْتَصَرُوْا مِنْۢ بَعْدِ مَا ظُلِمُوْاؕ وَ سَیَعْلَمُ الَّذِیْنَ ظَلَمُوْۤا اَیَّ مُنْقَلَبٍ یَّنْقَلِبُوْنَ﴾ [2]

ترجمہ:۔ اور جو شعراء ہیں تو ان کی پیروی حق سے بہکے ہوئے لوگ ہی کرتے ہیں کیا تم نہیں دیکھتے کہ شعرا ہر وادی میں سرگرداں پھرتے رہتے ہیں اور وہ کیا کرتے ہیں ایسی باتیں جن پر وہ خود عمل نہیں کرتے بجز ان شعراء کے جو ایمان لے آئے اور انہوں نے نیک عمل کئے اور کثرت سے اللہ تعالیٰ کو یاد کرتے ہیں اور انتقام لیتے ہیں اس کے بعد کہ ان پر ظلم کیا گیا، اور ظالم عنقریب جان لیں گے کہ کون سی جگہ لوٹ کر جاتے ہیں۔

جب یہ آیت مقدسہ نازل ہوتی ہے تو سیدنا عبد اللہ بن رواحہ، سیدنا حسان بن ثابت اور سیدنا کعب بن مالکؓ جو کہ شعراء صحابہ کرام تھے گریہ زاری کرتے ہوئے بارگاہ رسالت میں حاضر ہوئے اور عرض کی "یا رسول اللہ ﷺ اللہ تعالیٰ نے یہ آیات نازل فرمائی ہیں اور ہم بھی شعر کہتے ہیں تو آپ ﷺ نے فرمایا: ان آیات کے آخری حصہ کی تلاوت کرو"[3]

آپ ﷺ کے فرمان کا مقصود یہ تھا کہ تم اہل ایمان اس کا مصداق نہیں ہو کیونکہ آیات کے آخر میں جن حضرات کو استثناء دیا گیا ہے تمہارا شمار ان میں ہوتا ہے۔

"مفسرین فرماتے ہیں: ابتدائی آیات میں مشرکین شعراء مراد ہیں کیونکہ گمراہ لوگ، سرکش شیاطین اور نافرمان جن ان مشرکین شعراء کے اشعار کی اتباع اور روایت کرتے تھے"[4]

1۔ مفتی، محمد شفیع، **معارف القرآن**، (کراچی: ادارۃ المعارف، س ط ندارد)، 6/555

2۔ الشعراء: 224 تا 227

3۔ ابن کثیر، اسماعیل بن عمر، **تفسیر القرآن العظیم**، تحقیق: سامی بن محمد السلامۃ (الریاض: دار طیبہ للنشر و التوزیع، الطبعۃ الثانیۃ 1420ھ۔1999ء)، 6/175

4۔ مفتی، محمد شفیع، **معارف القرآن**، 6/554

اس آیت مقدسہ میں مطلقاً شاعری کی مذمت نہیں کی گئی ہے جبکہ سیرت نبوی سے اس بات کا ثبوت ملتا ہے کہ آپ نے بعض اشعار کی تعریف فرمائی اور صحابہ کرامؓ بھی اشعار کہا کرتے تھے جیسے حضرت انسؓ فرماتے ہیں:

((قال أنس بن مالک رضی اللہ عنہ : قدم علینا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم المدینة و ما فی الانصار بیت الاوهو یقول الشعر))[1]

ترجمہ:۔ حضرت انسؓ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ مدینہ طیبہ جلوہ افروز ہوئے تو انصار کا کوئی بھی گھر ایسا نہ تھا جس میں کوئی شعر کہنے والا نہ ہو۔

آپ ﷺ ایسے اشعار کو پسند فرماتے تھے جن سے حقیقت دنیا یا پھر اخلاقی تعلیمات پر مشتمل کوئی پیغام ہو جیسے حضرت ابوہریرہؓ روایت کرتے ہیں کہ حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا:

((أَصْدَقُ كَلِمَةٍ قَالَهَا الشَّاعِرُ: كَلِمَةُ لَبِيدٍ أَلَا كُلُّ شَيْءٍ مَا خَلَا اللهَ بَاطِلٌ))[2]

ترجمہ:۔ عربوں کے کلام میں سب سے بہترین کلام یہ ہے جسے شاعر لبید نے کہا ہے: یاد رکھو اللہ تعالیٰ کے علاوہ ہر چیز باطل اور بے بنیاد ہے۔

آپ ﷺ کے ایسے شعراء صحابہ کرام تھے جو کفار کی مذمت کیا کرتے تھے جیسے حضرت حسان بن ثابتؓ اور کعب بن مالکؓ وغیرہ۔ ان میں ایک دفعہ حضرت حسان بن ثابتؓ کے کلام کو سن کر آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا تھا حضرت عائشہ صدیقہؓ روایت کرتی ہیں:

عن عائشہ رضی اللہ عنہا قالت' سمعت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم یقول لحسان ((إن روح القدس لایزال یؤیدک ما نافحت عن اللہ و رسولہ و قالت: سمعت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم' یقول هجاهم حسان فشفیٰ و اشتفیٰ))[3]

ترجمہ:۔ حضرت عائشہ صدیقہؓ سے مروی ہے کہ انہوں نے حضور ﷺ کو حضرت حسانؓ سے یہ فرماتے ہوئے سنا: کہ جب تک تم اللہ عزوجل اور اس کے رسول کی طرف سے ان کا دفاع کرتے رہو گے تو روح القدس (جبریل علیہ السلام) تمہاری تائید کرتے رہیں گے۔ حضرت عائشہؓ نے فرمایا کہ میں نے رسول اللہ ﷺ سے سنا ہے کہ حسان نے کفار قریش کی ہجو کر کے مسلمانوں کو شفا دی (یعنی ان کے دلوں کو راحت پہنچائی) اور اپنے آپ کو شفا دی (یعنی اپنے سینے کو بھی راحت و ٹھنڈک پہنچائی)۔

1۔ الموسیٰ، سعد بن موسیٰ، **تاریخ الحیاة العلمیة فی المدینة النبویة خلال القرن الثانی الهجری**، (دار القاسم، 2007ء)، ص 205

2۔ البخاری، **الجامع الصحیح** ، کتاب مناقب الانصار، باب القسامة فی الجاهلیة، ح 3841

3۔ البخاری، **الجامع الصحیح**' کتاب مناقب' باب من أحب ان لا یسب نسبه، ح 3338

اس طرح آپ ﷺ نے حضرت حسان رضی اللہ عنہ کے کلام کی نہ صرف مدح وستائش فرمائی بلکہ اس کلام کو شفایابی یعنی راحت وٹھنڈک بھی قرار دیا اس طرح مختلف مواقع پر آپ ﷺ حضرت حسانؓ کو کلام پیش کرنے کا فرماتے رہے جیسے غزوہ بنی قریظہ کے موقع پر آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

((قال رسول اللہ ﷺ یوم قریظة لحسان بن ثابت رضی اللہ عنہ: اهج المشركين' فان جبريل معك))[1]

ترجمہ:۔ رسول اللہ ﷺ نے قریظہ کے روز حضرت حسان بن ثابتؓ سے فرمایا "مشرکین کی ہجو کرو بے شک جبریل علیہ السلام بھی (میری ناموس کے دفاع میں) آپ کے ساتھ شریک ہیں۔

ایک اور موقع پر آپ ﷺ نے حضرت عبد اللہ بن رواحہ، حضرت کعب بن مالک اور حضرت حسان بن ثابتؓ کو فرمایا کہ تم قریش کی ہجو کرو آپ ﷺ نے فرمایا:

عن عائشة رضی اللہ عنها أن رسول اللہ ﷺ قال: ((اهجوا قريشاً فإنه أشد عليها من رشقٍ بالنيل))[2]

ترجمہ:۔ حضرت عائشہ صدیقہؓ روایت فرماتی ہیں: کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: قریش کی ہجو (یعنی مذمت) کرو، کیوں کہ ان (گستاخوں) پر (میری نعت) اور اپنی ہجو تیروں کی بوچھاڑ سے بھی زیادہ شاق گزرتی ہے۔

آپ ﷺ کا مذکورہ فرمان کئی اعتبارات سے اہمیت کا حامل ہے ان میں سے ایک یہ ہے کہ آپ ﷺ کی شان اقدس میں کی جانی والی گستاخیوں کا ایک سدباب آپ ﷺ کی مدحت سرائی کو بصورت نعت فروغ بخشا جائے۔

شاعرانہ کلام کے حسن وقبح کے حوالے سے آپ ﷺ کا یہ فرمان مزید رہنمائی کرتا ہے:

عن عبداللہ بن عمرو قال: قال رسول اللہ ﷺ ((الشعر بمنزلة الكلام' حسنه كحسن الكلام' وقبيحه كقبيح الكلام))[3]

ترجمہ:۔ عبد اللہ بن عمرو سے آپ ﷺ کا یہ قول منقول ہے کہ شعر ایک کلام ہے اگر اس کا مضمون اچھا اور مفید ہے تو شعر اچھا ہے اور مضمون برا ہے تو کلام کی طرح شعر بھی برا ہے۔

1۔ البخاری، **الجامع الصحیح**' کتاب بدء الخلق' باب ذکر الملائکة، ح3041، و أیضاً فی کتاب المغازی' باب مرجع النبی ﷺ من الاحزاب و مخرجه الی بنی قریظة، ح3897

2۔ مسلم، **الجامع الصحیح**' کتاب فضائل الصحابة رضی اللہ عنہم' باب فضائل حسان بن ثابت رضی اللہ عنہ، ح2490

3۔ البخاری، محمد بن اسماعیل، **الادب المفرد**، (بیروت: دار البشایر الاسلامیة، س ط ندارد)، 1/ 299

آپ ﷺ کی سنت مبارکہ سے شعروشاعری کے کلام کے تقاضوں اور ان کی شرعی حیثیت خوب واضح ہوتی ہے علاوہ ازیں اگر صحابہ کرام کے طرز عمل کو دیکھا جائے تو ابو عمر نقل کرتے ہیں:

''اچھے مضامین پر مشتمل اشعار کو اہل علم اور اہل عقل میں سے کوئی برا نہیں کہہ سکتا، کیوں کہ اکابر صحابہ جو دین کے مقتداء ہیں ان میں کوئی بھی ایسا نہیں ہے جس نے خود شعر نہ کہے ہوں یا دوسروں کے اشعار نہ پڑھے یا سنے ہوں اور پسند کیا ہو''[1]

پیش کردہ عبارات سے معلوم ہوا کہ اشعار جو عمدہ مضامین پر مشتمل ہوں شرعی تناظر میں ان سے اخذ و استفادہ میں کوئی حرج نہیں بلکہ بعض مقامات پر ان کی ضرورت واہمیت میں اضافہ ہو جاتا ہے اسی مناسبت سے قرآن مجید جو کہ فصیح و بلیغ اللہ تعالیٰ کا کلام ہے اس کے معانی کی توضیحات میں اشعار جاہلی انتہائی اہمیت کے حامل ہیں۔ اس کی وضاحت مندرجہ ذیل واقعہ سے بھی واضح ہوتی ہے۔

''حضرت عمرؓ نے منبر پر یہ آیت مقدسہ تلاوت فرمائی:

﴿اَوْ يَاْخُذَهُمْ عَلٰى تَخَوُّفٍ ۭ فَاِنَّ رَبَّكُمْ لَرَءُوْفٌ رَّحِيْمٌ﴾[2]

اور لفظ تخوف کا معنی دریافت فرمایا جس پر قبیلہ بنو ھذیل کا ایک شخص کھڑا ہوا اور عرض کی کہ ہمارے نزدیک تخوف کا معنی تنقص ہے اور بطور دلیل یہ شعر پڑھا:

''تخوف الرحل منها تامكاً قرداً　　كما تخوف عود النبعة السفن''۔[3]

تو حضرت عمرؓ نے فرمایا اے لوگو! شعر جاہلی کے دیوان کو مضبوطی سے پکڑ لو کیوں کہ اس میں تمہاری کتاب کی تفسیر موجود ہے۔[4]

اسی مناسبت سے مفسرین کی ایک جماعت نے قرآن حکیم کے غریب الفاظ کی تشریح اور تفسیر کرتے وقت جاہلی اشعار سے استشہاد کیا ہے بلکہ قرآن مجید کی تفسیر کا جاہلی اشعار سے استشہاد دور صحابہ سے ہی شروع ہو گیا تھا جیسے ''حضرت عبد اللہ ابن عباسؓ نے نافع بن ارزق کو جوابات دیئے تھے کہ جب اس نے قرآن مجید کے الفاظ غریبہ کے

1۔ القرطبی، محمد بن احمد، **الجامع لأحكام القرآن**، (القاہرۃ: دار الکتب المصریۃ، س ط ندارد)، 13/147

2۔ النحل: 47

3۔ الاسد، ناصر الدین، **مصادر الشعر الجاهلي**، (مصر: دار المعارف، 1988ء)، ص 152

4۔ الشہری، عبد الرحمن بن معاضۃ، **الشاهد الشعري في تفسير القرآن الكريم و أهميته و أثره**، (الریاض: مکتبۃ دار المنہاج، الطبعۃ الاولیٰ، 1431ھ)، ص 70

بارے میں دو سو سے زائد سوالات کئے تو آپؓ نے ان سوالات کے جوابات اشعار جاہلی سے استشہاد کرتے ہوئے ارشاد فرمائے۔"[1]

مذکورہ واقعہ جہاں حضرت ابن عباسؓ کی جلالت علمی کا مظہر ہے وہاں تفسیر قرآن میں استشہاد بالشعر الجاہلی کی اہمیت کو بھی واضح کرتا ہے یہی وجہ ہے کہ مفسرین حضرات دوران تفسیر ان سے بھرپور استفادہ کرتے رہے ہیں۔ عبدالرحمٰن بن معاضۃ الشہری نے بعض نامور مفسرین کی تفاسیر اور استشہاد بالشعر کو مع تعداد ذکر کیا ہے آپ تحریر کرتے ہیں:

"1۔ تفسیر "مجاب القرآن" جو کہ دوسری صدی ہجری کی تفسیر ہے اس میں نو سو باون اشعار سے استشہاد کیا گیا ہے۔2۔ تفسیر "معانی القرآن" یہ بھی دوسری صدی ہجری کی تفسیر ہے اس میں سات سو پچاس اشعار سے استشہاد کیا گیا۔ 3۔ "تفسیر غریب القرآن" یہ بھی دوسری صدی ہجری کی تفسیر ہے اس میں ایک سو بیالیس اشعار سے استدلال کیا گیا ہے۔4۔ تفسیر طبری جو کہ تیسری صدی ہجری کی تفسیر ہے اس میں بائیس سو ساٹھ اشعار سے استشہاد کیا گیا ہے (حالانکہ یہ تفسیر بالماثورہ رجحان کی نمائندہ تفسیر ہے)۔5۔ تفسیر کشاف جو کہ چھٹی صدی ہجری کی تالیف ہے اس میں نو سو اشعار کا تذکرہ ہے۔6۔ تفسیر المحرر الوجیز جو کہ چھٹی صدی ہجری کی تصنیف لطیف ہے (روایت و درایت کی جامع انتہائی عمدہ تفسیر ہے) اس میں انیس سو اکیاسی اشعار سے استشہاد کیا گیا ہے۔7۔ تفسیر قرطبی میں تقریباً پانچ ہزار اشعار کو بطور استدلال و استشہاد پیش کیا گیا ہے۔"[2]

زیر تحقیق تفسیر "فتح القدیر" میں امام شوکانی نے تقریباً ایک ہزار سے زائد جاہلی اشعار سے استشہاد کیا ہے۔

طبقات شعراء کے لحاظ سے استشہاد بالشعر کی صورتیں:

"شعری استشہاد کے لیے شعراء کو چار طبقات میں تقسیم کیا گیا ہے۔

1-جاہلی شعراء: اس سے مراد وہ شعراء ہیں جنہوں نے خالصتاً زمانہ جاہلیت پایا اور اسی زمانے میں شاعری کرتے رہے ان کا سرخیل امراء القیس ہے۔ان کے کلام سے استشہاد بالاجماع جائز ہے۔

2-مخضرمی شعراء: اس سے مراد ایسے شعراء ہیں جنہوں نے جاہلیت اور اسلام دونوں کا زمانہ پایا۔ زمانہ جاہلیت میں بھی شاعری کرتے رہے اور زمانہ اسلام میں بھی۔ان کے سرخیل حضرت حسان بن ثابت ہیں ان شعراء کے کلام سے بھی استشہاد بالاتفاق جائز ہے۔

1۔ السیوطی، عبدالرحمٰن بن ابی بکر، **الاتقان فی علوم القرآن**، (لبنان: دارالفکر، 1996ء)، 1/348

2۔ الشہری، **الشاھد الشعری فی تفسیر القرآن الکریم**، ص 191

3-دور اسلامی کے شعراء: یہ ایسے شعراءہیں جنہوں نے صرف اسلامی دور میں شاعری کی ان کی زیادہ تر شاعری بنو امیہ اور بنو عباس کے دور میں رہی ان کے کلام سے استشہاد میں اختلاف ہے۔ خلیل نحوی، یونس اور سیبویہ کے نزدیک ان کے کلام سے استشہاد جائز ہے لیکن دیگر ائمہ کے نزدیک جائز نہیں ہے۔

4-شعرائے مولدین: اس سے مراد جدید شعراءہیں ان کے کلام سے اخذ واستفادہ جائز نہیں ہے ان کو مولد اسی وجہ سے کہا جاتا ہے کہ ان کی شاعری میں تولد ہے۔ (1)"

اشعار جاہلیہ سے استشہاد کی شرائط

اشعار جاہلیہ سے استشہاد کی شرائط درج ذیل ہیں:

"1۔ استشہاد کا مقصد صرف لغوی ونحوی توضیح ہو نہ کہ احکام وعقائد کے لیے۔

2-شعر فصحائے عرب کا ہو۔

3-شعر کا معنیٰ قرآن کے لفظ یا سیاق کی تائید کرتا ہو۔

4-شعر قرآن کی تفسیر میں تابع ہو اصل نہ ہو۔

5-استشہاد کرنے والا لغت، نحو، اور بلاغت میں ماہر ہو"۔ (2)

خلاصہ بحث یہ ہے کہ قرآن مجید کی فصاحت وبلاغت اس امر کی متقاضی ہے کہ اس کی شان کے مطابق حسب استطاعت وتوفیق تفسیر کی جائے۔ اس سلسلہ میں اشعار جاہلی جو کہ عربی فصاحت وبلاغت کا مرقع ہیں قرآن کریم کی صحیح تفسیر وتوضیح میں بنیادی کردار کرتے ہیں اسی تناظر میں مفسرین کرام تفسیر کرتے وقت ان سے بھرپور استشہاد کرتے رہے ہیں۔ قاضی شوکانی نے بھی مفسرین کے نقش قدم پر چلتے ہوئے اپنی تفسیر میں جاہلی اشعار سے استشہاد میں خوب طبع آزمائی کی ہے۔ مقالہ ہذا کے آئندہ صفحات میں اس حقیقت کو بہترین پیرائے میں ملاحظہ کیا جاسکتا ہے۔

1-الشہری، **الشاهد الشعری فی تفسیر القرآن الکریم**، ص98

2-السیوطی، **الاتقان فی علوم القرآن**، 1/ 305

فصل دوم: امام شوکانی کے احوال و آثار

امام شوکانی نابغہ روزگار علمی شخصیت تھے آپ کے علمی فیوضات سے عصر حاضر میں بھی ایک زمانہ مستفید ہو رہا ہے۔ آپ نے مختلف موضوعات پر کتب تالیف فرمائیں جو ایک خاص علمی مقام رکھتی ہیں مگر آپ کی تفسیر بنام ''فتح القدير الجامع بين فنی الرواية و الدراية من علم التفسير'' کو شہرت نصیب ہوئی ہے۔ زیر تحقیق مقالہ میں آپ کی اسی علمی کاوش کو زیر بحث لایا جائے گا۔

مبحث اول: امام شوکانی کا نام و نسب

آپ کا نام ''محمد بن علی بن محمد شوکانی''[1] ہے۔ آپ کے والد ''علی بن محمد ''صنعا''[2] میں شوکانی کی نسبت سے شہرت رکھتے تھے۔

شوکانی نسبت کی وجہ تسمیہ

آپ شوکانی کی نسبت سے مشہور ہیں اور آپ بذات خود اس نسبت کے حوالے سے رقم طراز ہیں:

''شوکان یمن[3] کے قبائل خولان کی بستی کا نام ہے جو صنعا سے تقریباً ایک روز کی مسافت پر واقع ہے''[4]

شوکان سے آپ کی نسبت آباؤ واجداد کے اس سے تعلق کی وجہ سے ہے ورنہ آپ خود ''صنعاء'' سے تعلق رکھتے تھے۔

تاریخ پیدائش

آپ کی ولادت 28 ذیقعد 1173 ہجری بروز سوموار شوکان کے قصبے میں ہوئی۔[5]

مبحث دوم: تعلیم و تربیت کا حصول

آپ نے اپنی تعلیم کا آغاز قرآن مجید کے حفظ سے کیا اس کے بعد دیگر کتب مسنون کے حفظ کی طرف متوجہ ہوئے جن میں ''الازھاء''، مختصر الفرائض، کافیہ، شافیہ، تہذیب، تخلیص، منظومہ اور آداب بحث و مناظرہ نمایاں کتب ہیں اور اس کے علاوہ اپنے زمانہ کے اجل علماء سے مختلف علوم و فنون کو پڑھا اور ان میں مہارت تامہ حاصل کی اور بہت

1۔ الشوکانی، محمد بن علی، **البدر الطالع**، (القاہرۃ: دار الکتاب الاسلامی، س ط ندارد)، 2/214

2۔ صنعا یمن کا دارالخلافہ ہے اور ملک کے وسط میں واقع ہے یہ اڑھائی ہزار سال پرانا شہر ہے ساتویں اور آٹھویں صدی عیسوی میں یہ شہر اسلام کی نشر و اشاعت کا مرکز بن گیا تھا۔ (الحموی، یاقوت بن عبد اللہ، **معجم البلدان**، بیروت: دار صادر، س ط ندارد، 3/426)

3۔ یمن مغربی ایشیا میں واقع ہے یہ مشرق وسطیٰ کا مسلم آبادی والا ملک ہے اس کے شمال اور مشرق میں سعودی عرب اور عمان ہیں اور مشرق میں بحیرہ عرب، جنوب میں اور بحیرہ احمر اس کے مغرب میں واقع ہے۔ صنعا اس کا دارالخلافہ ہے (الحموی، **معجم البلدان**، 5/447، 448)

4۔ الشوکانی، **البدر الطالع**، 2/215، /۔ الشوکانی، محمد بن علی، **فتح القدير** (مقدمه)، (الکویت: دار النوادر، تا ندارد)، 1/4، (موجودہ اعداد و شمار کے مطابق صنعاء سے خولان تک کا فاصلہ تقریبا 45 کلومیٹر ہے۔)

5۔ ایضاً

جلد مختصر سے عرصہ میں یہ قابلیت پیدا کرلی کہ بیس برس کی عمر میں مسند تدریس پر فائز ہو گئے۔ اور ایک دن میں دس سے زیادہ علوم وفنون کی تدریس کرتے تھے۔ [1]

مبحث سوم: علمی مقام ومرتبہ

آپ کا تعلق علمی گھرانے سے تھا جس وجہ سے حصول علم میں کمال مہارت سے اپنی صلاحیتوں کا اظہار فرمایا اور حصول علم کے بعد درس وتدریس کو اپنا شیوا بنائے رکھا جس میں تقلید محض کی بجائے تحقیق واجتہاد کے ذریعے مسائل کا حل پیش کرتے رہے اس علمی کمال کی وجہ سے سینتیس برس کی عمر میں منصب قضاء پر براجمان ہو گئے۔ بعد ازاں یمن کے داخلی وخارجی امور کے وزیر بھی بن گئے اور اپنی خدمات جلیلہ کی وجہ سے خوب نیک نامی کمائی۔ [2]

آپ کو علمی مقام ومرتبہ کے باعث مختلف القابات جلیلہ سے نوازا گیا مثلاً "الامام، العلامہ الربانی، امام الائمۃ ومفتی الائمۃ، بحر العلوم وشمس الفهوم، سند المجتہدین الحفاظ، فارس المعانی والالفاظ، فرید العصر، نادرۃ الدھر، شیخ الاسلام، قدوۃ الأنام، علامۃ الزمان، ترجمان الحدیث والقرآن" [3] مذکورہ القابات آپ کے علمی مقام ومرتبہ کا مظہر ہیں اس سے یہ بات بھی عیاں ہوتی ہے کہ آپ مختلف النوع علوم وفنون سے بھرپور شناسائی رکھتے تھے۔

مبحث چہارم: مشائخ عظائم واساتذہ کرام

امام شوکانی کی جلالت علمی کا ایک سبب ان کے وہ نامور مشائخ واساتذہ کرام ہیں جن کے سامنے آپ نے زانوئے تلمذ طے کیا آپ کی یہ بھی خوش نصیبی تھی کہ آپ کے والد ایک محقق عالم تھے اس بنا پر انہوں نے آپ کی تعلیم وتربیت کا اہتمام ایسے مشائخ کی نگرانی میں کیا جن سے امام شوکانی کو خوب مستفیض ہونے کا موقع میسر آیا آپ کے نامور مشائخ واساتذہ کی تعداد تقریباً گیارہ بتلائی جاتی ہے ان کے اسمائے گرامی حسب ذیل ہیں:

"1۔ علامہ احمد بن عامر الحدائی، 2۔ سید علامہ اسماعیل بن حسن، 3۔ سید الامام عبد القادر بن احمد الکوکبانی، 4۔ قاضی عبد الرحمٰن بن حسن الاکوع، 5۔ العلامہ الحسن بن اسماعیل، 6۔ العلامہ القاسم بن یحییٰ الخولانی، 7۔ السید العلامہ علی بن ابراہیم، 8۔ آپ کے والد گرامی علی بن محمد الشوکانی، 9۔ سید عبد الرحمٰن بن قاسم، 10۔ العلامہ عبد اللہ بن اسماعیل، 11۔ السید العارف یحییٰ بن محمد الحوشی۔ آپ کے یہ وہ اساتذہ کرام ہیں جن کا تذکرہ ڈاکٹر ابراہیم نے کیا

1۔ الشوکانی، **البدر الطالع**، 2/215-216

2۔ الشوکانی، محمد بن علی، **قطر الولی علی حدیث الولی** مقدمۃ التحقیق: ڈاکٹر ابراهیم، (دار الکتب، س ط ندارد)، ص 63، /۔ نسیم اختر، **امام شوکانی اور تفسیر فتح القدیر**، (لاہور: شیخ محمد اشرف ناشران، اکتوبر 1993)، ص 9

3۔ ایضاً، **فتح القدیر** (مقدمہ)، ص 4

ہے۔[1] علاوہ ازیں آپ کے حسب ذیل اساتذہ کرام بھی اہم مقام رکھتے ہیں: احمد بن محمد الحرازی، علی بن ہادی، ہاجی بن حسن، یوسف بن محمد بن علاء، احمد بن احمد بن مطہر القابلی، عبد اللہ بن الحسن۔[2]

مبحث پنجم: چند نامور تلامذہ

آپ کے شاگردان رشید کی تعداد کثیر ہے ان میں ممتاز اور نامی گرامی تلامذہ کی تعداد بانوے بیان کی جاتی ہے۔ڈاکٹر ابراہیم ہلال نے صرف تیرہ ممتاز تلامذہ پر تبصرہ نقل فرمایاہے آپ لکھتے ہیں:

آپ کے شاگردوں میں سے ہیں۔ 1۔ محمد بن محمد زیارہ الحسنی، 2۔ محمد بن احمد السودی، 3۔ محمد بن احمد مشحم، 4۔ السید احمد بن علی بن محسن، 5۔ السید محمد بن محمد بن ہاشم، 6۔ عبد الرحمٰن بن احمد، 7۔ احمد بن عبد اللہ الغمری، 8۔ علی بن احمد ہاجر الصنعائی، 9۔ عبد اللہ بن محسن الحیمی، 10۔ القاضی محمد بن حسن الشجنی، 11۔ قاضی شوکانی کے بیٹے احمد بن محمد الشوکانی۔

مبحث ششم۔ عقیدہ سلف پر عمل پیرا

امام شوکانی آغاز میں زیدیہ فکر کے حامل تھے اور اس میں یہ مقام رکھتے تھے کہ آپ نے زیدیہ عقیدہ وفقہ میں باقاعدہ کتب تالیف فرمائیں اور اس فکر کے مشہور شخصیت بن گئے لیکن بعدازاں جب کتب احادیث کی طرف مراجعت فرمائی مختلف مکاتب فکر کے علماء کو پڑھا جس سے ان کی شخصیت میں ایسا علمی رسوخ ووثوق پیدا ہوا کہ جس بناء پر انھون تقلید کو ترک کیا اور کتاب وسنت کے ذریعے اجتہاد کا راستہ اپنایا:

"فطلب الحديث و فاق أهل زمانه حتى خلع ربقة التقليد و تحلى بمنصب الاجتهاد فالف كتاب "السيل الجرار المتدفق على حدائق الازهار"۔[3]

ترجمہ: علم حدیث کو حاصل کیا اور اپنے زمانے کے علماء میں ایک مرتبہ حاصل کیا یہاں تک کہ تقلید کی روش کو ترک کردیا اور اس عنوان سے کتاب تالیف کی "السیل الجرار المتدفق علی حدائق الازھار"

بعد میں آپ نے علمائے سلف کے عقیدہ کو مضبوطی سے تھام لیا اور اس ضمن میں ایک رسالہ بھی رقم فرمایا:

"وعقيدته عقيدة مذهب السلف من حمل صفات البارى تعالىٰ الواردة فى القرآن الحكيم و السنة النبوية الصحيحة على ظاهره من غير تاويل و لا تحريف و قد ألف رسالة فى ذلك سماها "التحف بمذهب السلف"۔[4]

1۔ الشوکانی، **البدر الطالع**، 2/215-216، /۔ الشوکانی، محمدبن علی، **قطر الولی**، ص 41

2۔ ایضاً، 217، /۔ الشوکانی، **قطر الولی**، ص 42 تا 45

3۔ الشوکانی، **فتح القدیر** (مقدمہ)، 1/6

4۔ ایضاً

ترجمہ: آپ کا عقیدہ مذہب سلف کے مطابق تھا قرآن حکیم اور سنت نبویہ صحیحہ میں اللہ تعالیٰ کی صفات بغیر کسی تاویل و تحریف کے ظاہر پر محمول کیا اور اس موضوع پر باقاعدہ رسالہ تالیف فرمایا "التحف بمذهب السلف"

ڈاکٹر ابراہیم ہلال رقم طراز ہیں:

"والامام الشوكاني يجعل عمدته في الدعوة الى مذهب السلف"۔[1]

امام شوکانی خود بھی صاحب بصیرت مصنف تھے اور سلف کے مذاہب پر انہیں کامل دسترس حاصل تھی۔[2]

آپ نے عقیدہ توحید کو شرک کی آمیزش سے پاک کرنے کی طرف دعوت دی اور خرافات اور بدعات سے بچنے کی خوب تلقین کی اس ضمن میں آپ کی کتاب "قطر الولي على حديث الولي" ایک بہترین کاوش ہے۔

مبحث ہفتم: امام شوکانی کی اہم تالیفات و تصنیفات

امام شوکانی دنیائے علم کے کس بلند مقام پر فائز تھے اس کا بھرپور اظہار آپ کی کتب کے مطالعہ سے ہوتا ہے اس میں مخطوطات کے علاوہ مطبوعہ کتب کا ذیل میں تذکرہ کیا جاتا ہے:

"1-اتحاف الاكابر باسناد الدفاتر' 2۔ارشاد الثقات' 3۔الارشاد الى مذهب السلف' 4۔ البدر الطالع' 5۔التحف في الارشاد الى مذهب السلف' 6۔ تحفة الذاكرين في عدة الحصن و الحصين ' 7۔ تنبيه الافاضل' 8۔ تنبيه الاعلام' 9۔ الدر النفيد' 10۔ الدرر البهية' 11۔ الدراري المفية' 12۔ السيل الجرار' 13۔شرح الصدور في تحريم رفع القبور' 14۔الفوائد المجموعة في الاحاديث الموضوعة' 15۔القول المفيد' 16۔امناء الشريعة' 17۔دلائل المسائل' 18۔ابطال دعوى الاجماع' 19۔فتح القدير' 20۔قطر الولي على حديث الولي"[3]

مذکورہ کتب کے عنوانات ہی اس امر کا اظہار کرتے ہیں کہ آپ کی شخصیت علمی تنوع کی حامل تھی اور یہ کتب اصلاح عقائد اور احوال میں آپ کی کاوشوں کی ترجمان بھی ہیں۔ آپ کی شخصیت میں یہی وہ علمی گیرائی اور گہرائی تھی جس وجہ سے متلاشیان علم آج بھی علمی استفادے میں ان کے خوشہ چین نظر آتے ہیں۔ اہل علم میں آپ کا ایک منفرد علمی مقام ہے۔ آپ کی سیرت کے مطالعہ سے یہ امر مترشح ہوتا ہے کہ علمی و فکری ذوق آپ میں نقطہ ء کمال کو پہنچا ہوا تھا۔

1۔الشوکانی، **قطر الولي**، مقدمة التحقيق، ص32

2۔ نسیم اختر، **امام شوکانی اور تفسیر فتح القدیر**، ص32

3۔ الشوکانی، **فتح القدير**، مقدمہ، 1/ 7-8، /۔الشوکانی، **البدر الطالع**، ص219-220، /۔**قطر الولي على حديث الولي**، ص32، 33

تاریخِ وفات ومدفن

جہان علم کا یہ نیّر تاباں بالآخر 26 جمادی الثانی 1250 ہجری کو غروب ہوا اور دار فناء سے دار بقا کو رحلت فرمالی اور آپ کی جائے دفن صنعاء (یمن) میں ہی ہے۔[1]

1۔ ایضاً، **قطر الولی علی حدیث الولی**، ص64

فصل سوم: تفسیر فتح القدیر کا منہج و اسلوب

قرآن مجید اللہ تعالیٰ کا وہ کلام لاریب ہے جس کی تعلیمات اور پیغام آفاقی، عالم گیر اور ابد الآباد ہے۔ اس میں ہر زمانہ اور ہر علاقہ کے لوگوں کیلئے ہدایت کا سامان موجود ہے۔ اس وجہ سے ہر دور میں مفسرین کی ایک جماعت اس کی تعلیمات کو عصری تناظر میں پیش کرنے کی سعی جمیل کرتی رہی ہے اور اپنے طبعی اذواق اور میلان کے مطابق قرآن مجید کی تعبیرات پیش کرتے رہے ہیں۔ کسی نے صرف تفسیر بالماثورہ[1] کے رجحان کے تحت تفسیر قلم بند کی اور کسی نے صرف تفسیر بالرائے[2] کو مد نظر رکھا اور بعض نے دونوں رجحانات کو اپنی اپنی تفاسیر میں سمویا۔ امام شوکانی کی تفسیر "فتح القدیر" مذکورہ رجحانات کی حامل ہے جیسا کہ اس کے مکمل نام "فتح القدیر الجامع بین فنی الروایۃ والدرایۃ من علم التفسیر" سے خوب عیاں ہوتا ہے اور آپ نے اپنی تفسیر کے مقدمہ میں اس امر کی وضاحت بھی کی ہے:

"و بهذا تعرف أنه لابد من الجمع بين الامرين' و عدم الاقتصار على مسلک أحد الفريقين وهذاهو المقصد الذى وطنت نفسى"۔[3]

ترجمہ: اس سے معلوم ہوا کہ دونوں امروں (روایت و درایت) کو جمع کرنا ضروری ہے اور دونوں فریقوں میں سے کسی ایک پر انحصار نہیں ہونا چاہیے، اسی مقصد کے تحت میں نے یہ تفسیر لکھی ہے (یعنی روایت و درایت کو جمع کیا ہے)۔

خلاصہ یہ ہے کہ آپ کی تفسیر میں ان دونوں رجحانات کو بھرپور طریقے سے پیش کیا گیا ہے۔

مبحث اول: منہج واسلوب کا مفہوم:

منہج و اسلوب سے مراد وہ اصول و قواعد و ضوابط ہیں جن کو بنیاد بناتے ہوئے ایک مفسر قرآن مجید کی تفسیر کرتا ہے۔ لغت میں منہج کا لفظ "نہج" سے ماخوذ ہے۔ اسماعیل بن حماد الجوہری نقل کرتے ہیں:

"النهج: الطريق الواضح و كذلک المنهج و المنهاج و انهج الطريق اى استبان"۔[4]

1۔ تفسیر بالماثورہ کو عربی زبان میں تفسیر بالروایۃ بھی کہا جاتا ہے "ماثور کا لفظ اثر سے ماخوذ ہے جس کا مطلب ہے کسی چیز کا باقی رہنا (ابن منظور، محمد بن مکرم، **لسان العرب**، (القاہرۃ: دارالمعارف، س ط ندارد)، 1/25، اور یہ وہ تفسیر ہوتی ہے جس میں قرآن یا حدیث یا اقوال صحابہ سے مدد لی جاتی ہے (الصابونی، محمد علی، **البیان فی علوم القرآن**، (کراتشی، مکتبۃ البشریٰ، الطبعۃ الجدیدۃ، 1432ھ)، ص92)

2۔ رائے سے مراد اجتہاد ہے یعنی قرآن مجید کی تفسیر اجتہاد سے کرنا جس میں لغت عرب، ناسخ و منسوخ اور دیگر علوم کی معاونت سے قرآن و سنت کے مطابق تفسیر کرنا (الذہبی، محمد حسین، **التفسیر والمفسرون**، (مکتبہ وھبہ، س ط ندارد) ص183-188)

3۔ الشوکانی، **فتح القدیر**، 1/12

4۔ الجوہری، اسماعیل بن حماد، **الصحاح (تاج اللغۃ العربیہ)**، (بیروت: دار العلم، الطبعۃ الثانیہ، 1399ھ-1979ء)، 1/346

ترجمہ:۔ النہج سے مراد واضح راستہ ہے اور اسی طرح منہج ومنہاج ہیں کہ ان کا معنی بھی واضح راستہ ہے۔
علامہ راغب اصفہانی نے بھی یہی معنی نقل کیا ہے اور بطور استدلال اس آیت مقدمہ کو پیش فرمایا ہے:

﴿لِكُلٍّ جَعَلْنَا مِنْكُمْ شِرْعَةً وَّ مِنْهَاجًا﴾۔[1]

ترجمہ: ہم نے تم میں سے ہر ایک کے لیے ایک شریعت اور ایک راہ عمل مقرر کی۔

گویا لغت میں منہج کا معنی واضح راستہ ہے جب کہ اصطلاح میں اس کا مفہوم ہے:

"کسی چیز یا کسی عمل کی تعبیر میں یا کسی چیز کو سیکھنے میں متعین بنیادوں پر اپنائے گئے واضح راستہ کو منہج کہتے ہیں[2]"

جب لفظ منہج کی اضافت مفسرین کی طرف ہو جیسے مناہج المفسرین تو اس وقت اس کا معنی یہ ہوگا:

"ھی الاسالیب التی یتبعھا المفسرون لبیان مراد اللہ تعالیٰ من آیات القرآن الکریم حسب الطاقۃ البشریۃ"۔[3]

ترجمہ:۔ مناہج المفسرین سے مراد وہ اسالیب ہیں جو مفسرین اپنی بشری طاقت کے مطابق قرآن مجید کی آیات کی مراد کو واضح کرنے کیلئے اختیار کرتے ہیں۔

اس طرح مذکورہ تعریف میں اسلوب کو منہج کے مترادف کے طور پر نقل کیا ہے جبکہ فہد بن عبد الرحمٰن اسلوب کی تعریف میں رقم طراز ہیں:

"وأما الطریقۃ فھی الاسلوب الذی یطرقہ المفسر عند سلوکہ للمنھج الی الھدف والاتجاہ"۔[4]

ترجمہ:۔ ایسے راستے کو اسلوب کہتے ہیں جس پر چلتے ہوئے مفسر اپنے ہدف اور مقصود تک پہنچنے کیلئے، جو منہج اس نے اپنایا ہوتا ہے، کیلئے اختیار کرتا ہے۔

خلاصہ بحث یہ ہے کہ منہج واسلوب سے مراد وہ واضح راستہ اور اصول و قواعد ہیں جن کو اپناتے ہوئے کوئی مفسر قرآن کریم کی آیات کی تفسیر کرتا ہے۔

مبحث دوم: تفسیر فتح القدیر کا منہج واسلوب

امام شوکانی نے اپنی تالیف لطیف "فتح القدیر" میں روایت و درایت دونوں رجحانات کو امتیازی خصائص کے ساتھ اپنی تفسیر میں جمع فرمایا ہے آپ اپنی تفسیر کے مقدمہ میں اپنے منہج واسلوب پر اس انداز میں تبصرہ کرتے ہیں:

1- المائدہ:48

2۔ الاصفہانی، محمد حسین الراغب، **المفردات**، (دمشق، دار العلم، الطبعۃ الرابعۃ، 2009ء)، ص825

3۔ مصطفیٰ مسلم، **مناھج المفسرین**، (الریاض، مطبوعۃ دار المسلم، الطبعۃ الاولیٰ، 1415ھ)، ص14

4۔ الرومی، فہد بن عبد الرحمٰن، **بحوث فی اصول التفسیر**، (مکتبۃ التوبۃ، س ط ندارد)، ص55

"والحرص على ایراد ماثبت من التفسیر عن رسول اللہ ﷺ أو الصحابة أو التابعين أو تابعيهم أو الائمة المفسرين"۔[1]

ترجمہ:۔ تفسیر کے دوران اس امر کا حرص ہے کہ ایسی چیزوں کو بیان کروں جو رسول اللہ ﷺ ، صحابہ کرامؓ، تابعین، تبع تابعین اور قابل اعتماد ائمہ کرام سے ثابت ہیں۔

امام شوکانی اس تبصرہ کے ذریعے واضح کرتے ہیں کہ ان کی تفسیر میں اولاً جس امر کا لحاظ کیا جائے گا وہ تفسیر بالروایۃ کا ہوگا اسی وجہ سے آپ کی تفسیر کا ذکر تفاسیر بالماثورہ میں بھی کیا جاتا ہے الدکتور صلاح عبد الفتاح نے اس عنوان "**أشهر التفاسير بالمنهج الاثرى النظرى**" کے تحت نمبر آٹھ پر تفسیر فتح القدیر کا تذکرہ کیا ہے[2] یعنی آپ کی تفسیر میں روایت و درایت دونوں مناہج موجود ہیں۔ امام شوکانی نے اس حقیقت کو بھی واضح کیا ہے۔

"وبهذا تعرف أنه لابد من الجمع بين الامرين وعدم الاقتصار على مسلك أحد الفريقين"۔[3]

ترجمہ:۔ اس سے معلوم ہوا کہ دونوں امروں (روایت و درایت) کو جمع کرنا ضروری ہے اور دونوں فریقوں میں سے کسی ایک پر اختصار نہیں کرنا چاہیے۔

مثال کے طور پر ﴿ذٰلك الكتاب لا ريب فيه"([4]) کی تفسیر کرتے ہوئے امام ابن جریر کے حوالے سے بیان کیا ہے کہ:

> "**وذكر ابن جرير عن ابن عباس ان معنى لاريب فيه اى: لا شك انه من عندالله**" یہ تفسیر بالروایۃ ہے۔ پھر اسی آیت کی وضاحت درایت کے پہلو کو مد نظر رکھتے ہوئے کہتے ہیں "**لاريب فيه ،في محل رفع صفة الكتاب :هدى للمتقين في محل نصب على الحال اى كونه هدى**"([5])

گویا امام شوکانی تفسیر کے دوران روایت و درایت دونوں پہلوؤں کو مد نظر رکھتے ہیں۔

قرآن مجید کی فصاحت و بلاغت بھی اس امر کی متقاضی ہے کہ دوران تفسیر صرف روایات اور آثار پر ہی نہ اکتفا کیا جائے بلکہ عقل و استدلال کے ذریعے بھی اس کی تعبیرات پیش کی جائیں۔ امام شوکانی اپنے منہج تفسیر پر مزید یوں بحث کرتے ہیں:

1۔ الشوکانی، **فتح القدیر**، 1/ 13

2۔ الخالدی، صلاح عبد الفتاح، **تعریف الدارسین بمناھج المفسرین**، (دمشق: دار القلم، الطبعۃ الثالثۃ، 1429ھ۔2008ء)، ص 301۔337

3۔ الشوکانی، **فتح القدیر**، 1/ 12

4- البقرۃ: 02

5- الشوکانی، **فتح القدیر**، 1/ 32

"وقد أذکر مافی اسنادہ ضعف اما لکون فی المقام مایقویہ أو لموافقتہ للمعنی العربی"۔[1]

ترجمہ:۔ میں دوران تفسیر بعض اوقات ایسی روایت بھی ذکر کروں گا جس کی سند میں ضعف ہو تو یہ ایسے مقام پر ہو گا یا تو اس کو تقویت بخشنے والے عوامل موجود ہوں گے یا وہ عربی معنی کے ساتھ موافقت رکھتی ہو۔ مثال کے طور پر سورۃ الفاتحہ میں "صراط الذین انعمت علیھم" کی تفسیر میں امام شوکانی نے یہ روایت نقل کی ہے:

"عن ابن عباس :قال ھم اھل طاعتک وعبادتک من ملائکتک والنبیین والصدیقین والشھداءو الصالحین، امام شوکانی لکھتے ہیں کہ اگرچہ یہ اثر موقوف ہے اور بعض طرق ضعف بھی ہیں، لیکن یہ معنی لغت کے اعتبار سے بھی درست ہے اور آیت قرآنی سے بھی اس کی تائید ہوتی ہے "۔([2]) جیسے اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:ومن یطع اللہ والرسول فاولئک مع الذین انعم اللہ علیھم من النبیین والصدیقین والشھداءو الصالحین"۔([3])

آپ مزید رقم طراز ہیں جس میں تفسیر کے نام کی وجہ تسمیہ بھی ذکر کرتے ہیں:

"أنظر تفاسیر المعتمدین علی الروایۃ ثم ارجع الی تفاسیر المعتمدین علی الدرایۃ ثم انظر فی ھذا التفسیر بعد النظرین۔۔۔وقد سمیتہ "فتح القدیر الجامع بین فنی الروایۃ و الدرایۃ من علم التفسیر"۔[4]

ترجمہ:۔ روایت کو لیتے وقت قابل اعتماد تفاسیر کو دیکھتا ہوں اور پھر نظر واستدلال (درایت) کیلئے بھی قابل اعتماد تفاسیر کو دیکھتا ہوں اور پھر ان دونوں کو دیکھنے کے بعد مزید غوروفکر کرتا ہوں۔۔۔ اسی بنا پر میں نے اس تفسیر کا نام "**فتح القدیر الجامع بین فنی الروایۃ و الدرایۃ من علم التفسیر**" رکھا۔

تفسیر کے نام سے ہی اس کے منہج واسلوب کی وضاحت ہو جاتی ہے اور دوسرا یہ بھی واضح ہوتا ہے کہ آپ نے تفسیر کرتے وقت دیگر مستند و متداول تفاسیر کو بھی پیش نظر رکھا خواہ ان کا تعلق روایت کے ساتھ ہو یا پھر درایت کے ساتھ۔ مثال کے طور پر "انا اعطینک الکوثر" میں الکوثر کی تفسیر کرتے ہوئے مفسرین کے مختلف اقوال نقل کرتے ہوئے رقم طراز ہیں:

1۔ الشوکانی، **فتح القدیر**، 1/13

2- ایضا،14

3- النساء:69

4۔ الشوکانی، **فتح القدیر**، 1/13

"وقدروی عن النبیﷺ انه قال الکوثر نهر فی الجنة" آپ ﷺ سے مروی ہے کہ کوثر جنت میں ایک نہر ہے اس کے بعد کچھ درایتی اقوال نقل کرتے ہیں، مثلاً و قیل الکوثر الخیر الکثیر وھو تفسیر لغوی۔۔۔ولا منافاة بین الامرین فان النهر خیر کثیر "۔(1)

یعنی بعض کے نزدیک کوثر سے مراد خیر کثیر ہے جو ایک لغوی تفسیر ہے اس کے بعد امام شوکانی دونوں اقوال کو جمع کرتے ہوئے اور ترجیح دیتے ہوئے لکھتے ہیں کہ دونوں معانی میں کوئی منافات یا تضاد نہیں ہے کہ بے شک نہر بھی خیر کثیر ہی ہے۔ گویا پہلے آپ نے روایتی منہج کے مطابق حدیث سے تفسیر کی پھر درایتی منہج کے مطابق لغوی معنیٰ کے مطابق تفسیر کی اور پھر بعد ازاں دونوں معانی میں مطابقت پیدا کرنے کی کوشش بھی کی۔

دکتور محمد حسین الذہبی اس ضمن میں رقم طراز ہیں:

"یعتبر ھذا التفسیر أصلا من أصول التفسیر و مرجعا مھماً من مراجعه لانه جمع بین التفسیر بالدرایة والتفسیر بالروایة"۔(2)

ترجمہ:۔ بنیادی طور پر اس تفسیر کا اعتبار و شمار اصول تفسیر میں ہوتا ہے اور اس کی طرف رجوع کرنا انتہائی اہم ہے۔ کیوں کہ آپ نے تفسیر میں درایت و روایت دونوں کو جمع کر دیا ہے۔

اس کا شمار اصول تفسیر میں کرنے کا سبب یہ ہے کہ اس میں قرآن مجید کی تفسیر کے اصولوں پر عمدہ پیرائے میں کلام کیا گیا ہے۔

دکتور الذہبی تفسیر "فتح القدیر" کے منہج پر مزید یوں تبصرہ کرتا ہے:

"وقدرجعت الیٰ ھذا التفسیر و قرأت فیه کثیراً فوجدته یذکر الآیات ثم یفسرھا تفسیراً معقولاً و مقبولاً ثم یذکر بعد الفراغ من ذلک: الروایات التفسیریة الواردة عن السلف وھو ینقل کثیراً عمن ذکر من اصحاب کتب التفسیر"۔(3)

ترجمہ:۔ میں نے اس تفسیر کی طرح رجوع کیا اور اکثر مقامات سے اس کا مطالعہ کیا تو میں نے پایا کہ آپ آیات کا تذکرہ کرتے ہوئے پھر معقول اور متداول انداز میں ان کی تفسیر کرتے ہیں اس سے فراغت کے بعد ان تفسیری روایات کو لاتے ہیں جو سلف سے منقول ہیں اور اکثر مفسرین نے اپنی کتب تفاسیر میں ان کو نقل کیا ہوتا ہے۔

دکتور ذہبی مزید نقل کرتے ہیں:

1-الشوکانی، **فتح القدیر**، 5/452

2۔الذہبی، محمد حسین، **التفسیر والمفسرون**، (القاہرہ: مکتبہ وہبۃ، س ط ندارد)، 2/211-212

3۔ایضاً، 213

"ویذکر المناسبات بین الآیات یحتکم الی اللغة کثیراً و ینقل عن أئمتها کالمبرد و أبی عبیدةو الفرا' کما أنه یتعرض أحیانا للقرأت السبع"۔[1]

ترجمہ:۔ آپ (امام شوکانی) آیات کے درمیان مناسبت (نظم و ربط) کا تذکرہ کرتے ہیں اکثر و بیشتر لغت کا بھی حوالہ دیتے ہیں اور لغت کے ان ائمہ مبرد[2]، ابو عبیدہ[3] اور فرا[4] سے نقل کرتے ہیں اسی طرح بعض اوقات قرأت سبعہ کو بھی دوران تفسیر پیش کرتے ہیں۔ مثال کے طور پر سورۃ البقرۃ کی ابتدائی آیات کے درمیان مناسبت کا ذکر کرتے ہوئے امام شوکانی کہتے ہیں کہ پہلے اللہ تعالیٰ نے کتاب کے لاریب ہونے کا ذکر کیا کہ اس میں کوئی شک یا تردد نہیں ہے، پھر ساتھ ہی بیان کر دیا کہ اس کتاب ہدایت سے صرف وہی لوگ مستفیض ہو سکیں گے جو اہل تقویٰ ہوں گے۔ پھر اس کے مابعد اللہ تعالیٰ نے اہل تقویٰ کی صفات بیان کیں کہ ایمان بالغیب، اقامت صلوٰۃ اور انفاق فی سبیل اللہ متقین کی صفات ہیں۔ صفات کے ذکر کے بعد فرمایا کہ یہی لوگ ہدایت والے ہیں اور آخرت کی کامیابی بھی انہی کا مقدر ٹھرے گی۔([5]) اسی طرح امام شوکانی نے قراءات سبعہ کا ذکر کئی مقامات پر کیا ہے اور وہ ان قراءاتوں کو لغوی معنیٰ، نحوی ساخت اور تفسیر فہم کی وضاحت کے لیے پیش کرتے ہیں مثال کے طور پر "مالک یوم الدین" کی تفسیر میں دو قراءات کا تذکرہ کیا ہے ایک مالک (الف کے ساتھ) اور دوسری ملک (الف اور لام کے کسرہ کے ساتھ) دونوں کا معنیٰ ہے مالک اختیار رکھنے والا یعنی وہ جو روز جزا کا کامل تصرف رکھنے والا بادشاہ ہے جبکہ مَلِک کا معنیٰ بادشاہ ہے۔ پھر تجزیہ کرتے ہوئے کہتے ہیں:

"و کل واحد من القراءاتین صحیحةو معناهما متقارب ففی الاول اشارة الی التصرف وفی الثانیة الی السلطان"۔([6])

گویا امام شوکانی اختلاف قراءات بیان کر کے ان کی جامعیت ثابت کر رہے ہیں۔

دکتور ذہبی امام شوکانی کے منہج کے حوالے سے مزید رقم طراز ہیں:

1۔الذہبی، **التفسیر والمفسرون**، 213/2

2 ۔ابن المبرد، یوسف بن حسن بن احمد، ایک ممتاز عالم اور حنبلی فقہا میں سے ایک ہیں آپ کا عرصہ حیات 840ھ تا 909ھ بمطابق 1436ء۔1503 عیسوی ہے (الزرکلی، خیر الدین، **الاعلام**، (بیروت: دار العلم، الطبعۃ الخامسۃ، 2002ء)، 225/8

3۔ معمر بن مثنیٰ نحوی ابوعبیدہ آپ کا عرصہ حیات 110ھ تا 209ھ بمطابق 728ء تا 824ء ہے۔ آپ کا تعلق ولاء قبیلہ کے ذریعے تیم سے ہے۔ آپ بصرہ کے رہنے والے تھے آپ کی تقریباً 200 کتب ہیں جن میں سے "مجاز القرآن" اور "معانی القرآن" زیادہ مشہور ہیں۔ (الزرکلی، **الاعلام**، 272/7)

4۔ آپ کا پورا نام علی بن الحسین بن علی الفرا ہے۔ آپ مصری مورخ ہیں اور مالکی فقہا میں سے ایک ہیں آپ کی تاریخ وفات 352ھ بمطابق 963 عیسوی ہے۔ (الزرکلی، **الاعلام**، 277/4)

5-الشوکانی، **فتح القدیر**، 15/1

6-ایضا، ص 11

"أنه يعرض لمذاهب العلماء الفقهية فی کل مناسبة و يذکر اختلافهم و أدلتهم و يدلی بدلوه بين الدلاء فيرجح و يستظهر و يستنبط و يعطی نفسه تربة واسعة فی الاستنباط"۔[1]

ترجمہ:۔ آپ ائمہ فقہ کے مذاہب کا ذکر بھی کرتے ہیں ان کا اختلاف اور دلائل اور ان کے مابین کے ترجیح کا بھی ذکر کرتے ہیں اس طرح اکثر مقامات پر اجتہاد پر اعتماد کرتے ہوئے احکام کا استنباط بھی کرتے ہیں۔

مثال کے طور پر سورۃ المائدۃ میں آیت وضو کی تفسیر بیان کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ جمہور کے نزدیک جب حدث لاحق ہو تو تب وضو کرنا واجب ہوتا ہے ہر نماز کے لیے وضو کرنا واجب نہیں ہے پھر وہ ظاہر یہ کا موقف بیان کرتے ہیں کہ ان کے نزدیک ہر نماز سے پہلے وضو کیا جائے گا خواہ وضو پہلے سے یا نہ ہو۔ امام شوکانی دلائل کا تجزیہ کرتے ہوئے حدیث بیان کرتے ہیں کہ فتح مکہ کے موقع پر نبی ﷺ نے ایک ہی وضو سے ایک سے زیادہ نمازیں پڑھیں، جب آپ ﷺ سے پوچھا گیا تو آپ ﷺ نے فرمایا:

"اعمدا فعلته یا رسول اللہ ﷺ قال لا و لکن عمدا ترکته"۔[2]

یعنی ایک وضو سے زیادہ نمازیں اس لیے پڑھیں کہ لوگوں کو رخصت کے بارے میں معلوم ہو جائے۔ اس بحث کے آخر میں امام شوکانی لکھتے ہیں: والحق انه لا وجوب الا عند الحدث"۔[3] یعنی درست بات یہی ہے کہ وضو صرف حدث کی حالت میں واجب ہوتا ہے

محمد حسین الذہبی نے امام شوکانی کے منہج و اسلوب پر شرح و بسط کے ساتھ روشنی ڈالی ہے اس سے یہ بھی واضح ہوتا ہے کہ امام شوکانی کی تفسیر علوم و معارف کے اعتبار سے جامعیت کی حامل ہے۔

امام شوکانی کے تفسیری منہج و اسلوب پر دکتور صلاح عبد الفتاح رقم طراز ہیں:

"وقد اشتمل هذا التفسير (تفسير الشوكانی) علی جميع ما تدعو اليه الحاجة منه بما يتعلق بالتفسير مع اختصار لما تكرر لفظاً و اتحد معنیً"۔[4]

ترجمہ:۔ بے شک یہ تفسیر (تفسیر شوکانی) ایسے تمام ضروری امور پر مشتمل ہے جن کا تعلق تفسیر کے ساتھ ہے اور اختصار کو مد نظر رکھا ہے جہاں لفظ کا تکرار تھا مگر معنی ایک تھا۔

1۔ الذہبی، **التفسیر و المفسرون**، 2/213

2- الشوکانی، **فتح القدیر**، 1/522

3- ایضا

4۔ الخالدی، **تعریف الدارسین**، ص 341

مذکورہ عبارت سے معلوم ہوتا ہے کہ تفسیر شوکانی تفسیر اور اصول تفسیر کے ہمہ پہلوؤں سے متصف ہے جس کی بدولت کتب تفاسیر میں یہ ایک خاص اور اہم مقام رکھتی ہے اور دوسرا اس میں غیر ضروری مباحث سے اجتناب کیا گیا ہے۔ الدکتور مساعد مسلم امام شوکانی کے تفسیری منہج واسلوب پر ان الفاظ میں تبصرہ کرتے ہیں:

"تفسیر کامل للقرآن الکریم وضعه لیبین فیه معانی آیاته و أحکامه الشرعیة جمعاً بین الروایة والدایة وفق أحکام المذهب الزیدی"۔[1]

ترجمہ:۔ یہ قرآن کریم کی مکمل تفسیر ہے جسے آپ نے آیات کریمہ کے معانی اور اس کے احکام شرعیہ کی توضیح کیلئے تالیف کیا اور آپ نے روایت و درایت دونوں امور کو جمع فرمایا اور مذہب زیدی[2] کے احکام کے موافق تفسیر کی ہے۔

امام شوکانی آغاز میں اسی رجحان پر کاربند تھے مگر بعد ازاں ان کے فکر و خیال میں وسعت آچکی تھی اور وہ دیگر ائمہ کے اقوال پر بھی تبصرہ کرتے ہیں۔ دکتور مساعد مسلم آل جعفر اس ضمن میں لکھتے ہیں:

"و تحقیقاً لدعوته هذه نجده غیر جامد علی مذهبه الزیدی۔۔۔نجده یکثر من النقل عن فقها المذاهب الاثری کالشافعی و ابی حنیفة و مالک و أحمد و بن جریر و غیرهم"۔[3]

ترجمہ:۔ اس دعوی کی تحقیق یہ ہے کہ وہ صرف مذہب زیدی پر جمود کا شکار نہیں تھے بلکہ ہم اکثر ایسے مقامات کو پاتے ہیں جہاں وہ دیگر مذاہب کے فقہا مثلاً امام شافعی، ابو حنیفہ، مالک، احمد اور ابن جریر وغیرہم سے نقل کرتے ہیں۔

آپ (امام شوکانی) کی نگارشات کے مطالعہ سے یہی عیاں ہوتا ہے کہ وہ تقلید جامد کے قائل نہیں تھے بلکہ سلف صالحین کے طریق پر چلتے ہوئے اجتہاد کے داعی تھے۔

تفسیر فتح القدیر میں جاہلی شاعری سے استشہاد کا منہج واسلوب

امام شوکانی نے آیات مقدسہ کے معانی کے تبیین و تفسیر کیلئے جہاں روایات و آثار، لغت، نحو و صرف کو بطور استشہاد ذکر کیا ہے وہاں دور جاہلیت کی شاعری سے بھی جابجا استدلال و استشہاد کیا ہے۔

1۔ مساعد مسلم آل جعفر، **مناهج المفسرین**، (دار المعرفہ، الطبعۃ الاولی 1980)، ص 165،166

2۔ زیدیہ اہل تشیع کا ایک فرقہ ہے جس میں حضرت امام سجاد (پیدائش 702ء) کی امامت تک اثناء عشریہ اہل تشیع میں اتفاق پایا جاتا ہے یہ فرقہ اپنی نسبت امام زین العابدین کے بعد امام محمد باقر کی بجائے ان کے بھائی امام زید بن زین العابدین کی طرف کرتا ہے (سعد رستم، **الفرق و المذاهب الاسلامیة**، (دمشق: الاوائل، الطبعۃ الثالثۃ، 2005ء)، ص 211)

3۔ مساعد مسلم، **مناهج المفسرین**، ص 166

"امام محمد بن علی الشوکانی (متوفی 1250ھ) نے بھی اس منہج پر چلتے ہوئے اپنی تفسیر "فتح القدیر" میں تقریباً ایک ہزار سے زائد جاہلی اشعار سے استشہاد کیا ہے"۔[1]

امام شوکانی تفسیر فتح القدیر میں جاہلی اشعار سے استشہاد مختلف تناظر میں کرتے ہیں مثلاً لغوی، بلاغی اور صرفی توجیہات و تاویلات کیلئے جاہلی اشعار کو پیش کرتے ہیں صرف سورۃ النور میں آپ کے پیش کردہ چند استشہادات کو بطور مثال پیش کیا جاتا ہے جیسے سورۃ کا معنی بلند ہے اس کی تائید کیلئے نابغہ الذبیانی کا یہ شعر نقل کیا ہے:

"**الم تر أن اللہ اعطاک سورۃ**"۔[2]

ترجمہ:۔ کیا آپ نے نہیں دیکھا کہ بے شک اللہ تعالیٰ نے آپ کو بلندی عطا کی ہے۔

آپ نے اس مقام پر استشہاد لغوی کیا ہے اسی طرح امام شوکانی بعض دفعہ بلاغی نوعیت کا جاہلی شاعری سے استشہاد کرتے ہیں جیسے رمی کا معنی تہمت ہے یہ استعارۃً ہے اور آپ نے عمرو الباھلی کے اس شعر کو رقم فرمایا ہے:

"**رمانی بامر کنت عنه و والدی بریا و من اجل الطوی رمانی**"۔[3]

ترجمہ:۔ اس نے مجھ پر ایک ایسے کام کی تہمت لگائی کہ جس سے میں اور میرا باپ (دونوں) بری ہیں اور اس نے بھوک کی وجہ سے مجھ پر تہمت لگائی۔

اس طرح بعض اوقات آپ کا جاہلی شاعری سے استشہاد صرفی نوعیت کا ہوتا ہے جیسے اللہ تعالیٰ کے اس فرمان ﴿**اِذۡ تَلَقَّوۡنَه**﴾[4] میں صیغہ بعض کے نزدیک ثلاثی مجرد اور بعض کے نزدیک ثلاثی مزید فیہ ہے۔ اس پر آپ نے اس شعر کو بطور استشہاد تحریر فرمایا ہے:

"**جاءت به عنس۔ من الشام تلق**"۔[5]

ترجمہ:۔ اس کے ساتھ شام سے ادھیڑ عمر کی کنواری لڑکی بھاگ کر آئی۔

امام شوکانی نے دلالت کی مناسبت سے بھی جاہلی شاعری سے استشہاد کیا ہے جیسے "الاربۃ" کے لفظ کی دلالت نفسانی خواہشات پر کی ہے اور اس کی تائید میں یہ شعر ذکر کیا ہے:

"**اذا المرء قال الجهل و الحوب و الخناء تقدم یوما ثم ضاعت مآربه**"۔[6]

1۔ ارشد خان، "**تفسیر فتح القدیر میں جاہلی شاعری سے استشہاد**: (پارہ اول کا تجزیاتی مطالعہ)، مجلہ العروبۃ۔ مجلہ: 3، العدد: 3 (یولیو۔ 2022)، ص 2

2۔ الشوکانی، محمد بن علی، **فتح القدیر**، (القاہرۃ: دار الحدیث، طبع 2007ء)، 4/5

3۔ عمر الباھلی، **دیوان عمرو الباھلی**، ص 25

4۔ النور: 15

5۔ امرؤ القیس، **دیوان امرؤ القیس**، ص 40

6۔ طرفہ بن عبد، طرفہ کے دیوان میں یہ شعر دستیاب نہیں اس شعر کا انتساب امام شوکانی نے طرفہ بن عبد کی طرف کیا ہے۔

ترجمہ:۔ جب آدمی جہالت، گناہ اور یاوہ گوئی میں لگ جاتا ہے تو ایک دن ایسا آتا ہے کہ اس کی خواہش بھٹک جاتی ہے۔

آیت میں " خَوَّلَهُ "کا لفظ تخویل، باب تفعیل سے فعل ماضی معروف کا صیغہ ہے۔ ہ ضمیر متصل مفعول واقع ہو رہی ہے۔ تخویل کا معنی ہے کسی کو کوئی چیز دینا اور اسے اس کا مالک بنا دینا۔ خولہ الشئی کا معنی ہے اس نے اسے اس چیز کا مالک بنا دیا۔[1] امام شوکانی نے اس شعر سے استشہاد کیا:

هنالک ان یستخولوا المال یخولوا وان یسألوا یعطوا وان ییسروا یغلوا[2]

ترجمہ:۔ اگر وہاں ان سے مال کی ملکیت مانگی جائے تو وہ مالک بنا دیتے ہیں اگر ان سے سوال کیا جائے تو عطا کرتے ہیں اور اگر قماز بازی کی دعوت دی جائے تو حد سے بڑھ جاتے ہیں۔

سوی کا لفظ سین کے ضمہ اور کسرہ دونوں کے ساتھ پڑھا گیا ہے ابو عبید اور ابو حاتم نے سین کے کسرہ کو ترجیح دی ہے اس کا ایک معنی ہے کہ مقابلہ ایسے مکان میں ہو گا جو برابر ہو گا ایک معنی یہ ہے کہ ایسے میدان میں مقابلہ ہو گا جو ہمارے اور تمہارے درمیان برابر برابر تقسیم ہو گا سوی کا ایک معنی بقول سیبویہ عدل بھی ہے۔[3]

زہیر بن ابی سلمٰی نے سوی کا لفظ عدل کے معنی میں یوں استعمال کیا:

اروناخطة لاضیم فیها یسوی بیننا فیها السوآء[4]

ترجمہ: ہمیں کوئی ایسا منصوبہ بتا دیں جس میں کوئی ناانصافی نہ ہو اور جس میں ہمارے درمیان (عدل قائم) ہو جائے۔

یہاں سوی عدل کے معنی میں استعمال ہوا ہے۔

اسی طرح امام شوکانی جاہلی شاعری سے معنوی استشہاد بھی کرتے ہیں جیسے "غض بصر" کے معنی کو بیان کرنے کیلئے عنترہ کا یہ شعر رقم کیا ہے:

"واغض طرفی مابدت لی جارتی حتی تواری جارتی مآواها"۔[5]

ترجمہ:۔ جب کبھی بھی میرے سامنے پڑوسن آتی ہے تو میں اپنی نظریں جھکا لیتا ہوں جب تک وہ اپنے گھر نہیں پہنچ جاتی۔

1۔ الشوکانی، **فتح القدیر**، 4/538

2۔ زہیر بن ابی سلمٰی، **دیوان زهیر بن ابی سلمی**، تحقیق: حمد طماس (بیروت: دار المعرفة، ط1426ھ)، ص50

3۔ الشوکانی، **فتح القدیر**، 3/465

4۔ زہیر بن ابی سلمٰی، **دیوان زهیر بن ابی سلمی**، ص15۔ "دیوان میں "خطة" کی بجائے "سنة" اور "ضیم" کی جگہ "عیب" کے الفاظ ہیں"

5۔ عنترہ بن شداد، **دیوان عنترہ**، ص93

گویا دور جاہلیت میں بھی ''غض بصر'' کا لفظ نگاہیں نیچے رکھنے کے معنی میں مستعمل تھا اور قرآن مجید میں بھی اسی معنی میں ارشاد فرمایا گیا ہے۔

قاضی شوکانی قراءات کے بیان میں بھی جاہلی شاعری سے استشہاد کرتے ہیں جیسے اللہ تعالیٰ کے اس فرمان کے تحت رقم طراز ہیں اللہ تعالیٰ نے نبی کریم ﷺ کو مخاطب کرکے فرمایا:

﴿يٰاَيُّهَا الْمُزَّمِّلُ۔ قُمِ الَّيْلَ اِلَّا قَلِيْلًا﴾[1]

ترجمہ:۔''مزمل'' باب تفعل سے اسم فاعل کا صیغہ ہے۔ اصل میں ''متزمل'' تھا۔ تاء تفعل کو زاء سے بدل کر ادغام کر دیا۔ مزمل بن گیا۔ التزمل کا معنی ہے کپڑے میں لپٹنا۔ جمہور نے ادغام کے ساتھ پڑھا ہے۔ ابی کی قراءات المتزمل ہے۔ انہوں نے اسے اصل پر باقی رکھ کر پڑھا جبکہ عکرمہ نے تخفیف سے پڑھا۔ ان کے نزدیک ''مُزَمِّلُ'' لفظ ہے۔[2] امرؤالقیس کا شعر اس آخری قراءات کی تائید کرتا ہے:

کان ثبیرا فی عرانین وبله کبیر اناس فی بجاد مزمل[3]

ترجمہ:۔ ثبیر کا پہاڑ[4] موسلا دھار بارش میں گویا انسانوں کا بڑا سردار ہے جو دھاری دار کملی میں لپٹا ہوا ہے۔

امرؤالقیس نے مکہ کے پہاڑ ثبیر کو بڑے سردار سے تشبیہ دی ہے بارش کی کثرت بیان کرتے ہوئے شاعر کہتا ہے کہ جب کوہ ثبیر پر موسلا دھار بارش برسی تو پہاڑ کی نالیوں سے بہتا پانی ایسے لگ رہا تھا جیسے پہاڑ کوئی بہت بڑا سردار ہے اور اس نے دھاری دار چادر اوڑھ رکھی ہے۔ شعر میں ثبیر پہاڑ کو کبیر اناس سے اور نالیوں سے بہتے پانی کو چادر کی دھاریوں سے تشبیہ دی گئی ہے۔ شعر میں مزمل کا لفظ محل استشہاد ہے۔ شعر میں زاء کو تخفیف سے پڑھا گیا ہے۔ امام شوکانی نے یہ شعر عکرمہ کی قراءت کی تائید میں ذکر کیا۔ تخفیف کی قراءت میں یہ بات تفعیل کا اسم فاعل ہوگا لیکن یہ جمہور کی قراءت کے مخالف ہے۔ اصل میں یہ باب تفعل کا اسم فاعل ہے۔

اسی بنا پر قرآنی آیات کی توضیح و تشریح میں جاہلی شاعری سے استدلال انتہائی اہمیت رکھتا ہے کہ اس سے اس لفظ کا پورا تاریخی پس منظر بھی سامنے آجاتا ہے۔ امام شوکانی نے دوران تفسیر اس عمل کو خوب آزمایا ہے جس سے

1۔ مزمل:2-1

2۔ الشوکانی، **فتح القدیر**، 5/375

3۔ امرؤالقیس، **دیوان امرء القیس**، 1/67

4۔ مکہ میں موجود ایک پہاڑ کا نام ہے۔ "ثبیر بن اعظم جبال مکة بینها و بین عرفة، سمی ثبیرا برجل من هذیل مات فی ذالک الجبال فعرف الجبل به، و اسم الرجل ثبیر" (الحموی، شہاب الدین، **معجم البلدان**، 2/73)

تفسیر کے مقام و مرتب میں اضافہ ہوا ہے اور وہ عصر حاضر میں بھی استفادہ کیلئے مرجع خلائق بنی ہوئی ہے۔ زیر تحقیق مقالہ کے آمدہ ابواب و فصل میں اس پر سیر حاصل بحث کی جائے گی۔

باب دوم: فتح القدیر میں آیات کے لغوی معانی کا جاہلی شاعری سے استشہاد

فصل اول: الفاظ کی تفہیم میں کلمات کے اشتقاق سے متعلق جاہلی شاعری سے استشہاد

فصل دوم: علم قراءات سے متعلق جاہلی شاعری سے استشہاد

فصل سوم: الفاظ کی دلالت معنوی سے متعلق جاہلی شاعری سے استشہاد

باب دوم: فتح القدیر میں الفاظ قرآنی کے لغوی معانی کا جاہلی شاعری سے استشہاد

امام شوکانی نے تفسیر فتح القدیر میں آیات کی تشریح و توضیح کے دوران اشعار کا تذکرہ کیا ان اشعار میں ایک بڑی تعداد اشعار جاہلیہ کی ہے ان اشعار کی دلالت صرفی 'نحوی' معنوی اور بلاغی نوعیت کی ہے اس مناسبت سے باب دوم کا عنوان "لغوی معانی کا جاہلی شاعری سے استشہاد" رکھا گیا ہے۔ اس باب میں تین فصول قائم کی گئی ہیں:

فصل اول میں کلمات کے اشتقاق سے متعلق ابحاث کا تذکرہ کیا گیا ہے بعض اوقات امام شوکانی آیت میں موجود کسی صیغہ پر بحث کرتے ہیں اس صیغہ کے تحت اس کے مختلف معانی زیر بحث لاتے ہیں ثلاثی مجرد اور ثلاثی مزید فیہ میں معنی کا اختلاف بیان کرتے ہیں اور تائید میں اشعار جاہلیہ کا تذکرہ کرتے ہیں۔

دوسری فصل علم القراءات سے متعلق ہے امام شوکانی نے تفسیر کے دوران اختلاف قراءات بیان کیا ایک لفظ کی مختلف قراءات کے دوران جو معنی کا اختلاف واقع ہوتا ہے اس کی تائید میں اشعار جاہلیہ کا تذکرہ کیا۔

تیسری فصل کا تعلق الفاظ کی دلالت معنوی سے ہے اس سے مراد الفاظ کا معنی پر دلالت کرنا ہے امام شوکانی نے سب سے زیادہ جاہلی اشعار اسی عنوان کے تحت ہی ذکر کیے ہیں۔

اب ان تین فصول پر الگ الگ طور پر مکمل ابحاث ذکر کی جاتی ہیں۔

فصل اول: الفاظ کی تفہیم میں کلمات کے اشتقاق سے متعلق جاہلی شاعری سے استشہاد

"لاابرح حتی ابلغ مجمع البحرین" میں شعر جاہلی سے استشہاد

"برح" افعال ناقصہ میں سے ایک فعل ہے لا ابرح کے لفظ کا معنی امام شوکانی نے لاازال کیا ہے([1])

جب موسیٰ علیہ السلام نے یوشع بن نون کے ساتھ حضرت خضر علیہ السلام کی ملاقات کیلئے جانے کا ارادہ فرمایا تو آپ نے حضرت یوشع سے فرمایا: ﴿**لاابرح حتی ابلغ مجمع البحرین**﴾[2] کہ میں مسلسل چلتا رہوں گا حتی کہ دو سمندروں کے سنگم پر پہنچ جاؤں۔ ملاقات کی وجہ امام بخاری نے ابن عباسؓ سے مروی روایت میں بیان کی کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام بنی اسرائیل کو خطبہ دے رہے تھے تو ان سے سوال کیا گیا کہ لوگوں میں سب سے بڑا عالم کون ہے؟ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے کہا میں سب سے بڑا عالم ہوں تب اللہ تعالیٰ نے ان پر عتاب فرمایا کیونکہ انہوں نے اللہ تعالیٰ کی طرف علم کو نہیں لوٹایا تو اللہ تعالیٰ نے ان کی طرف وحی بھیجی کہ میرے بندوں میں سے ایک بندہ مجمع البحرین([3]) میں ہے وہ تم سے بڑا عالم ہے([4])

آگے حدیث اسی کے مطابق بیان ہوئی جس طرح قرآن میں اللہ تعالیٰ نے بیان فرمایا:

جب موسیٰ علیہ السلام مجمع البحرین کیلئے روانہ ہونے لگے تو آپ نے یوشع بن نون سے فرمایا کہ میں مسلسل چلتا رہوں گا یہاں تک کہ مجمع البحرین تک پہنچ جاؤں۔

چلتے رہنے کیلئے قرآن نے "لاابرح" کا لفظ استعمال کیا۔ اب اعتراض یہ ہے لا ابرح فعل از افعال ناقصہ ہے۔ افعال ناقصہ اسم اور خبر سے مل کر جملہ بنتے ہیں یہاں لا ابرح میں انا ضمیر اسم تو موجود ہے لیکن خبر موجود نہیں ہے اس کا جواب امام شوکانیؒ نے دیا کہ اس کی خبر اس لئے محذوف ہے کہ مابعد جملہ اس پر دلالت کر رہا ہے یعنی "حتی ابلغ مجمع البحرین" کے الفاظ اس کی خبر پر دلالت کرتے ہیں کہ میں مجمع البحرین کے پہنچنے تک چلتا ہی رہوں گا۔

"لاابرح" کا معنی امام شوکانیؒ نے لاازال کیا ہے اور اس معنی کا استشہاد شعر جاہلی سے کیا ہے۔

شعر جاہلی سے استشہاد:

ابرح کا معنی ازال اس شعر میں موجود ہے:

1۔ الشوکانی، **فتح القدیر**، 3/375

2-الکھف:60

3۔ مجمع البحرین سے مراد امام ابن جریر الطبری نے دو سمندر بحر فارس اور بحر روم کا سنگم لیا ہے اور یہ قول قتادہ اور مجاہد کے حوالے سے بیان کیا۔(الطبری، محمد ابن جریر، **جامع البیان**،(بیروت: دارالفکر)،2/450، حدیث نمبر، 17461

4۔ البخاری، **الجامع الصحیح**، رقم الحدیث:122

و ابرح ما ادام اللہ قومی بحمد اللہ منتطقاً مجیداً[1]

ترجمہ:۔جب تک میری قوم کو اللہ زندہ رکھے گا میں اس (اللہ) کے کرم سے (جنگ کے لیے) اچھے طریقے سے کمربستہ رہوں گا۔

تجزیہ:۔

خداش بن زہیر اپنی قوم کی حمایت میں ہمیشہ کمربستہ رہنے کے لیے ابرح کا لفظ استعمال کرتا ہے اس سے پہلے حرف نفی حذف ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ یہ لفظ اضداد کے قبیلہ سے ہے جیسا کہ ابن الانباری[2] نے الاضداد میں ذکر کیا ہے۔[3] اب حرف نفی کے حذف ہونے کی صورت میں بھی معنی وہی ہوگا جو اس کی موجودگی میں ہوتا ہے۔امام شوکانی نے شعر کا ذکر لا ابرح بمعنٰی لا ازال کے استشہاد کے لیے کیا ہے شعر میں اور آیت میں فرق اس قدر ہے کہ آیت میں لا ابرح کی خبر محذوف ہے جبکہ شعر میں ابرح کی دو خبریں مذکور ہیں **منتطقا** اور **مجیدا**۔ اردو مترجمین نے ترجمہ کرتے ہوئے لا ازال کے معنی کو مد نظر رکھا، غلام رسول سعیدی نے ترجمہ کیا "میں مسلسل چلتا رہوں گا"۔[4] ابرح کا لفظ ازال کے معنی میں استعمال ہوا ہے یعنی میں شاعری کرتا رہوں گا یہی محل استشہاد ہے۔

"اَکَادُ اُخۡفِیۡهَا" کے معنیٰ کا شعر جاہلی سے استشہاد

اللہ تعالیٰ نے وقوعِ قیامت کو مخفی رکھنے کا ذکر فرماتے ہوئے کہا:

﴿اِنَّ السَّاعَةَ اٰتِیَةٌ اَکَادُ اُخۡفِیۡهَا لِتُجۡزٰی کُلُّ نَفۡسٍۭ بِمَا تَسۡعٰی﴾[5]

ترجمہ: بے شک قیامت آنے والی ہے جس کو میں مخفی رکھنا چاہتا ہوں تاکہ ہر شخص کو اس کی سعی کا صلہ دیا جائے

" اَکَادُ اُخۡفِیۡهَا" کے معنی میں مفسرین کا اختلاف ہے بقول واحدی اکثر مفسرین نے اس کا معنی کیا ہے کہ میں اسے خود سے بھی چھپا کے رکھوں گا عربوں کے ہاں رواج تھا کہ جب وہ کسی بات کے چھپانے میں مبالغہ کرتے تو کہتے "کتمتہ حتی من نفسی" میں اسے چھپاؤں گا حتی کہ خود سے بھی۔ مراد یہ ہوتی کہ کسی کو بھی اس کی اطلاع نہیں ہونے دوں گا۔ گویا "اَکَادُ اُخۡفِیۡهَا" کا معنی یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ میں قیامت کے آنے کے وقت کی خبر کو

1۔الھروی'ابو منصور محمد بن احمد بن الازہری الہروی '**تہذیب اللغۃ**' دار احیاء التراث العربی' بیروت 'طبع 2001م 25/9، یہ شعر خداش بن زہیر کا ہے۔

2-ابو بکر محمد بن قاسم بن محمد بن بشار الانباری (271ھ-328ھ) مشہور نحوی لغوی اور مفسر تھے۔ان کا تعلق انبار (عراق) سے تھا۔علم نحو، لغت، قراءات اور تفسیر میں بلند مقام حاصل تھا۔ آپ نے کتاب الاضداد، الزاجر فی معانی کلمات الناس اور ایضاح الوقف والابتداء جیسی اہم کتب لکھیں جو آج بھی لسانی اور قرآنی تحقیق میں بنیادی مراجع سمجھی جاتی ہیں۔ (الحموی، یاقوت، معجم الادبا، بیروت: دار الفکر، 18/80)

3-ابن الانباری' ابو بکر محمد بن قاسم بن محمد بن بشار الانباری، **الاضداد** (بیروت: المکتبۃ العصریۃ، طبع 1987م) 1/141

4-سعیدی' غلام رسول سعیدی '**تبیان القران**' (فرید بک سٹال لاہور' طبع خامس 2008م)، 7/141

5۔طہ:15

بہت زیادہ چھپا کے رکھوں گا۔ بعض مفسرین نے "أُخْفِيْهَا" میں ہمزہ کو فتحہ کے ساتھ پڑھا فتحہ کی صورت میں خفاء کا معنی ہے ظاہر کرنا۔ امام شوکانی فرماتے ہیں کہ بعض ائمہ لغت کے نزدیک یہ "حروف اضداد" میں سے ہے اس کا معنی چھپانا بھی ہے اور ظاہر کرنا بھی۔([1])۔ آیت میں کاد کے زائد ہونے کی دلیل شعر جاہلی سے دیتے ہوئے امام شوکانی نے زید الخلیل کا یہ شعر ذکر کیا ہے۔

شعر جاہلی سے استشہاد:

"اخفاء" کے قبیلہ اضداد میں سے ہونے پر امام شوکانی نے امرؤالقیس کے دو اشعار سے استدلال کیا ہے:

فان تکتموا الداء لا نخفه   وان تبعثوا الحرب لا نقعد([2])

ترجمہ: اگر تم (عداوت کی) بیماری چھپا کر رکھو گے تو ہم اسے ظاہر نہیں کریں گے اور اگر تم جنگ کو بھڑکاؤ گے تو ہم بھی بیٹھے نہیں رہیں گے۔ اسی طرح امرؤالقیس کا ایک اور شعر ہے:

خفاهن من انفاقهن کانما   خفاهن ودق من عشی مجلب([3])

ترجمہ: گھوڑے نے اپنے کھروں سے آگ کو سرنگوں سے ایسے ظاہر کر دیا جیسے گھنے بادلوں کی بارش نے انہیں (چوہوں کو بلوں سے باہر نکال کر) ظاہر کر دیا۔

تجزیہ

پہلے شعر میں امرؤالقیس اپنے دشمنوں کو خبردار کرتا ہے کہ اگر تم عداوت کو چھپاؤ گے تو ہم بھی اس سے ظاہر نہیں کریں گے شعر میں "لا نخفه" کا لفظ ظاہر نہ کرنے کے معنی میں مستعمل ہے۔ لا نخفه کا معنی ہے لا نظهره، گویا اخفاء کا معنی ہے ظاہر کرنا ابن منظور نے بھی شعر کی تشریح کرتے ہوئے یہی معنی بیان کیا: قوله لا نخفه ای لا نظهره([4])

دوسرے شعر میں امرالقیس گھوڑے کی تعریف کرتے ہوئے کہتا ہے کہ گھوڑے کے پتھر پر کھر مارنے سے آگ ظاہر ہوئی شعر میں خفا کا لفظ ہے لیکن معنی ظاہر ہونا کیا گیا ہے گویا خفا کا لفظ اضداد کے قبیلہ سے ہے خفا کا لفظ بول کر چھپانا اور ظاہر کرنا دونوں معنی لیے جاتے ہیں اردو مترجمین نے آیت میں خفا کا معنی چھپانا ہی کیا ہے امین احسن

1۔ الشوکانی، **فتح القدیر**، 3/451

2۔ امرؤالقیس 'امرؤالقیس بن حجر بن الحارث الکندی' **دیوان امرؤ القیس**' دارالمعرفہ بیروت 'طبع ثانی 2004م 1/87 دیوان میں تکتموا کی بجائے تدفنوا کے الفاظ ہیں۔

3۔ امراءالقیس، **دیوان امرؤ القیس**، 1/77، امام شوکانی نے مخلب کا لفظ ذکر کیا جب کہ دیوان میں مجلب کا لفظ ہے۔

4۔ ابن منظور' **لسان العرب**' 14/234

اصلاحی نے ترجمہ کیا" قریب ہے میں اس کو چھپائے ہی رکھوں"([1]) مولانا مودودی صاحب نے ترجمہ کیا" میں اس کا وقت مخفی رکھنا چاہتا ہوں"([2])۔

شعر جاہلی سے استشہاد:

شعر جاہلیت کا حوالہ دیتے ہوئے امام شوکانی یہ شعر بیان کرتے ہیں:

سریع الی الهیجاء شاک سلاحه فما ان یکاد قرنه یتنفس([3])

ترجمہ: ہجو میں جلدی کرتا ہے اور اس کا اسلحہ ملنے والا (کمزور) ہے اور اس کے نیزے کا پھل سانس نہیں لے رہا (یعنی بے کار ہے)۔

تجزیہ

شاعر اپنے دشمن کی ہجو کرتے ہوئے اس کی بزدلی بیان کر رہا ہے کہ اس کے نیزے کا پھل بھی بیکار ہے ''ان یکاد قرنه'' میں ان نافیہ ہے یکاد کا لفظ زائدہ ہے جسے تاکید کے لیے لایا گیا ہے معنی اس کے بغیر مکمل ہے یعنی "ما یتنفس قرنہ" اسی طرح آیت میں بھی کاد کا لفظ زائدہ ہے۔

"یَذْکُرُ اٰلِهَتَکُمْ" کے مفعول میں محذوف کا شعر جاہلی سے استشہاد

اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿وَاِذَا رَاٰکَ الَّذِیْنَ کَفَرُوْٓا اِنْ یَّتَّخِذُوْنَکَ اِلَّا هُزُوًا۔ اَهٰذَا الَّذِیْ یَذْکُرُ اٰلِهَتَکُمْ۔ وَهُمْ بِذِکْرِ الرَّحْمٰنِ هُمْ کٰفِرُوْنَ﴾([4])

ترجمہ: اور یہ کفار جب بھی آپ کو دیکھتے ہیں تو آپ کا مذاق اڑاتے ہیں (کہتے ہیں) کیا یہ ہے وہ شخص جو تمہارے خداؤں کا (برائی سے) ذکر کرتا ہے حالانکہ وہ خود رحمان کے ذکر کا انکار کرتے ہیں۔

امام شوکانیؒ نے "یذکرها" کا معنی "یعیبها" بیان کیا ہے۔ زجاج کا قول نقل کرتے ہیں کہ کہا جاتا ہے "فلاں یذکر الناس" اس کا معنی یہ ہوتا ہے کہ وہ لوگوں کی غیبت کرتا ہے اور ان کے عیوب بیان کرتا ہے اور اسی طرح کہا جاتا ہے کہ "فلاں یذکر اللہ" اس کا معنی یہ ہے کہ وہ اللہ کا تعظیماً ذکر کرتا ہے اور اس کی حمد و ثناء کرتا ہے اس بناء پر کہا

1- اصلاحی، امین احسن **تدبر قرآن**، (لاہور: فاران فاؤنڈیشن، ط2009)، 5/23

2 - مودودی، **تفہیم القرآن**، 3/89-90

3- امام شوکانی نے یہ شعر بغیر انتساب کے ذکر کیا ہے جب کہ علامہ زبیدی حنفی نے زید الخیل کی طرف منسوب کیا ہے۔ (**تاج العروس**، 9/199)

4- الانبیاء: 36

گیا کہ ذکر کا لفظ کلام عرب میں عیب بیان کرنے کیلئے استعمال نہیں ہوتا جہاں عیب مراد ہو وہاں ''سوء'' کا لفظ محذوف مراد لیا جاتا ہے۔([1])

شعر جاہلی سے استشہاد:

عنترہ نے ذکر کا لفظ عیب کے معنی میں یوں بیان کیا:

لاتذکری مهری وما اطعمته　　　　فیکون جلدک مثل جلد الاجرب([2])

ترجمہ:۔(بیوی سے کہتا ہے) تو مجھے میرے گھوڑے اور جو کچھ میں اسے کھلاتا ہوں اس کے بارے میں ملامت نہ کرورنہ تیرے جسم کی جلد کوڑھ کے مریض کی طرح ہو جائے گی (یعنی نفرت زدہ)۔

تجزیہ

اس شعر میں عنترہ نے اپنی محبوبہ عبلہ کو مخاطب کیا کہ مجھے میرے گھوڑے اور جو کچھ میں اسے کھلاتا ہوں اس کے بارے میں ملامت نہ کر۔ محبوبہ 'عنترہ کو طعنہ دیتی تھی کہ گھوڑے سے حد سے زیادہ پیار کرتا ہے اور اس کی خدمت میں حد سے زیادہ کوشاں رہتا ہے۔اب چونکہ عبلہ طعن و ملامت کرتی تھی اسی شاعر نے لاتذکری کا لفظ استعمال کیا گویا یذکر میں سوء کا لفظ محذوف زمانہ جاہلیت میں مانا جاتا تھا۔

صیغہ جمع کی تکرار فعل پر دلالت کا شعر جاہلی سے استشہاد

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿حَتّٰۤى اِذَا جَآءَ اَحَدَهُمُ الْمَوْتُ قَالَ رَبِّ ارْجِعُوْنِ﴾([3])

ترجمہ: حتی کہ جب ان میں سے کسی کے پاس موت آتی ہے تو وہ کہتا ہے اے میرے رب! مجھے واپس بھیج دے۔

کافر کی موت کا جب وقت آتا ہے تو وہ علامات موت دیکھ کر حسرت و ناامیدی سے کہتا ہے اے میرے رب! مجھے دنیا میں واپس بھیج دے تاکہ اعمال صالحہ کر سکوں۔ یہاں سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ جب کافر، اللہ تعالیٰ کو رب کہہ کر پکار رہا ہے تو اس کے بعد صیغہ واحد کا ہونا چاہیے ''ارجعنی'' واحد کی جگہ جمع کا صیغہ کیوں لایا گیا ہے اس سوال کے دو جوابات امام شوکانیؒ نے دیئے ہیں۔ پہلا یہ کہ جمع کا صیغہ تعظیم کیلئے لایا گیا ہے۔ کافر، علامات موت دیکھ کر اور اپنے آپ کو باطل راستے پر پاکر اللہ تعالیٰ سے فریاد کناں ہو گا تو رب تعالیٰ سے انتہائی ادب سے عرض کرے گا کہ واپس دنیا میں بھیج دے۔ تعظیم کی انتہا کو بیان کرنے کیلئے واحد کی جگہ جمع کا صیغہ لایا گیا ہے۔

1۔ الشوکانی، **فتح القدیر**، 3/509

2۔ عنترہ، **دیوان عنتر**، ص14

3۔ المؤمنون:99

دوسرا جواب یہ ہے کہ جمع کا صیغہ تکرار فعل پر دلالت کرتا ہے یعنی کافر کہہ رہا ہے "ارجعنی ' ارجعنی ' ارجعنی" بار بار کہنے کی وجہ سے جمع کا صیغہ ذکر کر دیا گیا۔ اللہ تعالیٰ کے اس فرمان: ﴿اَلۡقِیَا فِیۡ جَهَنَّمَ﴾ ([1]) کی بھی یہی توجیہ ہے۔

"القیا" تثنیہ کا صیغہ تکرار فعل کیلئے ہے یہی وجہ ہے کہ امام مازنی نے اس کا معنی الق الق بیان کیا ہے ([2])

شعر جاہلی سے استشہاد:

صیغہ جمع سے تکرار فعل پر دلالت امر وَالقیس کے اس شعر سے واضح ہوتی ہے:

قفا نبک من ذکری حبیب و منزل ([3])

ترجمہ:۔ تم دونوں ٹھہرو! ہم محبوبہ اور اس کے گھر کو یاد کر کے رولیں۔

تجزیہ

شاعر دوران سفر اپنے دو دوستوں کو رکنے کا کہتا ہے اور رک کر محبوبہ کے گھر کو دیکھ کر رونا چاہتا ہے رونا شاعر نے اکیلے ہی ہے لیکن صیغہ نبک جمع کا استعمال کرتا ہے۔ جمع کے صیغہ کا استعمال کثرت گریہ کیلئے ہے۔ گویا شاعر کہنا چاہتا ہے "قفا ابک ' ابک ' ابک" یہی حال رب ارجعون کا ہے کافر، موت کے وقت کہتا ہے "رب ارجعنی ' ارجعنی ' ارجعنی" جمع کا صیغہ تکرار فعل پر دلالت کرتا ہے۔ " تفہیم القرآن میں اس آیت کا ترجمہ تعظیم کے معنٰی کو ملحوظ خاطر رکھ کر کیا گیا ہے، اے میرے رب مجھے اس دنیا میں واپس بھیج دیجیے "([4])

"یَاْتَلِ" کے مادہ اشتقاق اور معنی کی بحث

حضرت عائشہؓ پر تہمت لگانے کے واقعہ میں مسلمانوں میں سب سے پیش پیش مسطح تھے یہ حضرت ابو بکر صدیقؓ کے عم زاد تھے یہ بچپن میں یتیم ہوگئے اور ان کے اخراجات ابھی تک حضرت ابو بکر صدیقؓ اٹھا رہے تھے جب واقعہ افک میں ان کا کردار نمایاں ہوا تو نزول برأت کے بعد حضرت ابو بکر صدیقؓ نے قسم کھائی کہ میں آج کے بعد مسطح پر کچھ بھی خرچ نہ کروں گا۔ انہوں نے مسطح سے ہاتھ روک لیا اس پر یہ آیت نازل ہوئی:

﴿وَلَا یَاْتَلِ اُولُوا الۡفَضۡلِ مِنۡکُمۡ وَالسَّعَةِ اَنۡ یُّؤۡتُوۡۤا اُولِی الۡقُرۡبٰی وَالۡمَسٰکِیۡنَ وَالۡمُهٰجِرِیۡنَ فِیۡ سَبِیۡلِ اللّٰهِ ۪ۖ وَلۡیَعۡفُوۡا وَلۡیَصۡفَحُوۡا ؕ اَلَا تُحِبُّوۡنَ اَنۡ یَّغۡفِرَ اللّٰهُ لَکُمۡ ؕ وَاللّٰهُ غَفُوۡرٌ رَّحِیۡمٌ﴾ ([5])

1۔ ق:24

2۔ الشوکانی، **فتح القدیر**، 3/618-619

3۔ یہ امرؤالقیس کے معلقہ کے پہلے شعر کا مصرع ہے دوسرا مصرع یہ ہے: بسقط اللوی بین الدحول فحومل (دیوان امراء القیس، 1/21)

4-مودودی، **تفہیم القرآن**، 3/299

5۔ النور:22

ترجمہ: اور تم میں سے اصحاب فضل اور ارباب وسعت یہ قسم نہ کھائیں کہ وہ رشتہ داروں، مسکینوں اور اللہ کی راہ میں ہجرت کرنے والوں کو کچھ نہ دیں گے ان کو چاہیے کہ وہ معاف کر دیں اور درگزر کریں کیا تم یہ نہیں چاہتے کہ اللہ تمہاری مغفرت کر دے اور اللہ بہت بخشنے والا بے حد رحم فرمانے والا ہے۔

اس آیت کے نزول کے بعد حضرت ابو بکر صدیقؓ نے اپنی قسم سے رجوع کر لیا۔ آیت میں "یاتل" کے لفظ کے دو مادہ اشتقاق امام شوکانیؒ نے بیان کئے۔ ایک ہے کہ "الالیۃ" سے باب افتعال کا صیغہ ہے اور اس کا معنی ہے قسم کھانا۔ دوسرا مادہ "الوت" ہے جب کوئی کسی کام میں کمی کرے اسی سے لفظ نکلا ہے "لم آل جھدا" میں نے محنت کرنے میں کمی نہیں چھوڑی۔ ([1])

شعر جاہلی سے استشہاد:

امام شوکانیؒ نے اس دوسرے معنی کی تائید اس جاہلی شعر سے کی ہے:

وما المرء مادامت حشاشۃ نفسہ   بمدرک اطراف الخطوب ولا آل ([2])

ترجمہ:۔ انسان اپنی زندگی کی آخری سانس تک جدوجہد میں کمی نہ کرنے کرنے کے باوجود بھی مقاصد (میں) کماحقہ (کامیابی) حاصل نہیں کر سکتا۔

تجزیہ

شعر میں "ولا ال" کا لفظ محل استشہاد ہے یہ الا' یالو' الوا' سے اسم فاعل کا صیغہ ہے لسان العرب میں اس کا معنی بیان ہوا: "قصر وابطا" ([3]) کمی کرنا اور سستی کرنا

امرؤ القیس نے جدوجہد میں کمی نہ کرنے کے معنی کو بیان کرنے کے لیے مذکورہ لفظ استعمال کیا لیکن آیت میں یاتل سے مراد قسم کھانا ہے یہ دوسرا معنی مراد نہیں ہے تفسیر ضیاء القران میں ترجمہ قسم کے معنی کو ملحوظ خاطر رکھ کر کیا گیا ہے "اور تم میں سے اصحاب فضل اور ارباب وسعت یہ قسم نہ کھائیں" ([4]) سبب نزول کے موافق پہلا معنی ہی ہے۔

"فَهُمْ يُوزَعُونَ" کے معنی کا شعر جاہلی سے استشہاد

اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

1۔الشوکانی، **فتح القدیر**، 21/4

2۔امرء القیس، **دیوان امرؤ القیس**، 140/1

3-ابن منظور' **لسان العرب**' 40/14

1-الازہری، پیر کرم شاہ' **ضیاء القران**' (ضیاء القران پبلی کیشنز لاہور' ط:1402ھ).3/304

﴿وَحُشِرَ لِسُلَيْمٰنَ جُنُوْدُهٗ مِنَ الْجِنِّ وَالْاِنْسِ وَالطَّيْرِ فَهُمْ يُوْزَعُوْنَ﴾([1])

ترجمہ: اور فراہم کئے گئے سلیمان کیلئے لشکر جنوں، انسانوں اور پرندوں سے تو وہ روکے جاتے تھے۔

امام شوکانیؒ ”فھم یوزعون“ کا معنی بیان کرتے ہیں کہ ہر گروہ کے لئے روکنے والے موجود تھے جو ان کی تقدیم و تاخیر کے ساتھ ان کی تنظیم کرتے تھے ہر ایک اپنے مرتبے کے مطابق کھڑا ہوتا تھا۔ کہا جاتا ہے ”وزعہ یزعہ وزعا“ کسی کو روک دینا، میدان جنگ میں وازع اس شخص کو کہا جاتا تھا جو صفوں کو منظم کرتا تھا اور جو شخص صف میں آگے آنے کی کوشش کرتا اسے روکتا تھا([2])

شعر جاہلی سے استشہاد

نابغہ الذبیانی([3]) نے کہا:

علیٰ حین عاتبت المشیب علی الصبا　　　　وقلت الما اصح والشیب وازع([4])

ترجمہ:۔ جب میں نے بڑھاپے کو اس کی خواہش نفس کی طرف مائل ہونے کی وجہ سے سزا دی تو میں نے کہا جب میں نشے کی حالت سے باہر آؤں گا تو بڑھاپا ہی (مجھے) روکنے والا ہو گا۔

تجزیہ

اس شعر میں نابغہ 'نعمان بن منذر سے عذر خواہی کرتے ہوئے کہتا ہے کہ میں نے بڑھاپے کی عمر میں جو غلطی کی اس پر بڑھاپا ہی مجھے باز آنے کا کہتا رہا شعر کے آخر میں وازع کا لفظ محل استشہاد ہے یہ وزع 'یزع' وزعا سے اسم فاعل کا صیغہ ہے آیت میں یوزعون اسی سے فعل مضارع مجہول کا جمع مذکر غائب کا صیغہ ہے اس کا معنی روکنا منع کرنا ہے۔ تاج العروس میں ہے: "وزع 'وزعتہ ای کففتہ ومنعتہ "([5])

”یَسْتَصْرِخُهٗ“ کے معنی کا شعر جاہلی سے استشہاد

1۔ النمل:17

2-الشوکانی، **فتح القدیر**، 4/157

4 -ابو امامہ زیاد بن معاویہ بن ضباب الذبیانی الغطفانی المضری۔ اس کا شمار زمانہ جاہلیت کے طبقہ اولی کے شعراء میں ہوتا ہے عکاظ کے میلے میں اس کے لیے سرخ خیمہ لگایا جاتا تھا بڑے بڑے شعراء اس کے سامنے حاضر ہو کر کلام پیش کرتے تھے حیرہ کے بادشاہ نعمان بن منذر کا درباری شاعر تھا اس کی بیوی کے متعلق قصیدہ لکھنے کی وجہ سے بادشاہ ناراض ہو گیا اور نابغہ جان بچا کر غسانیوں کے ہاں چلا گیا۔ بادشاہ کی بیماری کا معلوم ہوا تو نابغہ نے معذرت خواہانہ قصیدہ لکھا تو بادشاہ راضی ہوا اور یہ واپس آ گیا اس کا کلام طویل اور معیاری ہے اس نے لمبی عمر پائی۔ (یحیی مراد '**معجم تراجم الشعراء الکبیر** ط:2006م، 1/268)

4۔ نابغہ الذبیانی 'ابو امامہ زیاد بن معاویہ الذبیانی '**دیوان نابغہ الذبیانی**' (بیروت: دار الکتب العلمیہ 'ط:1996م 'ص53

5 -زبیدی حنفی 'محمد بن محمد بن عبد الرزاق الحسینی '**تاج العروس**' دار الھدایہ 22/318

موسیٰ علیہ السلام جب جوانی کی عمر کو پہنچے تو ایک دن ایسے وقت میں شہر میں آئے جب لوگ دن کے وقت آرام کر رہے تھے آپ نے دیکھا کہ دو آدمی آپس میں لڑ رہے ہیں دو میں سے ایک کا تعلق موسیٰ علیہ السلام کی قوم سے تھا جبکہ دوسرا فرعونیوں سے متعلق تھا۔ موسیٰ علیہ السلام نے بیچ بچاؤ کرانے کی کوشش کی۔ فرعونی بہت زیادہ زدوکوب کر رہا تھا موسیٰ علیہ السلام نے اسے گھونسا مارا اور وہ وہیں مر گیا۔ اس پر موسیٰ علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ سے استغفار کیا اور اللہ تعالیٰ نے انہیں معاف فرما دیا۔ اگلے دن پھر جب موسیٰ علیہ السلام شہر میں آئے تو دیکھا کہ وہی آدمی جو کل اس فرعونی سے لڑ رہا تھا آج پھر کسی اور سے دست بگریباں ہے اس نے پھر موسیٰ علیہ السلام سے مدد طلب کی۔ مدد طلب کرنے کیلئے قرآن نے یہ الفاظ بیان کئے:

﴿فَاَصۡبَحَ فِی الۡمَدِیۡنَۃِ خَآئِفًا یَّتَرَقَّبُ فَاِذَا الَّذِی اسۡتَنۡصَرَہٗ بِالۡاَمۡسِ یَسۡتَصۡرِخُہٗ۔ قَالَ لَہٗ مُوۡسٰۤی اِنَّکَ لَغَوِیٌّ مُّبِیۡنٌ﴾([1])

ترجمہ: پھر آپ نے صبح کی اس شہر میں ڈرتے ہوئے اس انتظار میں کہ کیا ہوتا ہے تو اچانک وہی شخص جس نے کل ان سے مدد طلب کی تھی آج پھر انہیں مدد کیلئے پکارتا ہے موسیٰ نے اسے فرمایا: بے شک تو کھلا گمراہ ہے۔

جس بنی اسرائیل نے موسیٰ علیہ السلام سے مدد طلب کی اس کے طلب امداد کیلئے اللہ تعالیٰ نے "**یستصرخه**" کا لفظ بیان فرمایا۔ "**یستصرخه باب استفعال**" سے "**استصرخ' یستصرخ' استصراخاً**" آتا ہے۔ "**استصراخ**" کا معنی امام شوکانیؒ کرتے ہیں استغاثہ، یعنی مدد طلب کرنا، یہ لفظ الصراخ سے نکلا ہے "**صراخ**" چیخ کو کہتے ہیں چونکہ مدد طلب کرنے والا بلند آواز نکالتا ہے اور چیخ و پکار کرتا ہے۔ اس لئے اس کیلئے "**استصراخ**" کا لفظ استعمال کیا جاتا ہے۔([2])

شعر جاہلی سے استشہاد

سلامۃ بن جندل([3]) کہتا ہے:

کنا اذا ما اتانا صارخ فزع　　کان الجواب له قرع الظنابیب([4])

1۔ القصص: 18

2۔ الشوکانی، **فتح القدیر**، ج4، ص198

1- ابو مالک سلامۃ بن جندل بن عبد عمرو کا تعلق بنی کعب سے تھا اہل حجاز کا زمانہ جاہلیت کا شاعر تھا اس کے اشعار میں حکمت اور سخاوت کا تذکرہ ہے یہ متلمس کے طبقے کا شاعر تھا۔ گھوڑوں کے اوصاف بیان کرتا تھا اس کا دیوان چھوٹا ہے اکثر مرخین نے اسے عمرو بن کلثوم کا معاصر خیال کیا ہے۔ (زرکلی' خیر الدین بن محمود بن محمد بن علی الزرکلی' **الاعلام**' دار العلم للملائین' 3/ 106

4۔ سلامۃ بن جندل، **دیوان سلامۃ بن جندل**، 1/ 3

ترجمہ:۔ جب کوئی چیختا ہوا، گھبرا کر ہمارے پاس (مدد طلب کرنے کیلئے) آتا ہے تو ہماری طرف سے اس کا جواب نیزوں کے ٹکرانے کی آواز ہوتا ہے

تجزیہ

اس شعر میں صارخ کا لفظ محل استشہاد ہے یہ صرخ 'یصرخ' صرخا' سے اسم فاعل کا صیغہ ہے۔ ابن الانباری کے بقول یہ لفظ اضداد سے ہے صارخ کا لفظ مغیث اور مستغیث دونوں معنی میں استعمال ہوتا ہے۔([1]) لیکن یہاں یہ لفظ مستغیث کے معنی میں استعمال ہوا ہے جس پر قرینہ فزع کا لفظ ہے شاعر اپنے قبیلے کی مدح کرتے ہوئے کہتا ہے کہ جب گھبرایا ہوا شخص مدد طلب کرنے کے لیے ہمارے پاس آتا ہے تو ہم فوراً اس کی مدد کرتے ہیں۔ یہاں صارخ کا لفظ مستصرخ کے معنی میں ہے بنی اسرائیلی کے گزشتہ روز مدد طلب کرنے کے لیے یستصرخہ کا لفظ استعمال کیا گیا۔ اس کا ترجمہ صاحب تدبر قران نے ان الفاظ میں کیا "جو کل اس سے طالب مدد ہوا تھا آج پھر اس کو مدد کے لیے پکار رہا تھا"([2])۔

"ردءاً" میں مہموز اللام کی تخفیف کا شعر جاہلی سے استشہاد

جب اللہ تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام کو فرعون کے دربار میں جا کر تبلیغ کا حکم دیا تو موسیٰ علیہ السلام نے اپنے بھائی ہارون علیہ السلام کو اپنا مددگار بنائے جانے کا سوال کیا جسے اللہ تعالیٰ نے قبول فرمایا:

﴿وَاَخِیۡ هٰرُوۡنُ هُوَ اَفۡصَحُ مِنِّیۡ لِسَانًا فَاَرۡسِلۡهُ مَعِیَ رِدۡاً یُّصَدِّقُنِیۡۤ﴾([3])

ترجمہ: اور میرا بھائی ہارون وہ زیادہ فصیح ہے مجھ سے گفتگو کرنے میں تو اسے بھیج میرے ساتھ میرا مددگار بنا کر تاکہ وہ میری تصدیق کرے۔

"ردءا" کا معنی ہے مددگار۔ کہا جاتا ہے "ارداته" یعنی میں نے اس کی مدد کی۔ اسی طرح کہا جاتا ہے "فلان ردء فلان" جب کوئی دوسرے کی مدد کرے اور اس کی پشت پناہی کرے نافع ([4]) اور ابو جعفر ([5]) کی قرأت میں

1-ابن الانباری، الاضداد، 1/ 80

2-اصلاحی، امین حسن، **تدبر قرآن**، 5/ 651

3۔القصص:34

1-نافع بن عبد الرحمن بن ابی نعیم کا شمار قرات سبعہ کے قراء میں ہوتا ہے 70 ہجری میں پیدا ہوئے اصفہان سے تعلق تھا لیکن ساری زندگی مدینہ منورہ میں رہے اس لیے المدنی کہلائے۔ ستر تابعین سے قرآن پڑھا قراءت میں ابو جعفر یزید بن قعقاع اور یزید بن رومان کے شاگرد تھے۔ 169 ہجری میں وفات پائی۔(یوسف المزی 'ابو الحجاج یوسف بن عبد الرحمن المزی **'تھذیب الکمال'** مؤسسۃ الرسالہ 'بیروت' ط:1980م، 29/ 281)

2-ابو جعفر یزید بن قعقاع پورا نام ہے۔ عبد اللہ بن عیاش المخزومی کے آزاد کردہ غلام تھے۔ ابو ہریرہ اور ابن عمر رضی اللہ عنہما سے اکتساب فیض کیا۔ قراءت میں اہل مدینہ کے امام تھے۔ نافع المدنی ان کے شاگرد تھے۔ مروان بن محمد کی خلافت کے زمانے میں وصال ہوا۔(ابن سعد 'ابو عبد اللہ محمد بن سعد بن منیع الہاشمی **'الطبقات الکبری'** مکتبۃ العلوم المدینہ 'طبع ثانیہ 1408ھ، 1/ 151)

تخفیفاً ہمزہ حذف کیا گیا ہے۔ عربوں کے اس قول میں ہمزہ کا حذف جائز ہے۔ "اردی علی المآۃ" جب کوئی چیز سو سے زیادہ ہو۔ گویا کہ اس کا معنی یہ ہے کہ اسے میرے ساتھ بھیجیں تاکہ میری تصدیق میں زیادتی ہو۔([1])

شعر جاہلی سے دلیل

حاتم طائی([2]) نے کہا:

اسمر خطیا کان کعوبه　　نوی القسب قدار دی ذراعا علی العشر([3])

ترجمہ:۔ مقام خطی([4]) کے نیزے گویا ان کے گرہ ٹھوس خشک کھجور کی گٹھلی ہے۔ ان کی طوالت دس ہاتھ سے ایک زرع زیادہ ہے۔

تجزیہ

شاعر مقام خطی کے نیزوں کی سختی اور لمبائی بیان کرتا ہے کہ وہ دس ہاتھ سے ایک ذراع زیادہ ہیں زیادتی کے بیان کے لیے شاعر نے "اردا" کا لفظ استعمال کیا ہے اس لفظ سے دو باتیں مستفاد ہوتی ہیں ایک یہ کہ لفظ اصل میں "اردا" تھا یہ لفظ مہموز اللام تھا۔ آخر میں ہمزہ تخفیفا حذف کر دیا گیا۔ دوسری یہ کہ نیزے کی لمبائی دس ہاتھ سے زیادہ تھی اس زیادتی کے بیان کے لیے اردا کا لفظ استعمال کیا گیا گویا موسی علیہ السلام نے تصدیق میں زیادتی کے حصول کے لیے اپنے بھائی ہارون علیہ السلام کی معیت کا تقاضا کیا۔

ابن حداد نے "ارادا" کے لفظ کا معنی بیان کیا: اردات الرجل اعنتہ فانار دء لہ([5])۔

عورات کے صیغہ کا شعر جاہلی سے استشہاد

تین اوقات میں اللہ تعالیٰ نے غلاموں اور نابالغ لڑکوں کو گھروں میں داخلے سے پہلے اجازت لینے کا حکم دیا۔ نماز فجر سے پہلے، ظہر کے وقت جب بعض کپڑے اتار دیے جاتے تھے اور عشاء کے بعد۔ ان تین اوقات کو اللہ تعالیٰ نے پردے کے اوقات قرار دیئے۔ ﴿ثَلٰثُ عَوۡرٰتٍ لَّكُمۡ﴾([6]) ترجمہ: یہ تین اوقات تمہارے پردے کے ہیں۔

1۔ الشوکانی، **فتح القدیر**، 4/208

4-حاتم بن عبد اللہ بن سعد الطائی زمانہ جاہلیت کا مشہور شاعر تھا سخاوت میں اس کا نام ضرب المثل ہے نجد کا رہنے والا تھا اس کے اشعار کثیر تھے لیکن ضائع ہو گئے قلیل دیوان باقی ہے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت کے آٹھ سال بعد ان کی وفات ہوئی۔ زرکلی '**الاعلام**' 2/15، / حاتم الطائی 'حاتم بن عبد اللہ بن سعد الطائی '**دیوان حاتم الطائی**' (تحقیق: احمد رشاد) دار الکتب العلمیہ بیروت '1/ 21

3-حاتم الطائی 'حاتم بن عبد اللہ بن سعد الطائی '**دیوان حاتم الطائی**' (تحقیق: احمد رشاد) دار الکتب العلمیۃ' بیروت۔ 1/ 21

4۔ خطی بضم اولہ والقصر جمع خطوۃ موضع بین الکوفہ والشام۔ (الحموی' شہاب الدین ابو عبد اللہ یاقوت بن عبد اللہ الحموی '**معجم البلدان**' دار صادر بیروت' (2/378

1-ابن حداد' ابو عثمان سعید بن محمد المعافری '**کتاب الافعال**' مؤسسۃ دار الشعب للصحافۃ والطباعۃ والنشر' القاہرہ' ط: 1975م' 3/ 49

6۔ نور: 58

"عورات" کے لفظ کا مفہوم بیان کرتے ہوئے امام شوکانیؒ فرماتے ہیں کہ اس سے مراد وہ اوقات ہیں جن میں پردہ کیا جاتا ہے۔ زجاج کے بقول مراد یہ ہے کہ انہیں چاہیے کہ تم سے پردے کے تین اوقات میں اجازت طلب کریں۔ اصل جملہ تھا "لیستاذنکم اوقات ثلاث عورات" مضاف کو حذف کرکے مضاف الیہ کو اس کے قائم مقام رکھ دیا گیا۔ عورات، عورۃ کی جمع ہے عورۃ کا اصل معنی ہے خلل۔ پھر یہ لفظ زیادہ اس خلل کیلئے استعمال ہونے لگا جس کی حفاظت کا اہتمام ضروری ہے یعنی یہ تین اوقات ہیں کہ جن میں ستر میں خلل واقع ہوتا ہے۔ اعمش نے عورات پڑھا یعنی واؤ کے فتحہ کے ساتھ، قبیلہ ھذیل اور تمیم کی یہی لغت ہے وہ فعلات کے عین کو فتحہ دیتے ہیں بھلے عین کلمہ میں واؤ ہو یا یاء ہو۔[1]

شعر جاہلی سے استشہاد:

دلیل کے طور پر امام شوکانیؒ نے نابغہ الذبیانی کا شعر ذکر کیا:

امن آل میۃ رائح او مغتد　　　عجلان ذا زاد غیر مزود[2]

ترجمہ:۔ کیا تیرا اسارا وقت خاندان میہ (شاعر کی محبوبہ) کی طرف صبح و شام محض جلدی جلدی آنے جانے میں ہی گزر جائے گا نہ دیدار، نہ وصل (کچھ بھی حاصل نہ ہو گا)۔

تجزیہ

یہ اس قصیدے کا پہلا شعر ہے کہ جس کے بارے میں نعمان بن منذر[3] کے قریبی لوگوں نے نابغہ کے خلاف نعمان کے کان بھرے کہ یہ قصیدہ نابغہ نے تمہاری بیوی کے مدح میں لکھا ہے اور نابغہ نے تمہاری بیوی پر غلط نظر رکھی ہے نعمان ان کی باتوں میں آ گیا اور سخت غصے میں نابغہ کو سزا دینے کا ارادہ کیا۔ جس کی وجہ سے نابغہ وہاں سے بھاگ کر غسانیوں کے ہاں پناہ گزین ہو گیا[4]. اس شعر میں عجلان کا لفظ محل استشہاد ہے یہ فعلان کے وزن پر صفت کا صیغہ ہے۔ جیسے عجلۃ سے عجلان۔ اسی طرح عورۃ سے عورات بنا ہے۔ قبیلہ ھذیل اور تمیم کی لغت میں عین کلمہ کو فتح دیا

1۔الشوکانی،**فتح القدیر**،4/63-64

2۔ امام شوکانیؒ نے اس شعر کے پہلے مصرع میں غلطی کی۔ انہوں نے لکھا ابو بیضات رائح او مبعد۔ اصل میں مصرع یوں ہے: امن آل میۃ رائح او مغتد (نابغہ الذبیانی، زیاد بن معاویہ، **دیوان نابغہ الذبیانی**، تحقیق: محمد ابو الفضل ابراھیم، القاھرہ؛ دار المعارف)، ص، 89

1-ابو قابوس نعمان بن منذر بن منذر بن امرؤ القیس اللخمی المعدی '(552 تا 609م) حیرہ کا بادشاہ بنا۔ دجلہ کی کنارے نعمانیہ نام کا شہر بسایا۔ عیسائی تھا۔ نابغہ الذبیانی نے اس کی بہت مدح کی۔ عنترہ بن شداد نے اس کی ہجو کی۔ (السہیلی '**الروض الانف**' 1/ ابو الفرج الاصفہانی '**الاغانی**'6/534-546)

4-محمد بن محمد حسن شراب '**شرح الشواهد الشعرية**' مؤسسۃ الرسالہ بیروت 'ط:2007م'1/374

جاتا ہے اسی وجہ سے شعر میں عجلان کے عین کو فتحہ کے ساتھ پڑھا گیا ہے اور اسی مناسبت سے عورات میں عین کو فتح دیا گیا ہے۔

"یُبْلِسُ " کے صیغہ کے محل بیان کا شعر جاہلی سے استشہاد

قیامت کے دن مجرموں کی حالت زار بیان کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿وَیَوْمَ تَقُوْمُ السَّاعَۃُ یُبْلِسُ الْمُجْرِمُوْنَ﴾[1]

ترجمہ: اور جس روز برپا ہو گی قیامت، مجرموں کی آس ٹوٹ جائے گی۔

یُبْلِسُ کے لفظ پر بحث کرتے ہوئے امام شوکانی فرماتے ہیں کہ جمہور نے اسے معروف پڑھا ہے (یُبْلِسُ) جبکہ امام سلمی نے مجہول پڑھا ہے۔ یعنی " یُبلَسُ "اَبْلَسَ الرَّجُلُ "کا لفظ تب بولا جاتا ہے جب کسی کی دلیل رد کر دی جائے اور وہ خاموش ہو جائے۔ فراء اور زجاج نے کہا ہے کہ مبلس اس شخص کو کہتے ہیں جس کی دلیل رد ہونے کے بعد خاموش ہو جائے اور اب اسے یہ امید بھی نہ رہے کہ کوئی اس کی بات کی طرف پھر متوجہ ہو گا۔[2]

شعر جاہلی سے استشہاد

اس معنی کی تائید عجاج بن رؤبہ ([3]) کے اس شعر سے ہوتی ہے:

یاصاح هل تعرف رسما مکرساً قال نعم اعرفه' وابلسا[4]

ترجمہ اے میرے دوست! کیا تو رسم مکرسی سے واقف ہے؟ اس نے کہا جی ہاں! میں واقف ہوں اور اس (جواب دینے والے) نے اسے لاجواب کر دیا۔

تجزیہ

شاعر کہتا ہے کہ پوچھنے والے نے پوچھا کہ کیا تو رسم مکرسی (وہ جگہ جہاں اونٹوں کا گوبر ڈالا جاتا ہے۔[5]) کے بارے میں جانتا ہے؟ سوال کرنے والے کا مقصد یہ تھا کہ جواب آئے گا کہ میں نہیں جانتا اور پھر سوال کرنے والا اس کی وضاحت کرے گا لیکن خلاف توقع جواب یہ آیا کہ میں اس بارے میں جانتا ہوں۔ اس جواب کی وجہ سے سوال

1۔ الروم:12

2۔ الشوکانی، **فتح القدیر**، 4/261

3- عجاج بن روبہ بن علقمہ التمیمی زمانہ جاہلیت اور اوائل اسلام کے مخضرمی شاعر تھے ان کا شمار قبیلہ تمیم کے فخریہ اور حماسیہ شعراء میں ہوتا ہے ان کے متعدد اشعار جاہلی ادب کے مشہور مجموعوں جیسے المفضلیات اور الاصمعیات میں محفوظ ہیں۔ (ابن قتیبہ، **الشعر والشعراء**، 1/214)

4۔ امام جوہری نے اس شعر کا انتساب عجاج بن رؤبہ کی طرف کیا ہے (الجوہری، **الصحاح**، 3/909)

5- الھروی، **تهذیب اللغه**، 10/33

کرنے والے کے پاس کرنے کی کوئی اور بات نہ رہی تو وہ ساکت ہو گیا۔ اس کی خاموشی کیلئے شاعر نے اَبۡلَس کا لفظ استعمال کیا۔ گویا مجرموں کے پاس بروز محشر جب کوئی دلیل نہ ہو گی اور وہ خاموش ہو جائیں گے اور کسی مزید سوال و جواب کے عمل سے مایوس ہو جائیں گے تو اس کیلئے ابلاس کا لفظ استعمال کیا گیا ہے جو دور جاہلیت میں اسی معنی میں مستعمل تھا۔ مولانا مودودی نے ترجمہ کرتے ہوئے "مجرم اس دن ہک دک رہ جائیں گے" اسی معنی کا لحاظ رکھا۔[1]

فعل سے پہلے ہمزہ استفہامیہ کے حذف کا شعر جاہلی سے استشہاد

جب اللہ تعالیٰ نے فرشتوں کو حکم دیا کہ آدم علیہ السلام کو سجدہ کریں تو سب نے سجدہ کیا ماسوائے ابلیس کے۔ اس پر اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿اَسۡتَكۡبَرۡتَ اَمۡ كُنۡتَ مِنَ الۡعَالِيۡنَ﴾[2]

ترجمہ:۔ کیا تو نے تکبر کیا یا تو اپنے آپ کو اس سے عالی مرتبہ خیال کرتا ہے؟۔

آیت میں "اَسۡتَكۡبَرۡتَ" کا لفظ محل بحث ہے۔ یہ باب استفعال کا صیغہ ہے اور باب استفعال کے فعل ماضی کے صیغہ میں ہمزہ کے نیچے کسرہ آتا ہے لہٰذا یہاں ہمزہ پر فتحہ کا آنا اس بات کی دلیل ہے کہ یہ ہمزہ استفہامیہ ہے۔ امام شوکانی کہتے ہیں کہ جمہور کے نزدیک ہمزہ استفہامیہ ہے اور ام متصلہ ہے جبکہ ابن کثیر اور اہل مکہ نے الف وصلی کے طور پر پڑھا ہے۔ اس صورت میں جائز ہے کہ ہمزہ استفہامیہ کو محذوف مراد لیا جائے حذف کی صورت میں معنی وہی رہے گا۔[3]

شعر جاہلی سے استشہاد

ہمزہ استفہامیہ کے حذف کے جواز کی تائید میں امام شوکانی نے یہ شعر ذکر کیا۔ امرؤ القیس نے کہا:

تروح من الحی ام تبتکر[4] ترجمہ:۔ تو گاؤں سے شام کے وقت جاتا ہے یا صبح کے وقت؟

تجزیہ

شعر میں تروح سے پہلے ہمزہ استفہامیہ محذوف ہے۔ اصل عبارت یوں ہے "اَتَرُوۡحُ" ہمزہ کے حذف کی وجہ ام کا لفظ ہے وہ اس پر دلالت کرنے والا قرینہ ہے۔ اسی طرح آیت میں استکبرت میں الف وصلی پڑھا گیا اور ہمزہ استفہامیہ حذف کیا گیا۔ حذف کی وجہ ام کے لفظ کی موجودگی ہے جو اس پر دلالت کرتا ہے اور یہ حذف جوازاً ہے

1۔ مودودی، **تفہیم القرآن**، 3/736

2۔ ص:75

3۔ الشوکانی، **فتح القدیر**، 4/530

4۔ یہ شعر کا پہلا مصرع ہے دوسرا مصرع یہ ہے: وماذا علیک بان تنتظر (امرء القیس، **دیوان امرء القیس**، 1/105

ایک احتمال یہ بھی امام شوکانی نے ذکر کیا ہے کہ یہاں ہمزہ استفہامیہ نہیں ہے بلکہ ''اَسْتَكْبَرْتَ'' کا لفظ خبر کا معنی دے رہا ہے اور ام منقطع ہے اور بل کا معنی دے رہا ہے اس صورت میں آیت کا معنی یہ ہے کہ تو نے تکبر کیا اور سجدہ سے انکار کیا۔ دراصل تو نے اپنے آپ کو عالی مرتبہ خیال کیا۔ لیکن اردو مترجمین جیسے مولانا مودودی [1]، پیر کرم شاہ [2] اور دیگر مترجمین نے ترجمہ ہمزہ استفہامیہ کا ہی کیا ہے گویا ان کے نزدیک پہلی صورت کا ہی اعتبار ہے۔

"خَوَّلَهٗ" اور اس کے اشتقاقی صیغوں کا شعر جاہلی سے استشہاد

اللہ تعالیٰ نے انسان کی ناشکری بیان کرتے ہوئے فرمایا:

﴿وَإِذَا مَسَّ الْإِنسَانَ ضُرٌّ دَعَا رَبَّهُ مُنِيبًا إِلَيْهِ ثُمَّ إِذَا خَوَّلَهُ نِعْمَةً مِّنْهُ نَسِيَ مَا كَانَ يَدْعُو إِلَيْهِ مِن قَبْلُ﴾ [3]

ترجمہ: اور جب پہنچتی ہے انسان کو کوئی تکلیف اس وقت پکارتا ہے اپنے رب کو دل سے رجوع کرتے ہوئے اس کی طرف۔ پھر جب عطا کرتا ہے اسے نعمت اپنی (جناب سے) تو بھول جاتا ہے اس تکلیف کو جس کیلئے فریاد کرتا رہا تھا اس سے پہلے۔

آیت میں '' خَوَّلَهٗ '' کا لفظ تخویل، باب تفعیل سے فعل ماضی معروف کا صیغہ ہے۔ ہ ضمیر متصل مفعول واقع ہو رہی ہے۔ تخویل کا معنی ہے کسی کو کوئی چیز دینا اور اسے اس کا مالک بنا دینا۔ خولہ الشئ کا معنی ہے اس نے اسے اس چیز کا مالک بنا دیا۔ [4]

شعر جاہلی سے استشہاد

امام شوکانی نے اس شعر سے استشہاد کیا:

هنالك ان يستخولوا المال يخولوا　　　وان يسألوا يعطوا وان ييسروا يغلوا [5]

ترجمہ:۔ اگر وہاں ان سے مال کی ملکیت مانگی جائے تو وہ مالک بنا دیتے ہیں اگر ان سے سوال کیا جائے تو عطا کرتے ہیں اور اگر قمار بازی کی دعوت دی جائے تو حد سے بڑھ جاتے ہیں۔

تجزیہ

1۔ تو بڑا بن رہا ہے یا تو ہے ہی کچھ اونچے درجے کی ہستیوں میں سے؟ (مودودی، **تفہیم القرآن**، 4/348)

2۔ کیا تو نے تکبر کیا یا تو اپنے آپ کو اس سے عالی مرتبہ خیال کرتا ہے۔ (الازھری، محمد کرم شاہ، **ضیاء القرآن**، 4/252)

3۔ الزمر: 8

4۔ الشوکانی، **فتح القدیر**، 4/538

5۔ زہیر بن ابی سلمٰی، **دیوان زهير بن ابی سلمی**، تحقیق: حمدو طماس (بیروت: دار المعرفۃ، ط1426ھ)، ص50

یہ شعر زہیر بن ابی سلمیٰ ([1]) نے سنان بن ابی حارث کی شان میں قصیدہ لکھتے ہوئے کہا ہے۔ اس شعر میں زہیر، سنان کے قبیلے کی سخاوت کی مدح کرتا ہے۔ "یستخولوا" کا معنی ہے مال کی ملکیت کا سوال کرنا۔ چونکہ یہ باب استفعال سے ہے اس لئے طلب کا معنی پایا جارہا ہے۔ اس کے بعد "یخولوا" کا لفظ باب تفعیل سے ہے جس کا معنی عطا کرنا۔ یعنی جب ان لوگوں سے مال طلب کیا جاتا ہے تو وہ اس کی ملکیت دے دیتے ہیں۔ اس شعری تناظر میں آیت کے الفاظ " ثُمَّ إِذَا خَوَّلَهُ نِعْمَةً مِّنْهُ " کا معنی ہو گا کہ پھر جب وہ اپنی جناب سے اسے نعمت عطا کرتا ہے۔ یا نعمت کا مالک بناتا ہے۔ معارف القرآن میں "خَوَّلَ" کا یہی معنی "بخشے" ہی کیا گیا ہے۔[2]

"تَقْشَعِرُّ مِنْهُ" کے معنی کا شعر جاہلی سے استشہاد

متقین پر قرآن کریم کے اثرات کا ذکر کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿ اللَّهُ نَزَّلَ أَحْسَنَ الْحَدِيثِ كِتَابًا مُّتَشَابِهًا مَّثَانِيَ تَقْشَعِرُّ مِنْهُ جُلُودُ الَّذِينَ يَخْشَوْنَ رَبَّهُمْ ﴾[3]

ترجمہ:۔ اللہ تعالیٰ نے نازل فرمایا نہایت عمدہ کلام یعنی وہ کتاب جس کی آیتیں ایک جیسی ہیں بار بار دہرائی جاتی ہیں اور کانپنے لگتے ہیں اس کے پڑھنے سے بدن ان کے جو ڈرتے ہیں اپنے پروردگار سے۔

" تَقْشَعِرُّ " رباعی مزید فیہ کا باب اِفعِلّال ہے۔ اس کا معنی امام شوکانی بیان کرتے ہیں خوف سے بدن کا لرز جانا۔ کانپ اٹھنا۔ آیت کا معنی ہے کہ عذاب کی آیات پڑھ کر خوف خدا رکھنے والوں کے دل کانپ جاتے ہیں یہ زجاج کا قول ہے۔[4]

شعر جاہلی سے استشہاد

امرؤالقیس نے کہا:

فبت اکابد لیل التمام　　　والقلب من خشیة مقشعر[5]

ترجمہ میں نے ساری رات تکلیف میں گزاری اور (میرا) دل خوف کے مارے کانپ رہا تھا۔

تجزیہ

2-زہیر بن ابی سلمیٰ بن ربیعہ بن رباح المزنی۔ زمانہ جاہلیت کا ممتاز اور صاحب معلقہ شاعر تھا۔ اپنے ماموں سے شاعری سیکھی۔ بنو عبس اور بنو ذبیان کے درمیان صلح کروانے اور بھاری دیت ادا کرنے کی وجہ سے حارث بن عوف اور ہرم بن سنان کی مدح میں مشہور قصیدہ لکھا جو کہ اس کا معلقہ ہے۔ کچھ لوگوں نے اسے امرؤالقیس اور نابغہ ذبیانی سے افضل شاعر قرار دیا۔ (زرکلی، **الاعلام**، 3/52)

2۔ کاندھلوی، محمد بن ادریس، **معارف القرآن**، (سندھ شداد پور: مکتبۃ المعارف)، 7/66

3۔ الزمر: 23

4۔ الشوکانی، **فتح القدیر**، 4/546

5۔ امرؤالقیس، **دیوان امرء القیس**، 1/106

شعر میں شاعر نے اضطراب کی کیفیت بیان کرتے ہوئے کہا کہ ساری رات تکلیف میں گزاری۔ دل کے خوف سے کانپنے کیلئے شاعر نے "مقشعر" کا لفظ استعمال کیا ہے۔ خشیۃ کا لفظ ڈر کا معنی دے رہا ہے گویا خشیت سے جو دل کی کیفیت پیدا ہوتی ہے اس کے اظہار کیلئے اقشعرار کا لفظ جاہلیت میں رائج تھا۔

ثویٰ اور اثویٰ کا شعر جاہلی سے استشہاد

کفار کا ٹھکانہ آتش جہنم ہے اس بات کو اللہ تعالیٰ نے استفہام انکاری کے انداز میں یوں بیان فرمایا:

﴿اَلَیۡسَ فِیۡ جَهَنَّمَ مَثۡوًی لِّلۡکٰفِرِیۡنَ﴾[1] ترجمہ:۔ کیا جہنم میں کفار کا ٹھکانہ نہیں ہے؟۔

آیت میں "مَثْوًى" "ثویٰ، یثویٰ، ثویا سے اسم ظرف کا صیغہ ہے یہ ثلاثی مجرد سے ہے کیونکہ اگر مزید فیہ سے ہوتا تو میم کے ضمہ کے ساتھ مذکور ہوتا۔ مثویٰ کا معنی امام شوکانی بیان کرتے ہیں المقام (ٹھکانا)، ثویٰ بالمکان کا لفظ تب بولا جاتا ہے جب کوئی شخص کسی جگہ قیام کرے۔ ثویٰ، یثویٰ، ثویاً کو باب افعال میں اثویٰ، یثوی، اثواء کے ساتھ پڑھا جاتا ہے یا نہیں اس بارے میں اختلاف ہے۔ ابو عبید ([2]) نے کہا ہے کہ اثویٰ یعنی باب افعال کے ساتھ پڑھنا جائز ہے جبکہ اصمعی ([3]) نے اس کا انکار کیا ہے[4]۔

ابو عبید کی دلیل

امام شوکانی نے ثویٰ کے باب افعال کے صیغہ کا استشہاد جو کہ ابو عبید کی دلیل ہے، اعشیٰ ([5]) کے اس شعر سے کیا:

اثوی و اقصر لیلۃً لیزودا فمضت و اخلف من قتیلۃ موعداً[6]

1۔ الزمر:32

2-ابو عبید القاسم بن سلام الہروی۔(157ھ-224ھ) لغوی'محدث اور فقیہ تھے ان کی مشہور کتابیں غریب الحدیث اور الاموال ہیں۔ عربی زبان اور علوم الحدیث کے بڑے امام شمار ہوتے ہیں۔(الزرکلی، **الاعلام**۔5/191)

3- عبد الملک بن قریب البصری الاصمعی (121ھ-216ھ) عربی لغت' جاہلی شاعری اور انساب کے بڑے عالم اور راوی تھے۔ ان کی کتاب الاصمعیات عربی ادب کا اہم ماخذ ہے۔(ابن خلکان '**وفیات الاعیان**'3/456)

4۔ الشوکانی، **فتح القدیر**:4/550

4-ابو بصیر میمون بن قیس البکری 530م میں یمامہ میں پیدا ہوا۔ اعشیٰ الاکبر کے نام سے مشہور ہوا۔ زمانہ جاہلیت کا عظیم شاعر تھا۔ اسے صناجۃ العرب بھی کہا جاتا تھا۔ یہ شاعری میں اپنے ماموں مسیب بن علس کا شاگرد تھا۔ محققین نے اسے امرؤ القیس'نابغہ اور زہیر کے بعد چوتھا پائے کا شاعر خیال کیا ہے۔ غزل' وصف اور خمر پر طبع آزمائی کی اس کا معلقہ 65 اشعار پر مشتمل ہے۔(ابن عساکر، **تاریخ دمشق**، 61/327)

6۔ اعشیٰ، میمون بن قیس، **دیوان الاعشی الکبیر**، تحقیق: محمود ابراہیم، (قطر، وزارۃ الثقافۃ والفنون والتراث)، ص34، دیوان میں اقصر کی جگہ قصر کا لفظ ہے۔

ترجمہ:۔ وہ ٹھہرا اور اس نے اپنے رات کے قیام کو مختصر کیا تاکہ (محض) زاد سفر لے سکے۔ رات گزر گئی اور اس نے قتیلہ سے وعدہ خلافی کی۔

تجزیہ

آیت میں مثوی کے لفظ میں میم پر فتحہ کا ہونا اس کے ثلاثی مجرد سے ہونے کی تائید کرتا ہے اگر ثلاثی مزید فیہ سے ہوتا تو میم پر ضمہ ہوتا۔ اب اصمعی اور ابو عبید کے درمیان اختلاف ہے کہ یہ مصدر باب افعال میں استعمال ہوتا ہے یا نہیں؟ ابو عبید اس کے جواز کے قائل ہیں اور اثوی کے استشہاد کیلئے انہوں نے شعر جاہلی کا ذکر کیا لیکن اصمعی نے اس کا انکار کیا۔ صاحب القاموس نے ثوی کے لفظ کو ثلاثی مجرد اور مزید فیہ دونوں کے ساتھ ذکر کیا ہے۔

ثوی بالمکان و بہ یثوی، ثواء و ثویاً بالضم و اثوی بہ اطال الاقامۃ بہ۔[1]

گویا ائمہ لغت کے نزدیک ثوی کا لفظ ثلاثی مجرد اور مزید فیہ دونوں کے ساتھ صحیح ہے اس لحاظ سے امام ابو عبید کا قول اور شعر جاہلی سے استشہاد صحیح معلوم ہوتا ہے۔ شعر کے شاذ ہونے کا کسی نے قول نہیں کیا۔

”یَعۡفُ عَنۡ کَثِیۡرٍ“ میں یعف کے اعراب کا شعر جاہلی سے استشہاد

سمندر میں کشتیوں کے چلنے کو اپنی قدرت کی نشانی قرار دینے کے بعد اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿اَوۡ یُوۡبِقۡھُنَّ بِمَا کَسَبُوۡا وَ یَعۡفُ عَنۡ کَثِیۡرٍ﴾[2]

ترجمہ:۔ یا اگر وہ چاہے تو تباہ کر دے انہیں، لوگوں کے اعمال بد کی وجہ سے اور درگزر فرما دیا کرتا ہے بہت سے گناہوں کی وجہ سے۔

یعنی اگر اللہ چاہے تو لوگوں کی برے اعمال کی وجہ سے ان کشتیوں کو اللہ تباہ کر دے جن پر لوگ بیٹھے ہوتے ہیں اور وہ ہوا کے دوش پر چل رہی ہوتی ہیں۔ آیت میں ”یُوۡبِقۡھُنَّ“ کے لفظ ”یُوۡبِقۡ“ فعل ہے۔ اس میں ہو ضمیر راجع الی اللہ فاعل ہے اور ھن ضمیر راجع الی الجوار مفعول بہ ہے۔ ”یوبق“ فعل حالت جزمی میں ہے اور جزم کی وجہ ”اِنۡ“ شرطیہ کا جواب شرط بنناہے۔ ”یَعۡفُ عَنۡ کَثِیۡرٍ“ میں یعف کے لفظ پر بحث کرتے ہوئے امام شوکانی فرماتے ہیں کہ جمہور نے یعف کو حالت جزم کے ساتھ پڑھا ہے یعنی ”یَعۡفُو“ کا لفظ تھا۔ آخر کے سکون کی وجہ سے حرف علت حذف ہوا اور ”یَعۡفُ“ باقی رہ گیا۔ اس کی ترکیب یوں ہو گی کہ ان شرطیہ کے بعد ”یشأ“ کا فعل اپنے فاعل سے ملکر مکمل جملہ شرط بنے گا اور مابعد افعال اپنے متعلقات سے ملکر جواب شرط بنیں گے۔ اب یوبق کا لفظ جواب شرط ہے اور جنہوں نے یعف کا عطف، یوبق پر کیا ہے تو انہوں نے حالت جزمی کے ساتھ پڑھا ہے۔ امام قشیری نے اس پر اعتراض کیا

1۔ فیروز آبادی، محمد بن یعقوب، **القاموس المحیط**، (بیروت: مؤسسۃ الرسالہ، ط2005)، 1/1269

2۔ الشوریٰ:34

انہوں نے کہا یعف کو حالت جزمی کے ساتھ پڑھنے کا مطلب ہے کہ یوبق پر اس کا عطف ہے لیکن یوبق، چونکہ یشاء کی شرط پر موقوف ہے اور یعف بلا شرط ہے تو یہ الگ سے جملہ بنتا ہے عفو، مشیت کی شرط کے بغیر ہے اس صورت میں بعض نے یعفو کو حالت رفعی کے ساتھ پڑھا ہے۔ امام شوکانی نے اسے بہتر قول قرار دیا ہے یعفو کے اعراب کی تیسری صورت نصب کی حالت ہے اس صورت میں واؤ کے بعد ان ناصبہ محذوف مانا جائے گا۔[1]

امام شوکانی نے تیسری صورت کا استشہاد اس شعر سے کیا ہے:

فان یھلک ابو قابوس یھلک ربیع الناس و الشھر الحرام

و ناخذ بعدہ بذناب عیش اجب الظھر لیس لہ سنام[2]

ترجمہ:۔ اگر ابو قابوس ہلاک ہو گیا تو لوگوں کا بہار کا موسم اور حرمت والا مہینہ بھی ہلاک ہو جائیں گے اور ہم اس کے گزر جانے کے بعد کوہان کٹے ہوئے اونٹ کی طرح ہو جائیں گے جس کی کوہان سرے سے باقی ہی نہیں رہتی۔

تجزیہ

یہ شعر نابغہ ذبیانی نے نعمان بن منذر کی مدح میں لکھا ہے نعمان کی کنیت ابو قابوس ہے۔ محل استشہاد "و ناخذ" کا لفظ ہے شرح ابن عقیل میں اس کے اعراب کی تین صورتیں بیان کی گئی ہیں۔ اگر ان شرطیہ کا جواب بنے تو "یھلک" پر عطف کی وجہ سے جزم آئے گی اگر جملہ مستانفہ قرار دیا جائے تو رفع آئے گا اور اگر نصب دی گئی تو اس صورت میں واؤ معیت کے بعد ان ناصبہ محذوف ماننا پڑے گا[3]۔ یہی تیسری صورت امام شوکانی کا مستدل ہے انہوں نے شعر کو تیسری صورت پر محمول کیا اور اس سے "وَيَعْفُوَ" میں واؤ کی نصب کی صورت بیان کی لیکن نصب کی صورت میں واؤ کے بعد ان ناصبہ محذوف ماننا پڑے گا۔

" يَوْمَ تَمُوْرُ السَّمَآءُ مَوْرًا " کے معنی کا شعر جاہلی سے استشہاد

قیامت کے دن کی ہولناکی کا تذکرہ کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿ يَوْمَ تَمُوْرُ السَّمَآءُ مَوْرًا ﴾[4] ترجمہ:۔ جس روز آسمان بری طرح تھرتھرا رہا ہو گا۔

1۔ الشوکانی، **فتح القدیر**، 4/631

2۔ نابغہ الذبیانی، **دیوان نابغہ الذبیانی**، ص84

3۔ ابن عقیل، عبد اللہ بن عبد الرحمٰن، العقیلی، **شرح ابن عقیل علی الفیۃ ابن مالک**، (القاھرہ: دار التراث، ط1400ھ)، 4/39

4۔ الطور:9

امام شوکانی نے مارالشئی یمور، موراًکا معنی کیا ہے کسی شے کا حرکت کرنا کوئی شے آئے اور چلی جائے تو اس کیلئے موراًکا لفظ استعمال کیا ہے۔ امام شوکانی نے یہ قول اخفش اور ابو عبیدہ کی طرف منسوب کیا اور ان کا مستدل اعشیٰ کا یہ شعر بیان کیا۔[1]

کان مشیتھا من بیت جارتھا مشی السحابۃ لا ریث و لا عجل[2]

ترجمہ:۔ پڑوسی کے گھر سے گزرتے ہوئے اس کی چال بادل کے چلنے کی طرح ہوتی ہے نہ بہت سست اور نہ بہت تیز۔

تجزیہ

شعر میں ایسا کوئی لفظ نہیں جو "موراً" کے مذکورہ معنی کے استشہاد پر قرینہ کے طور پر موجود ہے۔ یہ کہا جاسکتا ہے کہ "لا ریث ولا عجل" کا وہی معنی ہے جو موراًکا معنی ہے۔ امام شوکانی کے شعری استدلال کا جو عمومی طریقہ ہے اس شعر کا ذکر اس طریقہ سے ہٹ کر کیا گیا ہے۔ شعر سے موراً کے لفظ کے لغوی معنی کی وضاحت نہیں ہوتی۔

لا نافیہ کے عدم تکرار کی توجیہ کا شعر جاہلی سے استشہاد

اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿فَلَا اقْتَحَمَ الْعَقَبَةَ﴾[3]

ترجمہ:۔ پھر وہ داخل ہی نہیں ہوا (عمل خیر کی دشوار) گھاٹی میں۔

یہاں اللہ تعالیٰ نے لا نافیہ کا ذکر ایک بار کیا۔ اہل عرب اس طرح کے موقع پر فعل ماضی کے ساتھ ایک لا ذکر نہیں کرتے بلکہ لا کا تکرار کرتے ہیں۔ جیسے اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے "فَلَا صَدَّقَ وَ لَا صَلّٰى[4]" یہاں اکیلا اس لئے آیا ہے کہ کلام کا آخر اس پر دلالت کر رہا ہے یعنی "ثُمَّ كَانَ مِنَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا[5]" تکرار کے قائم مقام ہے گویا کہ اللہ تعالیٰ نے یوں فرمایا" **فلا اقتحم العقبۃ و لا آمن**" جبکہ مبرد اور ابو علی الفارسی کے بقول لا 'لم کے معنی میں

1۔ الشوکانی، **فتح القدیر**، 114/5

2۔ الاعشیٰ، **دیوان الاعشی الکبیر**، ص204

3۔ البلد:11

4۔ القیامۃ:31

5۔ البلد:17

ہے۔ یعنی مراد یہ ہے کہ **لم یقتحم العقبۃ**۔ مجاہد سے بھی یہی قول مروی ہے اسی وجہ سے تکرار کی ضرورت پیش نہیں آئی۔[1]۔ مبرد، بوعلی الفارسی اور مجاہد کے قول کی دلیل زہیر بن ابی سلمی کے معلقہ کا یہ شعر ہے:

وکان طوی کشحا علی مستکنۃ　　فلا ھو ابداھا ولم یتقدم[2]

ترجمہ:۔ اس (حصین بن ضمضم) نے ایک ارادہ پوشیدہ کر رکھا تھا نہ تو اس نے ارادہ کسی پر ظاہر کیا اور نہ (قبل از وقت) پیش قدمی کی۔

تجزیہ

شعر میں زہیر بن ابی سلمی نے حصین بن ضمضم کے عبسی کو قتل کرنے کا ذکر کیا کہ حصین نے اپنے ارادہ قتل سے کسی کو آگاہ نہ کیا اور اپنے قبیلہ کی رائے کے خلاف عبسی کو قتل کر ڈالا۔ شعر کے دوسرے مصرع میں لا فعل ماضی پر داخل ہوا لیکن لا کا تکرار مذکور نہیں ہوا۔ تکرار کی صورت میں شعر یوں ہوتا: **"لا ھو ابدأھا و لا تقدم"**

لیکن شاعر نے تقدم فعل ماضی کی بجائے فعل مضارع ذکر کیا اور اس پر لم حرف نفی داخل کیا اب اس کی توضیح یوں ہے کہ لا، لم کے معنی میں ہے۔ اصل عبارت یوں ہے: **لم ھو یبدھا و لم یتقدم**۔ جس طرح یہاں شعر میں لا، لم کے معنی میں مستعمل ہوا اسی طرح آیت میں بھی **فلا اقتحم** میں لا، لم کے معنی میں ہے اصل عبارت یوں ہے: **فلم یقتحم العقبۃ**۔

1۔ الشوکانی، **فتح القدیر**، 5/528-527

2۔ زہیر بن ابی سلمیٰ، **دیوان زھیر بن ابی سلمی**، ص68

فصل دوم: علم قراءات سے متعلق جاہلی شاعری سے استشہاد

"حَمِئَة" کی قراءت اور معنی میں صحابہ کا اختلاف:

اللہ تعالیٰ نے حضرت ذوالقرنین علیہ السلام کے جانب مغرب سفر کو بیان کرتے ہوئے فرمایا:

﴿حَتّٰۤى اِذَا بَلَغَ مَغْرِبَ الشَّمْسِ وَجَدَهَا تَغْرُبُ فِیْ عَیْنٍ حَمِئَةٍ﴾[1]

ترجمہ: حتی کہ جب وہ غروب آفتاب کی جگہ پہنچے تو انہوں نے اسے سیاہ دلدل کے چشمے میں ڈوبتے ہوئے پایا۔

امام عبد الرزاق نے عثمان بن ابن حاصر کے طریق سے (روایت بیان کی کہ ابن عباس نے فرمایا کہ یہ آیت جب حضرت امیر معاویہؓ پڑھتے تو یوں پڑھتے ﴿فِیْ عَیْنٍ حَامِیَةٍ﴾ ابن عباسؓ نے فرمایا ہم اسے یوں پڑھتے ہیں ﴿فِیْ عَیْنٍ حَمِئَةٍ﴾۔ امیر معاویہؓ نے عبد اللہ بن عمروؓ سے پوچھا آپ اسے کس طرح پڑھتے ہیں۔ انہوں نے کہا کہ جیسے آپ پڑھتے ہیں۔ اس پر ابن عباس نے فرمایا کہ قرآن میرے گھر نازل ہوا ہے تولا محالہ میں اس کی قراءت بہتر جانتا ہوں پھر انہوں نے ایک بندہ حضرت کعبؓ کے پاس بھیجا کہ تورات میں کیا لکھا ہے کہ سورج کہاں غروب ہوتا ہے؟ کعب نے جواب دیا کہ اہل عرب سے سوال کرو! وہ اس کا معنی زیادہ بہتر جاتے ہیں البتہ تورات میں یہ لکھا ہے کہ پانی اور مٹی میں غروب ہوتا ہے۔ عثمان بن ابی حاصر نے ابن عباس سے کہا کہ اگر میں وہاں آپ کے ساتھ ہوتا تو تبع بادشاہ کے اشعار کے ذریعے آپ کی تائید کرتا۔ ابن عباس نے پوچھا وہ اشعار کون سے ہیں۔[2]

شعر جاہلی سے استشہاد:

عثمان بن ابی حاصر نے تبع بادشاہ[3] کے یہ اشعار ابن عباسؓ کو سنائے:

قد کان ذو القرنین عمر مسلما — ملکا تذل له الملوک و تحشد

فاتی المشارق و المغارب یبتغی — اسباب ملک من حکیم مرشد

فرای مغیب الشمس عند غروبها — فی عین ذی خلب و ثاط خرمد[4]

ترجمہ:۔ ذوالقرنین دراز عمر کا مالک مسلمان بادشاہ تھا سلاطین اس کے سامنے سر جھکائے رکھتے تھے اور اجتماعی شکل میں حاضر ہوتے۔ وہ مشرقوں اور مغربوں تک پہنچا اس حال میں کہ وہ حکمت والے، ہدایت دینے والے

1۔ الکہف: 86

2۔ الشوکانی، **فتح القدیر**، 3/391

3۔ تبع حمیری کا اصل نام حسان بن بتان ابو کرب تھا۔ یمن کا بادشاہ تھا خانہ کعبہ پر سب سے پہلے غلاف اسی نے چڑھایا تھا مدینہ کے لوگوں سے حسن سلوک کیا اور آپ علیہ السلام کی بعثت سے کئی سو سال قبل آپ ﷺ پر ایمان لے آیا تھا اور خط لکھا تھا جسے ابن کثیر نے "**البدایة والنهایة**" میں نقل فرمایا ہے۔ (ابن کثیر، **البدایہ والنھایہ**، 3/122 تا 126)

4۔ الزبیدی، **تاج العروس**، 19/175

(رب) سے بادشاہی کے اسباب کی دعا کرتا تھا۔ اس نے غروب آفتاب کے مقام کو (بھی) دیکھا جو ایک سیاہ بدبودار مٹی کے چشمے میں ڈوب رہا تھا۔

تجزیہ

عین حمئة کی جگہ غروب کے مقام کیلئے "ذی خلب و ثاط خرمد" کے الفاظ استعمال ہوتے۔ ابن عباسؓ نے ابن ابی حاصر سے پوچھا خلب کا کیا معنی ہے؟ اس نے کہا: مٹی۔ ابن عباسؓ نے پوچھا: ثاط کیا ہے؟ اس نے کہا: دلدل کو کہتے ہیں۔ انہوں نے پوچھا: خرمد کیا ہے؟ انہوں نے بتایا: کالی ([1])۔ گویا عین حمئة کے مقابلے میں اشعار میں "عین ذی خلب و ثاط خرمد" کے الفاظ ہیں۔ گویا کالی دلدلی مٹی والے چشمے میں سورج کا ڈوبنا ہے اور الفاظ قرآنیہ کا بھی یہی معنی ہے۔ اگر حضرت امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی قراءت کا معنی کیا جائے تو اس کا مفہوم ہے کہ گرم چشمے میں غروب ہوتا ہے اب چونکہ محض گرم چشمے میں ڈوبنے کا معنی نہیں کیا جا سکتا مٹی اور دلدل کے معنی کو بھی ملحوظ خاطر رکھنا ہوگا اب "عین حامئہ " کے مقابلے میں " عین حمئہ " کی قراءت زیادہ قرین قیاس معلوم ہوتی ہے۔

"وَّ حَنَانًا" کی دو قراءتوں کا اشعار جاہلیہ سے استشہاد

اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿یٰیَحۡیٰی خُذِ الۡکِتٰبَ بِقُوَّۃٍ۔ وَ اٰتَیۡنٰہُ الۡحُکۡمَ صَبِیًّا () وَّ حَنَانًا مِّنۡ لَّدُنَّا وَ زَکٰوۃً۔ وَ کَانَ تَقِیًّا﴾ ([2])"

ترجمہ: اے یحییٰ! پوری قوت سے کتاب کو لے لو اور ہم نے ان کو بچپن میں ہی نبوت عطا کر دی اور اپنے پاس سے ان کو نرم دلی اور پاکیزگی عطا کی اور وہ متقی شخص تھے۔

حنان کا معنی رحمت، شفقت، مہربانی اور محبت ہے امام شوکانی ابو عبیدہ کے حوالے سے بیان کرتے ہیں کہ "حنانک" اور "حنانیک" دونوں کا معنی ایک ہی ہے جب کہا جاتا ہے "حنانک یارب" اور "حنانیک یارب" تو دونوں کا معنی ایک ہی ہے کہ رب سے اس کی رحمت کا سوال کیا جاتا ہے ([3])۔

شعر جاہلی سے استشہاد:

امام شوکانی "حنانک" اور "حنانیک" کے مذکورہ معنی کا استشہاد دو جاہلی اشعار سے کرتے ہیں ایک شعر طرفہ بن عبد کا ہے جبکہ دوسرا امرؤالقیس کا۔ پہلے شعر میں طرفہ کہتا ہے:

1-ابن کثیر، اسماعیل بن عمر بن کثیر، **تفسیر القرآن العظیم**، (بیروت: دار الکتب العلمیہ، ط1419ھ)5/173

2۔ مریم:12، 13

3۔ الشوکانی، **فتح القدیر**، 3/409

ابامنذر افنیت فاستبق بعضنا   حنانیک بعض الشر اھون من بعض[1]

ترجمہ: اے ابو منذر! تو نے ہمارے بہت سے لوگ فنا کے گھاٹ اتار دیے تیری مہربانی ہو گی باقی لوگوں کو چھوڑ دے کہ کچھ نقصان سارے نقصان سے بہتر ہے۔ امرؤالقیس کہتا ہے:

ویمنحھا بنو سلخ بن بکر   معیزھم حنانک ذاالحنان[2]

ترجمہ: اسے تو بنو سلخ بن بکر عطا کرتے رہتے ہیں اے رحمت و شفقت کرنے والے! تو اپنی مہربانی سے ان (غرباء) کی معاونت کر۔

پھر امام شوکانی ابن اعرابی اور چند دیگر مفسرین کے حوالے سے حنان کا معنی بیان کرتے ہیں کہ حنان اگر مشدد ہو تو اس کا استعمال صفات باری تعالیٰ کے لئے ہوتا ہے اور مخفف ہو تو اس کا معنی عطف اور رحمت ہے اسی طرح حنان کا ایک معنی رزق اور برکت بھی ہے۔ حطیئہ نے حنان کا لفظ باب تفعل میں استعمال کیا ہے اور اس سے مراد رحمت اور مہربانی لی ہے۔

شعر جاہلی سے تائید:

تحنن علی ھداک الملیک   فان لکل مقام مقالًا[3]

ترجمہ: مجھ پر رحم کر اللہ تجھے ہدایت عطا کرے پس ہر جگہ موقع و محل کے مطابق کلام ہوتا ہے۔

تجزیہ

"حنان" کے لفظ سے متعلق کل تین اشعار جاہلیہ کا تذکرہ کیا گیا ہے طرفہ نے نعمان بن منذر سے رحم کی درخواست کی اور حنانیک کا لفظ استعمال کیا امرؤالقیس نے حنانک کا لفظ استعمال کیا دونوں الفاظ سے "ک" ضمیر حذف کی جائے تو حنانی اور حنان بنتا ہے دونوں صورتوں میں معنی ایک ہی ہے۔ تیسرے شعر میں حطیئہ نے حنان سے باب تفعل کا امر حاضر معروف کا صیغہ استعمال کیا ہے شاعر اپنے اوپر مہربانی کرنے کی استدعا کر رہا ہے مہربانی کے لیے تحنن کا لفظ اس بات کا متقاضی ہے کہ حنانک اور حنانیک اور اس سے وجود میں انے والے صیغے مہربانی کا معنی رکھتے ہیں۔

"تَنۢبُتُ بِالدُّهۡنِ" میں قراءات اور معنی کے اختلاف کا شعر جاہلی سے استشہاد

ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿وَشَجَرَةً تَخۡرُجُ مِنۡ طُوۡرِ سَيۡنَآءَ تَنۢبُتُ بِالدُّهۡنِ وَصِبۡغٍ لِّلۡاٰكِلِيۡنَ﴾ [4]

1۔ طرفۃ بن عبد، **دیوان طرفۃ بن العبد**، تحقیق: مھدی محمد ناصر الدین، (بیروت: دار الکتب العلمیہ)، ص 53

2۔ امرؤالقیس، **دیوان امرء القیس**، 1/ 161

3۔ حطیئہ، جرول بن اوس بن مالک، **دیوان الحطیئہ**، تحقیق: مفید محمد قمیحۃ، (بیروت: دار الکتب العلمیہ، ط 1993م)، 164

4۔ المؤمنون: 20

ترجمہ: اور وہ درخت (زیتون) پیدا کیا جو طور سیناء سے نکلتا ہے جو تیل نکالتا ہے اور کھانے والوں کا سالن ہے۔

اس آیت میں "تنبت بالدھن" کی قراءت کا اختلاف بیان کرتے ہوئے امام شوکانیؒ کہتے ہیں کہ جمہور نے اسے "تنبت بالدھن" یعنی تاء کے فتحہ اور باء کے ضمہ کے ساتھ پڑھا ہے جبکہ ابن کثیر اور ابو عمرو نے تاء کے ضمہ اور باء کے کسرہ کے ساتھ پڑھا ہے۔ پہلی قراءت کی صورت میں معنی یہ ہے کہ وہ درخت خود اگتا ہے اس حال میں کہ تیل اس کے ساتھ ہوتا ہے جبکہ دوسری قراءت میں باء، مع کے معنی میں ہے۔ باء، مصاحبت کا معنی دیتی ہے ابو علی الفارسی کے بقول معنی یہ ہے کہ جب وہ درخت اپنی شاخیں نکالتا ہے تو ان میں تیل موجود ہوتا ہے یہاں ایک قول یہ بھی ہے کہ باء زائدہ ہے[1]۔

شعر جاہلی سے استشہاد

باء کے زائدہ ہونے کا استشہاد امام شوکانیؒ نے شعر کے ایک مصرع سے کیا ہے:

نضرب بالسیف و نرجو بالفرج[2]

تجزیہ

یہ شعر نابغہ الجعدی[3] نے اپنے قبیلے کی مدح میں لکھا "نرجو بالفرج" کے الفاظ محل استشہاد ہیں۔ "نرجو بالفرج" میں باء زائدہ ہے کیونکہ رجاء حرف جر کا تقاضا نہیں کرتا جس طرح اس مصرع میں باء زائدہ ہے اسی طرح "تنبت بالدھن" میں باء زائدہ ہے۔ امام شوکانیؒ کہتے ہیں کہ بقول فراء اور زجاج کے نبت اور انبت دونوں کا ایک ہی معنی ہے البتہ اصمعی یہاں انبت کے لفظ کا انکار کرتا ہے لیکن اصمعی کے قول کی تردید زہیر بن ابی سلمٰی کے اس قول سے ہوتی ہے۔

شعر جاہلی

رایت ذوی حاجات حول بیوتھم　　قطینا لھم حتی اذا انبت البقل[4]

ترجمہ:۔ میں نے ضرورت مندوں کو ان سے مانگتے ہوئے ان کے گھروں کے ارد گرد دیکھا یہاں تک کہ سبزی اگ گئی۔

تجزیہ

1۔ الشوکانی، **فتح القدیر**، 3/595-594

2۔ نابغہ الجعدی، **دیوان نابغہ الجعدی**، ص216۔ پہلا مصرع یہ ہے: **نحن بنو جعدہ اصحاب الفلج**

3- نابغ الجعدی قیس بن عبد اللہ بن عبد اللہ بن عدی الجعدی کا تعلق بنو جعدۃ سے تھا۔ مخضرمی شاعر تھے اسلام قبول کیا اور نبی علیہ السلام کی مدح میں قصیدہ لکھا۔ 120 سال کی طویل عمر پائی پہلی صدی ہجری کے اخر میں وفات پائی۔ (ابن قتیبہ '**الشعر والشعراء**'1/238)

4۔ زہیر بن ابی سلمٰی، **دیوان زهیر بن ابی سلمی**، ص86

اس شعر میں سبزی کے اگنے کیلئے انبت کا لفظ استعمال ہوا۔ گویا تنبت میں انبت کی قراءت جائز ہے اور انبت اور نبت کا ایک ہی معنی ہے لہٰذا اصمعی کا قول باطل ہے۔

زہری، حسن اور اعرج نے تنبت یعنی تاء کے ضمہ اور باء کے فتحہ کے ساتھ پڑھا ہے (صیغہ مجہول کے ساتھ) زجاج اور ابن جنی کے بقول معنی یہ ہے کہ درخت اس حال میں اگتا ہے کہ اس کے ساتھ تیل ہوتا ہے۔ ابن مسعود کی قراءت میں "تخرج بالدھن" کے الفاظ ہیں۔ زر بن جیش نے "تنبت الدھن" پڑھا ہے اور حرف جر کو حذف کیا ہے جبکہ سلمان بن عبد الملک اور اشہب نے بالدھان (الف کے ساتھ) پڑھا ہے ([1])۔

"سُوًی" کے اعراب و معنی کا شعر جاہلی سے استشہاد

جب فرعون نے موسیٰ علیہ السلام کو جادوگروں کے ہمراہ مقابلے کا چیلنج کیا تو مقابلے کیلئے کھلی جگہ کا انتخاب کرنے کا کہا اس کی بات اللہ تعالیٰ نے ان الفاظ میں بیان کی:

﴿فَلَنَأْتِيَنَّكَ بِسِحْرٍ مِّثْلِهِ فَاجْعَلْ بَيْنَنَا وَبَيْنَكَ مَوْعِدًا لَّا نُخْلِفُهُ نَحْنُ وَلَآ أَنتَ مَكَانًا سُوًى﴾ ([2])

ترجمہ: پس ہم بھی تمہارے مقابلہ میں ایسا جادو لے کر آئیں گے لہٰذا تم اپنے اور ہمارے درمیان ایک مدت مقرر کر لو نہ ہم اس کی خلاف ورزی کریں گے اور نہ تم کرنا، یہ مقابلہ کھلے میدان میں ہو گا۔

سوی کا لفظ سین کے ضمہ اور کسرہ دونوں کے ساتھ پڑھا گیا ہے ابو عبید اور ابو حاتم نے سین کے کسرہ کو ترجیح دی ہے اس کا ایک معنی ہے کہ مقابلہ ایسے مکان میں ہو گا جو برابر ہو گا ایک معنی یہ ہے کہ ایسے میدان میں مقابلہ ہو گا جو ہمارے اور تمہارے درمیان برابر برابر تقسیم ہو گا سوی کا ایک معنی بقول سیبویہ عدل بھی ہے۔ ([3])

شعر جاہلی سے استشہاد:

زہیر بن ابی سلمٰی نے سوی کا لفظ عدل کے معنی میں یوں استعمال کیا:

ارونا خطة لا ضيم فيها يسوی بيننا فيها السواء ([4])

ترجمہ: ہمیں کوئی ایسا منصوبہ بتادیں جس میں کوئی ناانصافی نہ ہو اور جس میں ہمارے درمیان (عدل قائم) ہو جائے۔

تجزیہ

1۔ الشوکانی، **فتح القدیر**، 3/595

2۔ طٰہٰ:58

3۔ الشوکانی، **فتح القدیر**، 3/465

4۔ زہیر بن ابی سلمٰی، **دیوان زہیر بن ابی سلمی**، ص15۔ "دیوان میں "خطۃ" کی بجائے "سنۃ" اور "ضیم" کی جگہ "عیب" کے الفاظ ہیں"

یہ شعر زہیر بن ابی سلمی کے معلقہ کا ہے۔ اس نے یہ شعر بنو عبس اور بنو ذبیان کے درمیان ہونے والی خونریز جنگ کی خاتمے پر لکھا۔ یہ جنگ برسوں تک دونوں کے درمیان جاری رہی وہ عدل و انصاف کے لیے یسوی کا لفظ استعمال کرتا ہے۔ یسوی باب تفعیل سے ذکر کرکے اس کا مصدر ثلاثی مجرد سے ذکر کرتا ہے اسی سے لفظ سوی بنا ہے جس کا ایک معنی عدل ہے لیکن آیت میں یہ لفظ اس معنی میں استعمال نہیں ہوا جیسا کہ ترجمہ سے ظاہر ہوتا ہے۔

"تلقونہ" میں قرأت اور معنی میں اختلاف کا شعر جاہلی سے استشہاد

واقعہ افک ([1]) کے دوران جب رئیس المنافقین عبد اللہ بن ابی نے حضرت عائشہؓ پر تہمت لگائی تو بہت سے اہل ایمان بھی ان باتوں کو غور سے سنتے اور آگے پھیلاتے رہے۔ اللہ تعالیٰ نے اہل ایمان کے اس عمل پر گرفت کرتے ہوئے فرمایا:

﴿اِذۡ تَلَقَّوۡنَهٗ بِاَلۡسِنَتِكُمۡ وَتَقُوۡلُوۡنَ بِاَفۡوَاهِكُمۡ مَّا لَيۡسَ لَكُمۡ بِهٖ عِلۡمٌ وَّتَحۡسَبُوۡنَهٗ هَيِّنًا ‌ۖ وَّهُوَ عِنۡدَ اللّٰهِ عَظِيۡمٌ﴾ ([2])

ترجمہ: جب تم یہ (تہمت) اپنی زبانوں سے نقل کرتے رہے اور اپنے مونہوں سے وہ بات کہتے رہے جس کا تمہیں علم نہ تھا اور تم اس کو معمولی بات سمجھتے رہے حالانکہ اللہ کے نزدیک وہ بہت سنگین بات تھی۔

"تلقونہ" کے لفظ پر بحث کرتے ہوئے امام شوکانیؒ فرماتے ہیں کہ یہ لفظ تلقی سے ہے (باب تفعل ہے) اصل میں "تتلقونہ" تھا ایک تاء حذف کر دی گئی۔ مقاتل اور مجاہد نے کہا کہ معنی یہ ہے کہ تم ایک دوسرے سے اس (تہمت) کے متعلق باتیں کرتے رہے۔ امام کلبی نے کہا کہ ان میں سے کوئی شخص دوسرے سے ملتا تو کہتا کہ مجھے یہ یہ بات معلوم ہوئی ہے پھر وہ اس بات کو آگے بیان کرنا شروع کر دیتا۔ زجاج نے کہا کہ اس کا معنی یہ ہے کہ کچھ لوگ، ایک دوسرے سے باتیں کرتے تھے۔ محمد بن سمیفع نے اسے "تلقونہ" پڑھا ہے تاء کے ضمہ لام کے سکون اور قاف کے ضمہ کے ساتھ۔ باب افعال کے ساتھ، اس قرأت کی صورت میں معنی واضح ہے ([3]) ابی اور ابن مسعود کی قرأت میں یہ لفظ "تتلقونہ" ہے باب تفعل سے۔ یہی جمہور کی قرأت ہے۔ ابن عباس، حضرت عائشہؓ، عیسیٰ بن عمر، یحییٰ بن یعمر اور زید بن علی نے تاء کے فتحہ، لام کے کسرہ اور قاف کے ضمہ کے ساتھ پڑھا ہے یعنی "تلقونہ" یہ لفظ "ولق' یلق' ولقا" سے ماخوذ ہے جب کوئی شخص جھوٹ بولے تو یہ لفظ بولا جاتا ہے۔ ابن سیدہ نے کہا کہ اس کا معنی یہ ہے کہ وہ متعدی کو غیر متعدی پر گواہ لے کر آئے۔ ابن عطیہ کے بقول "اذ تلقونہ" اصل میں "اذ تلقون فیہ" ہے۔ حرف جر

1۔ غزوہ بنی مصطلق سے واپسی پر منافقین نے حضرت عائشہؓ پر تہمت لگائی جس کی براءت اللہ تعالیٰ نے سورۃ النور میں نازل فرمائی (الازھری، محمد کرم شاہ، ضیاء النبی ﷺ، 3/645)

2۔ النور: 15

3۔ یعنی بات کا القاء ایک دوسرے کی طرف کیا جاتا ہے۔

حذف کر کے ضمیر، فعل سے متصل کر دی گئی۔ خلیل اور ابو عمرو نے کہا کہ ولق کا اصل معنی ہے جلدی کرنا کہا جاتا ہے "جاءت الابل تلق" جب اونٹ تیزی سے بھاگ کر آئے تو یہ جملہ بولا جاتا ہے۔([1])

شعر جاہلی سے استشہاد

"ولق" بمعنی اسراع کا استشہاد امام شوکانیؒ نے دو اشعار سے کیا:

لمارا وا جیشاً علیهم قد طرق جاووا باسراب من الشام ولق([2])

ترجمہ:۔جب انہوں نے دیکھا کہ لشکر ان پر حملہ آور ہو گیا ہے تو وہ شام سے قافلوں کی صورت میں جلدی جلدی دوڑے چلے آئے۔(دوسرا شعر یہ ہے)

جاءت به عنس([3]) **من الشام تلق۔**([4])

اس کے ساتھ شام سے ادھیڑ عمر کی کنواری لڑکی بھاگ کر آئی۔

تجزیہ

دونوں اشعار میں ولق اور تلق کے الفاظ کا معنی تیزی سے دوڑ کر آنا ہے۔یہی معنی خلیل اور ابو عمرو نے بیان کیا جس کا استشہاد امام شوکانی نے ما قبل مذکور اشعار سے کیا۔

"لِزَامًا" کی قراءت کا شعر جاہلی سے استشہاد

سورۃ فرقان کی آخری آیت میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿قُلْ مَا يَعْبَؤُا بِكُمْ رَبِّي لَوْ لَا دُعَاؤُكُمْ فَقَدْ كَذَّبْتُمْ فَسَوْفَ يَكُوْنُ لِزَامًا﴾([5])

ترجمہ: کیا پرواہ ہے تمہاری میرے رب کو اگر تم اس کی عبادت نہ کرو اور تم نے (تو الٹا) جھٹلانا شروع کر دیا تو یہ جھٹلانا تمہارے گلے کا ہار بنا رہے گا۔

"فَسَوْفَ يَكُوْنُ لِزَامًا" کی تفسیر بیان کرتے ہوئے امام شوکانیؒ فرماتے ہیں کہ یہ جھٹلانے کی سزا تمہارے ساتھ ہمیشہ معلق رہے گی جمہور مفسرین کے بقول اس سے مراد غزوہ بدر میں جو مشرکین کو شکست کی صورت میں سزا

1۔الشوکانی، **فتح القدیر**، 4/17-18

2۔یہ شعر شماخ الذبیانی کا ہے۔امام شوکانی صرف ایک مصرع لائے ہیں، دوسرا مصرع یہ ہے: "ان الحصین زلق زملق" (شماخ الذبیانی، **دیوان شماخ بن ضرار الذبیانی**، ص112)

3۔عنس سے مراد ہے کنواری لڑکی کا بلوغت کے بعد عرصہ دراز تک بغیر شادی کے گھر بیٹھے رہنا۔"عنس اهلها تعنيسا اذا حبسوها عن الازواج حتى جازت فتاء السن" (الرازی، احمد بن فارس زکریا الرازی، **معجم مقاییس اللغۃ**، 4/156)،

4-یہ شعر قلاح بن خزن المفتری کا ہے۔(ابن منظور، **لسان العرب**، 10/145)

5۔الفرقان:77

ملی وہ مراد ہے۔ مفسرین کی ایک جماعت کے بقول اس سے مراد آخرت کا عذاب ہے۔ زجاج نے کہا کہ تمہاری تکذیب ہمیشہ تمہارے ساتھ رہے گی اور تمہیں توبہ کی توفیق نہیں ملے گی۔ جمہور قراء نے "لزاماً" کو کسرہ کے ساتھ پڑھاہے۔ ([1])

شعر جاہلی سے تائید:

صخر نے کہا:

فامابنجوامن خسف ارض فقدلقیاحتوفھمالزاماً ([2])

ترجمہ:۔اگر تو وہ دونوں زمین میں دھنسنے سے نجات پاگئے تو پھر بھی انہوں نے اپنی اموات کو فیصلہ کن حالت میں دیکھاہے۔

صخر نے یہ شعر لام کے کسرہ کے ساتھ "**لزاماً**" کرکے پڑھاہے۔

ابن جریر نے "**لزاماً**" کا معنی دائمی عذاب کیاہے ایسی ہلاکت جو فنا کردے جو لوگوں کو ایک دوسرے سے ملتی ہے۔

شعر جاہلی سے تائید:

اس معنی کی تائید ابوذویب کے اس قول سے ہوتی ہے:

ففاجاآہ بعادیۃ لزام کمایتفجر الحوض اللفیف ([3])

ترجمہ:۔اس کا سامنا اچانک ایک ایسی جنگجو جماعت سے ہوا جو یکے بعد دیگرے۔لگاتار (حملہ کرتی) آرہی تھی جس طرح وہ حوض بہہ پڑتاہے جس کے پتھر ٹوٹ جائیں۔

تجزیہ

اس شعر میں شاعر جنگ کے حملے کی شدت کو بیان کررہاہے۔شاعر اپنے جنگجوؤں کے حملے کی تعریف کرتے ہوئے کہتاہے کہ دشمن پر ان کا حملہ بہت سخت تھا اور جیسے حوض کے پتھر گرنے سے پانی بہتاہے اس طرح وہ دشمن پر ٹوٹ پڑے۔"**لزام**" سے مراد یکے بعد دیگرے لوگوں کا آناہے یعنی اچانک ایسی جماعت حملہ آور ہوگئی کہ اس کے جنگجو باربار حملہ آور ہورہے تھے بالکل ایسے جیسے حوض کے پتھر گرجانے سے پانی بہہ نکلتاہے۔لگاتار حملہ آور ہونے کیلئے "**لزاماً**" کا لفظ استعمال کیاگیایہی محل استشہاد ہے۔

1۔الشوکانی،**فتح القدیر**،111/4

2۔یہ شعر صخر الغی نے دوگدھوں کی مدح میں لکھا۔(الزبیدی،**تاج العروس**،418/33)

3۔ابوذویب الھذلی،**دیوان الھذلیین**، تحقیق: محمد محمود الشنقیطی،(القاھرہ: دارالقومیہ،ط1385ھ)،102/1

"الْجِبِلَّةَ" میں لغات اور معنی کا شعر جاہلی سے استشہاد

حضرت شعیب علیہ السلام نے اپنی قوم کو تبلیغ کی۔ ناپ تول میں کمی سے روکا اور اللہ سے ڈرنے کا حکم دیتے ہوئے فرمایا:

﴿وَاتَّقُوا الَّذِىْ خَلَقَكُمْ وَالْجِبِلَّةَ الْاَوَّلِيْنَ﴾ (1)

ترجمہ: اور ڈرو اس سے جس نے پیدا فرمایا تمہیں اور (تم سے) پہلی مخلوق کو۔

امام شوکانیؒ "جبلة" کے لفظ کی لغات بیان کرتے ہیں کہ جمہور نے جیم اور باء کے کسرہ اور لام کے شد کے ساتھ پڑھا ہے جبکہ ابو حصین، اعمش، حسن، اعرج اور شیبہ نے دونوں کے ضمہ اور لام کی تشدید کے ساتھ پڑھا ہے۔ سلمیؒ نے جیم کے فتحہ اور باء کے سکون کے ساتھ پڑھا ہے۔

لغات کے بیان کے بعد "جبلة" کا معنی بیان کرتے ہیں مخلوق، مجاہد نے یہی معنی بیان کیا۔ مراد ماضی کی امتیں کہا جاتا ہے۔ "جبل فلان علی کدا" یعنی فلاں ایسی فطرت پر پیدا کیا گیا۔ امام ھروی کے بقول لوگوں کی کثیر تعداد کو "جبلة" کہا جاتا ہے (2)۔

شعر جاہلی سے استشہاد:

"جبلة" کے مذکورہ معنی کی دلیل میں امام شوکانی نے یہ شعر بیان کیا:

والموت اعظم حادث　　　فیمایمر علی الجبلة (3)

ترجمہ:۔ موت سب سے بڑا حادثہ ہوتا ہے جو مخلوق پر واقع ہوتا ہے۔

تجزیہ

امرؤ القیس نے یہ شعر اپنے چچازاد بھائی اور قریبی ساتھی عروہ بن حزام الغطفانی کی موت پر لکھا تھا اس شعر میں الجبلة کا لفظ محل استشہاد ہے اس کا معنی مخلوق ہے کیونکہ موت تمام مخلوقات پر واقع ہوتی ہے۔

"قبح" کے ثلاثی مجرد اور باب تفعیل کے معنی کا شعر جاہلی سے استشہاد

فرعون اور آل فرعون کو غرق کرنے کے بعد اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿وَاَتْبَعْنٰهُمْ فِىْ هٰذِهِ الدُّنْيَا لَعْنَةً وَيَوْمَ الْقِيٰمَةِ هُمْ مِّنَ الْمَقْبُوْحِيْنَ﴾ (4)

1۔ الشعراء:184

2۔ الشوکانی، **فتح القدیر**، 4/139

3۔ راغب اصفہانی نے اس شعر کا انتساب عبداللہ بن معاویہ کی طرف کیا ہے۔ (راغب اصفہانی، **محاضرات الادبا**، 4/43)

4۔ القصص:42

ترجمہ: اور ہم نے ان کے پیچھے اس دنیا میں بھی لعنت لگا دی ہے اور قیامت کے دن بھی ان کا شمار دھتکارے ہوئے لوگوں میں ہو گا۔ امام شوکانیؒ فرماتے ہیں "مقبوح" کا معنی ہے دھتکارا ہوا۔ دور کیا گیا۔ ابو عبیدہ اور ابن کیسان نے اس لفظ کا معنی کیا ہلاک کئے گئے۔ جن سے ناراضگی ہوئی۔ ابو زید نے کہا، "قبح اللہ فلانا قبحا" کا معنی ہے اللہ نے فلاں شخص کو ہر چیز سے دور کر دیا اور ابو عمرو کہتے ہیں "قبحت وجهه" تخفیف اور تشدید دونوں حالتوں میں ایک ہی معنی دیتا ہے۔([1])

شعر جاہلی سے استشہاد:

امرؤ القیس نے کہا:

الا قبح اللہ البراجم کلھا وقبح یربوعا وقبح دارما([2])

ترجمہ:۔ اللہ براجم([3]) کے تمام لوگوں کو بھلائی سے دور کرے اور یربوع اور دارم کو بھی بھلائی سے دور کرے۔

تجزیہ

شاعر اپنے دشمن قبائل کے لیے بد دعا کر رہا ہے اور تین بار قبح کا لفظ استعمال کرتا ہے امام شوکانی یہ شعر اس طرح لائے ہیں کہ پہلے مصرع میں قبح کا لفظ تخفیف کے ساتھ پڑھا گیا ہے جبکہ دوسرے مصرع میں تشدید کے ساتھ لیکن دونوں صورتوں میں معنی ایک ہی ہے۔

"وَصَّلْنَا" کے معنیٰ کا شعر جاہلی سے استشہاد

اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿وَلَقَدْ وَصَّلْنَا لَهُمُ الْقَوْلَ لَعَلَّهُمْ يَتَذَكَّرُونَ﴾([4])

ترجمہ: اور ہم مسلسل بھیجتے رہے ان کی طرف اپنا کلام تاکہ وہ نصیحت قبول کریں۔

امام شوکانیؒ "وصلنا" کے لفظ کی قرأت اور معنی بیان کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ جمہور نے اسے تشدید کے ساتھ پڑھا ہے یعنی "وصل یوصل توصیلا" باب تفعیل سے ہے جبکہ حسن نے تخفیف سے پڑھا ہے۔ گویا آیت کا معنی یہ ہے کہ ہم نے یکے بعد دیگرے اس میں رسول بھیجے۔ ابو عبیدہ اور اخفش کے بقول ہم نے ان پر کلام بھیجنا مکمل

1۔ الشوکانی، **فتح القدیر**، 4/209

2۔ امرؤ القیس، **دیوان امرء القیس**، 1/153

3۔ براجم، یربوع اور دارم تینوں قبیلہ بنی تمیم کی ایک شاخ سے ہیں۔ براجم کے تحت یربوع اور دارم کی شاخیں ہیں۔ یربوع کا نسب یوں ہے "بنو یربوع بن حنظلہ بن مالک بن زید مناۃ بن تمیم" جب کہ دارم کا نسب یہ ہے۔ "بنو دارم بن مالک بن حنظلہ بن مالک بن زید مناۃ بن تمیم" (ابن حزم، ابو محمد علی بن احمد بن حزم الاندلسی، **جمھرۃ انساب العرب**، بیروت: دار الکتب العلمیہ، طبع اولیٰ 1982ء، 1/467

4۔ القصص: 51

کر دیا۔ ابن عینیہ اور سدی نے معنی کیا ہے "بینا" یعنی ہم نے کلام کا معنی بیان کر دیا ہے ان کیلئے۔ ابن زید کے بقول معنی یہ ہے کہ ہم نے دنیا کی خبر کو ان کیلئے آخرت کی خیر کے ساتھ جوڑ دیا ہے۔ یہاں تک کہ انہوں نے آخرت کی خیر کو دنیا میں ہی دیکھ لیا ہے۔ تمام معانی بیان کرنے کے بعد امام شوکانیؒ نے پہلے معنی کو ترجیح دی ہے۔ یہ لفظ "وصل الحبال بعضها ببعض" سے ماخوذ ہے یعنی رسی کی بٹائی کرنا۔ (1)

شعر جاہلی سے تائید:

اس معنی کی تائید میں امام شوکانیؒ نے امرؤ القیس کے شعر کا ایک مصرع لکھا۔ امرؤ القیس نے کہا:

یقلب کفیه بخیط موصل (2)

ترجمہ:۔ اس (بچے) کی ہتھیلیوں نے دھاگے کو پے در پے حرکت دے کر (لٹو کو) گھمایا ہے۔

تجزیہ

امرؤ القیس گھوڑے کی تیز رفتاری کو لٹو کے گھومنے سے تشبیہ دیتا ہے جیسے لٹو سرعت اور تیزی سے حرکت کرتا ہے اسی طرح گھوڑا بھی سرعت سے بھاگتا ہے لٹو کو گھمانے کیلئے ہتھیلیوں سے دھاگے کو گھما کر چھوڑا جاتا ہے چونکہ اس دھاگے کو بار بار ہتھیلیوں میں گھمایا جاتا ہے اس لئے شاعر نے "**بخیط موصل**" کے الفاظ بیان کئے۔ گویا کسی عمل کے لگاتار کرنے کیلئے "توصیل" کا لفظ جاہلیت میں رائج تھا۔

وَلَا تُصَعِّرْ خَدَّكَ کا معنی و قراءت کا شعر جاہلی سے استشہاد

حضرت لقمان علیہ السلام نے اپنے بیٹے کو جو نصیحتیں کیں ان میں سے ایک وہ ہے جسے اللہ تعالیٰ نے یوں بیان فرمایا: ﴿وَلَا تُصَعِّرْ خَدَّكَ لِلنَّاسِ﴾ (3)

ترجمہ: اور اپنے رخسار کو لوگوں کی طرف سے نہ پھیر۔

صعر کا معنی ابن منظور نے یوں بیان کی:

الصعر داء یاخذ البعیر فیلوی منه عنقه' ویمیله (4)

صعر اونٹ کو لگنے والی ایک بیماری ہے جس کی وجہ سے اس کی گردن میں ٹیڑھ پن آ جاتا ہے۔

1۔ الشوکانی، **فتح القدیر**، 4/214

2۔ امرؤ القیس، **دیوان امرء القیس**، 1/57

3۔ لقمان: 18

4۔ الافریقی، محمد ابن منظور، **لسان العرب**، 4/456

امام شوکانی فرماتے ہیں کہ جمہور نے تُصَعّر پڑھا ہے جبکہ ابن کثیر، ابن عامر اور عاصم نے "تصاعر" پڑھا ہے لیکن معنی ایک ہی ہے۔ صعر کا معنی ہے مائل ہونا۔ صعر خدہ اور صاعر خدہ کے الفاظ تب استعمال کئے جاتے ہیں جب کوئی شخص تکبر کرتے ہوئے اپنا منہ کسی سے موڑ لے۔ آیت کا معنی یہ بنتا ہے کہ تکبر کرتے ہوئے اپنا چہرہ لوگوں سے نہ پھیر۔[1]

شعر جاہلی سے استشہاد

اس معنی کی تائید میں امام شوکانی نے بغیر انتساب کے یہ شعر ذکر کیا۔ شعر مشہور جاہلی شاعر متلمس کا ہے۔

وکنا اذا الجبار صعر خدہ اقمنا لہ من میلہ فتقوما[2]

ترجمہ جب ظالم و جابر شخص (تکبر کی وجہ سے) اپنا رخسار پھیرتا ہے تو ہم اس کے مڑے ہوئے چہرے کو سیدھا کر دیتے ہیں اور پھر وہ بالکل سیدھا ہو جاتا ہے۔

تجزیہ

شعر میں متلمس (3) ظالم و جابر شخص کے رخسار پھیرنے کا ذکر کرنے کیلئے "صعر خدہ" کے الفاظ استعمال کرتا ہے اور بعد میں اس کی درستگی کیلئے "میل" کا لفظ استعمال کرتا ہے۔ فتقوما کے چہرے کی درستگی کیلئے استعمال "صعر خدہ" کے چہرہ پھیرنے کے معنی کو متحقق کرتا ہے۔ ضیاء القرآن میں ترجمہ اسی بات کو ملحوظ خاطر رکھ کر کیا گیا "(اور تکبر کرتے ہوئے) نہ پھیر لے اپنے رخسار کو لوگوں کی طرف سے"[4]

ضَلَلْنَا میں ضاد کی جگہ صاد کی لغت

کفار بعث بعد الموت کا انکار کرتے تھے۔ ان کا قول اللہ تعالیٰ نے بیان فرمایا:

﴿وَقَالُوٓا ءَاِذَا ضَلَلْنَا فِی الْاَرْضِ ءَاِنَّا لَفِیْ خَلْقٍ جَدِیْدٍ۔ بَلْ ھُمْ بِلِقَآءِ رَبِّھِمْ کٰفِرُوْنَ﴾[5]

ترجمہ: اور کہنے لگے کیا جب (مرنے کے بعد) ہم گم ہو جائیں گے زمین میں تو ہم از سر نو پیدا کئے جائیں گے۔ درحقیقت یہ لوگ اپنے رب کی ملاقات سے انکار کر رہے ہیں۔

1۔ الشوکانی، **فتح القدیر**، 287/4

2۔ متلمس، جریر بن عبد المسیح، **دیوان شعر المتلمس الضبحی**، تحقیق: حسن کامل الصیرفی، (الشرکۃ المصریہ للطباعۃ والنشر، ط1970م)، ص25

2- جریر بن عبد المسیح زمانہ جاہلیت کا شاعر تھا۔ بحرین کا رہنے والا تھا۔ مشہور جاہلی شاعر طرفہ بن العبد اس کا بھانجا تھا۔ اس نے عمرو بن ہند' جو کہ عراق کا گورنر تھا' کی ہجو میں اشعار کہے۔ جس پر وہ سخت ناراض ہوا۔ وہ اسے قتل کرنے کی درپے ہوا لیکن متلمس کی موت 570 عیسوی میں بصرہ میں طبعی طور پر ہوئی۔ (زرکلی، **الاعلام**، 119/2) 3

4۔ الازھری، محمد کرم شاہ، **ضیاء القرآن**، 610/3

5۔ السجدۃ: 10

ضلل کا معنی غائب ہو جانا ہے۔ جب میت قبر میں گل جائے تو ضل المیت فی التراب کے الفاظ بولے جاتے ہیں۔[1]

آیت میں حضرت علی بن ابی طالب، حسن، اعمش اور ابان بن سعید نے "ضَلَلْنا" کی جگہ صاد کے ساتھ "صَلَلْنَا" پڑھا ہے۔ صاحب لسان العرب نے صل اور اصل کا معنی بیان کرتے ہوئے کہا کہ جب گوشت بدبودار ہو جائے تو صل اللحم کا لفظ استعمال کیا جاتا ہے۔[2]

شعر جاہلی سے استشہاد

حطیئہ ([3]) نے کہا:

ذاک فتیً یبذل ذا قدرہ　　لا یفسد اللحم لدیہ الصلول[4]

ترجمہ وہ ایسا نوجوان ہے جو اپنی ہنڈیا کی چیز بھی خیرات کر دیتا ہے اس کے گھر گوشت کبھی خراب نہیں ہوتا۔ گوشت کچا ہو یا پکا ہوا۔

وجہ استشہاد

شعر میں الصلول کا لفظ استعمال ہوا۔ گوشت کچا ہو یا پکا ہوا۔ اگر خراب ہو جائے تو اس کیلئے صل اللحم کا لفظ استعمال ہوتا ہے۔ شاعر اپنے ممدوح کی سخاوت کی تعریف کرتا ہے کہ وہ گوشت خیرات کر دیتا ہے کبھی اس کے ہاں گوشت خراب نہیں ہوتا۔ جن حضرات نے آیت میں "ضَلَلْنا" کی جگہ "صَلَلْنا" کا لفظ پڑھا ان کے ہاں معنی یہ ہے کہ کفار نے کہا کہ جب زمین میں دفن ہونے کے بعد ہمارے جسم کا گوشت بدبودار ہو جائے گا تو کیا ہمیں پھر زندہ کیا جائے گا؟ اردو مترجمین نے "ضَلَلْنا" کے لفظ کا ہی اعتبار کر کے معنی بیان کیا ہے۔[5]

منسأتہ میں قراءات

جناب، غیب دانی کے دعویدار تھے۔ اللہ تعالیٰ نے ان کے اس دعوے کا ابطال اس طرح کیا کہ سلیمان علیہ السلام کو موت نے آلیا درآنحالیکہ وہ اپنی لاٹھی سے ٹیک لگائے ہوئے تھے۔ جنات نے یہ سمجھا کہ وہ زندہ ہیں اور کام

1۔ الشوکانی، **فتح القدیر**، 300/4

2۔ الافریقی، محمد ابن منظور، **لسان العرب**، (دار صادر بیروت، 1414ھ) 384/11

3- اصل نام جرول بن اوس بن مالک العبسی اور کنیت ابوملیکہ تھی۔ قد چھوٹا ہونے کی وجہ سے حطیئہ کہلائے جس کا معنی ہے چھوٹا گھڑا۔ قبیلہ بنو عبس سے تعلق تھا طنزیہ اور ہجائیہ شاعری ان کی وجہ شہرت ہے مخضرمی شعراء میں ان کا شمار ہوتا ہے۔ 30 ہجری میں وفات پائی۔ (الاصفہانی '**الاغانی**' 15/ 125)

4۔ حطیئہ، **دیوان الحطیئہ**، ص 171

5۔ تھانوی، اشرف علی، **بیان القرآن**، (لاہور: مکتبہ رحمانیہ، س ط ندارد)، 157/3

میں لگے رہے۔ ایک سال تک سلیمان علیہ السلام ٹیک لگائے کھڑے رہے اور ان کے رعب کی وجہ سے جنات کام میں مگن رہے۔ دیمک نے لاٹھی کو چاٹنا شروع کیا جب وہ کھوکھلی ہوئی تو سلیمان گرے تو سب کو معلوم ہوا کہ آپ وصال فرما چکے ہیں۔ اسی بات سے جنات کے غیب دانی کے دعویٰ کا ابطال ہوا۔[1] اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿فَلَمَّا قَضَيْنَا عَلَيْهِ الْمَوْتَ مَا دَلَّهُمْ عَلَىٰ مَوْتِهِ إِلَّا دَابَّةُ الْأَرْضِ تَأْكُلُ مِنسَأَتَهُ ۖ فَلَمَّا خَرَّ تَبَيَّنَتِ الْجِنُّ أَن لَّوْ كَانُوا يَعْلَمُونَ الْغَيْبَ مَا لَبِثُوا فِي الْعَذَابِ الْمُهِينِ﴾ [2]

ترجمہ: پس جب ہم نے سلیمان پر موت کا فیصلہ نافذ کر دیا نہ پتا بتا جنات کو آپ کی موت کا۔ مگر زمین کے دیمک نے جو کھاتا رہا آپ کے عصا کو۔ پس جب آپ زمین پر آرہے تو جنوں پر یہ بات کھل گئی کہ اگر وہ غیب کو جانتے ہوتے تو (اتنا عرصہ) نہ رہتے اس رسوا کن عذاب میں۔

منسأۃ اہل حبشہ کی لغت میں عصا کو کہتے ہیں۔ یہ لفظ نسأت الغنم سے نکلا ہے۔ یعنی میں نے ریوڑ کو ہانکا۔ زجاج کے بقول جس چیز سے ہانکا جائے اسے "منسأۃ" کہا جاتا ہے (یعنی اسم آلہ ہے)۔ مِنْسَأَة۔ کا لفظ جمہور کی قرأت میں ہمزہ کے فتحہ کے ساتھ پڑھا گیا ہے۔ جبکہ ابن ذکوان نے ہمزہ کے سکون سے پڑھا ہے۔ نافع اور ابو عمرو نے الف کے ساتھ پڑھا ہے۔ سرد نے کہا کہ اہل عرب ہمزہ کو الف سے بدل دیتے ہیں۔[3]

شعر جاہلی سے تائید

امام شوکانی نے جمہور اور ابن ذکوان کی قرأت کی تائید میں اشعار جاہلیہ کا ذکر کیا۔ جمہور کی قرأت کی تائید حضرت ابو طالب کے اس شعر سے ہوتی ہے:

امن اجل حبل لا اباک ضربته — بمنسأۃ قد جر حبلک أحبلا[4]

ترجمہ کیا محض ایک رسی کی خاطر تو نے اسے عصا سے مارا۔ تیرا تو باپ ہی نہیں ہے! تیری رسی بہت سی رسیاں (پھندے) بنالائی۔

ابو ذکوان کی قرأت کی تائید طرفہ ([5]) کے معلقہ کے اس شعر میں ہے:

1۔ ابن عطیہ، ابو محمد عبد الحق بن غالب، **المحرر الوجیز فی تفسیر الکتاب العزیز**، (بیروت: دار الکتب العلمیہ، ط، 1422ھ) 4/411

2۔ سبا: 14

3۔ الشوکانی، **فتح القدیر**، 4/379

4۔ ابو طالب، ابو طالب بن عبد المطلب، **دیوان ابی طالب**، تحقیق: الدکتور محمد التونجی، (بیروت: دار الکتاب العربی، طبع اولیٰ، 1414ھ)، ص 61

3۔ طرفۃ بن العبد بن سفیان بن سعد بن مالک بن ضبیعہ کا تعلق بنو بکر سے تھا۔ متلمس کا بھانجا تھا۔ یتیم پیدا ہوا۔ چچاؤں کے لاڈ پیار کی وجہ سے بگڑ گیا۔ شراب و جماع کا عادی تھا۔ زمانہ جاہلیت کا صاحب معلقہ شاعر تھا اس نے عراق کے گورنر عمرو بن ہند کی ہجو کی جس کی وجہ سے اس نے اسے جوانی میں ہی قتل کروا دیا۔ (الجمحی، محمد بن سلام، **طبقات فحول الشعراء**، 1/137)

أمون كالواح الاران نسأتها   علی لاحب کانه ظهر برجد[1]

ترجمہ (وہ اونٹنی) لڑکھڑانے سے محفوظ ہے (اس کا سینہ) بڑے صندوق کے تختوں کی طرح (چوڑا) ہے میں نے اسے ایسے راستوں پر دوڑایا جو دھاری دار موٹی چادر کی پشت کی طرح تھے۔

پہلے شعر کا تعلق قسامت کے باب سے ہے جس کی تفصیل امام بخاری نے بیان کی۔ حضرت عبداللہ بن عباس کہتے ہیں کہ جاہلیت کے زمانے کا پہلا قسامہ یہ تھا کہ بنی ہاشم کا ایک شخص تھا۔ قریش کے ایک اور قبیلے کے شخص نے اسے نوکری پر رکھا۔ وہ اس کے ساتھ اس کے اونٹوں پر گیا۔ اس کے پاس سے بنی ہاشم کے ایک شخص کا گزر ہوا جس کے توشہ دان کی رسی ٹوٹ گئی تھی۔ اس شخص نے اس نوکر سے رسی مانگی جو نوکر نے اسے دے دی۔ جب اونٹوں کو باندھنے کا وقت ہوا تو سب اونٹ باندھ دیئے گئے ایک بچ گیا۔ مالک نے پوچھا کہ اس کی رسی کہاں ہے تو نوکر نے بتایا کہ وہ میں نے بنی ہاشم کے ایک شخص کو دے دی تھی۔ اس پر مالک نے نوکر کو زور سے ڈنڈا مارا جو اس کی موت کا سبب بن گیا۔ نوکر نے مرنے سے پہلے یمن کے لوگوں کو بتایا کہ جب تم حج پر جاؤ تو وہاں بنی ہاشم میں سے ابو طالب کو بتانا کہ تمہارے قبیلے کے لڑکے کو فلاں شخص نے محض ایک رسی کی وجہ سے قتل کیا ہے۔ مالک جب واپس آیا تو ابو طالب نے اس سے پوچھا کہ لڑکا کہاں ہے جسے تم نے نوکری پر رکھا تھا اس نے بتایا کہ وہ راستے میں بیمار ہو گیا تھا میں نے اس کا خیال رکھا لیکن وہ جانبر نہ ہو سکا اور فوت ہو گیا میں نے اسے وہیں دفن کر دیا۔ ابو طالب واپس آ گئے کچھ عرصہ کے بعد وہ یمنی آیا اور اس نے ابو طالب کو بتایا کہ آپ کے قبیلے کے لڑکے کو فلاں شخص نے قتل کیا۔

ابو طالب واپس اس شخص کے پاس گئے کہ تم نے ڈنڈے سے اس لڑکے کو مار دیا؟ وہ شخص مکر گیا۔ ابو طالب نے اس شخص سے کہا کہ تم تین میں سے ایک کام کر لو۔ سو اونٹ دیت میں دے دو یا پھر تمہاری قوم کے پچاس لوگ قسم کھائیں کہ تم نے اسے نہیں مارا۔ یا پھر ہم تمہیں قصاص کے طور پر قتل کر دیں گے۔ وہ شخص پچاس بندوں کے قسم کھانے پر رضامند ہو گیا۔ وہ پچاس لوگوں کو لے کر آیا جب قسم کھانے لگے تو بنی ہاشم کی ایک عورت ابو طالب کے پاس آئی اور اپنے شوہر کا استثناء مانگا کہ اسے قسم کھانے سے بری کر دیں آپ نے اسے بری کر دیا۔ ایک اور شخص نے کہا کہ میری قسم کے بدلے میں دو اونٹ لے لیں اور مجھے قسم سے بری کر دیں آپ نے اسے بھی بری کر دیا۔ باقی اڑتالیس (48) لوگوں نے قسم کھائی۔ ابن عباس فرماتے ہیں کہ ابھی سال بھی نہ گزرا تھا کہ ان اڑتالیس لوگوں میں سے ایک بھی زندہ نہیں بچا تھا۔[2]

1۔ طرفۃ بن العبد، **دیوان طرفۃ بن العبد**، ص 20

2۔ البخاری، **الجامع الصحیح**، باب القسامۃ فی الجاہلیۃ، 5/54

پہلے شعر میں حضرت ابو طالب اس قاتل شخص کو مخاطب کر کے کہتے ہیں کہ محض ایک رسی کی خاطر تو نے اس لڑکے کو عصا سے مارا اور اسے موت کے گھاٹ اتار دیا۔ تیری ایک رسی کتنے ہی لوگوں کیلئے رسی کے پھندے لے کر آگئی۔

عصا کیلئے شعر میں منسأۃ کا لفظ استعمال کیا گیا ہے اور شعر میں ہمزہ کے فتحہ کے ساتھ اسے پڑھا گیا ہے۔ یہی جمہور کی لغت ہے جبکہ دوسرے شعر میں "نساتھا" میں ہمزہ کے سکون سے پڑھا گیا ہے یہ ابن ذکوان کی قرأت کے موافق ہے۔

سَبَإٍمیں قرأت کا شعر جاہلی سے استشہاد

اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿لَقَدۡ كَانَ لِسَبَإٍ فِي مَسۡكَنِهِمۡ ءَايَةٞ﴾ (1)

ترجمہ: قوم سبا کیلئے ان کے مسکن میں ہی نشانی موجود تھی۔

سبأ کو منصرف اور غیر منصرف پڑھنے میں اختلاف ہے ایک قرأت میں سبأمیں ہمزہ کے جر اور تنوین کے ساتھ پڑھا گیا۔ دلیل یہ ہے کہ یہ اس گاؤں کا نام ہے جہاں سبا(2) نام کے شخص کی اولاد آباد تھی۔ اس لئے منصرف ہے جبکہ ابن کثیر اور ابو عمرو نے "لِسبأ" میں ہمزہ کو فتحہ دیا ہے کہ یہ غیر منصرف ہے۔ غیر منصرف ہونے کی وجہ قبیلہ کی علمیت ہے۔ ابو عبید نے بھی اسی قرأت کو پسند کیا۔(3)

شعر جاہلی سے تائید

اس قرأت کی تائید میں امام شوکانی نے امیہ بن ابی الصلت (4) کا یہ شعر پڑھا۔

من سبأ الحاضرين مآرب إذ   ينبون من دون مسيله العرما(5)

ترجمہ وہ سبأ قبیلہ سے ہے جو مآرب میں رہتے تھے وہ سیلاب سے بچنے کیلئے بند بناتے تھے۔

تجزیہ

1۔ سبا:15

2۔ ابن عباس بیان کرتے ہیں کہ حضور ﷺ سے صحابہ نے پوچھا یارسول اللہ سبا کوئی مرد ہے یا عورت یا کسی ملک کا نام ہے؟ آپ نے فرمایا سبا ایک مرد تھا جس کے دس بیٹے تھے ان میں سے چھ یمن میں چلے گئے تھے اور چار شام میں (احمد بن حنبل، **مسند احمد**، 5/75)

3۔ الشوکانی، **فتح القدیر**، 4/382-381

3۔ امیہ بن ابی الصلت عبد اللہ بن ابی ربیعہ طائف میں پیدا ہوا۔ جاہلیت کا عظیم شاعر تھا اس کے بارے میں نبی علیہ السلام نے فرمایا: "قریب تھا کہ امیہ بن ابی الصلت مسلمان ہو جاتا" (بخاری' حدیث نمبر 3841)۔ زمانہ جاہلیت کا عظیم شاعر تھا اس کے اشعار میں توحید اور بعث بعد الموت کا تذکرہ ملتا ہے۔ (ابن ہشام، **السیرۃ النبویۃ**، 1/289)۔

5۔ امیہ بن ابی الصلت، **دیوان امیۃ بن الصلت**، تحقیق: الدکتور سجیع جمیل الجبیلی، (بیروت: دار صادر، طبع اولی، 1998م)، ص 190

شعر میں من حرف جر کے بعد سبأمیں ہمزہ کو فتحہ دیا گیا ہے۔ غیر منصرف ہونے کی وجہ قبیلہ کا نام ہے لیکن جمہور کے نزدیک سبا کو منصرف پڑھا گیا ہے کیونکہ اگر قبیلہ کا نام ہوتا تو مسکنھم کی بجائے مساکنھم کا لفظ ہوتا۔ مسکن کا لفظ واحد ہونا اس بات کی دلیل ہے کہ یہ قبیلے کا نام نہیں ہے گاؤں کا نام ہے۔ امام شوکانی نے اسم الحی ہونے کی بناء ہی اس کے منصرف ہونے کا قول کیا ہے۔ یہی جمہور کی بھی قرأت ہے۔

"وَمَكْرَ السَّيِّئِ" میں ہمزہ کے اعراب کا شعر جاہلی سے استشہاد

کفار اللہ کی قسم کھا کر کہتے کہ اگر ان کے پاس کوئی ہدایت کا پیغام لے کر آیا تو وہ ضرور اس کے پیغام پر عمل کریں گے اور ہدایت کا راستہ اختیار کریں گے لیکن جب اللہ تعالیٰ نے اپنا رسول ان کے پاس بھیجا تو مکر گئے اور نفرت انگیزی پر اتر آئے۔ ان کے مکرنے کی وجہ ان کا غرور اور بری چالیں چلنا تھی۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿اسْتِكْبَارًا فِي الْأَرْضِ وَمَكْرَ السَّيِّئِ۔ وَلَا يَحِيقُ الْمَكْرُ السَّيِّئُ إِلَّا بِأَهْلِهِ﴾ [1]

ترجمہ: وہ زیادہ سرکشی کرنے لگے زمین میں اور گھناؤنی سازشیں کرنے لگے اور نہیں گھیرتیں گھناؤنی سازشیں بجز سازشیوں کے۔

آیت میں "مَكْرَ السَّيِّئِ" میں ہمزہ کے اعراب بارے اختلاف واقع ہوا ہے۔ "السَّيِّئِ" کے آخر میں ہمزہ کو سکون کے ساتھ پڑھنا ہے یا کسرہ کے ساتھ۔ اس میں اگر تو ہمزہ پر وقف کیا جائے پھر تو سکون کے ساتھ پڑھا جائیگا اس بارے میں کسی کا اختلاف نہیں لیکن اگر وقف کے بغیر وصل کے ساتھ پڑھا جائے تو پھر سوائے اعمش اور حمزہ کے سب نے کسرہ کے ساتھ پڑھا ہے۔ اعمش اور حمزہ نے وصل کی حالت میں بھی سکون کے ساتھ پڑھا ہے لیکن یہ بہت بڑی غلطی ہے حتیٰ کہ یہاں تک کہا گیا کہ اعمش جیسا قرأت کا امام ایسی غلطی کا مرتکب ہو ہی نہیں سکتا۔ وہ صرف وقف کی حالت میں ہمزہ کو سکون سے پڑھتے تھے۔ وصل کی حالت میں سکون سے پڑھنا اعمش کی طرف سے بعید از امکان ہے [2]۔ لیکن جن لوگوں نے اسے جائز قرار دیا ہے ان کی تائید امرؤالقیس کا یہ شعر ہے:

شعر جاہلی سے استشہاد

امرؤالقیس نے کہا:

فالیوم اشرب غیر مستحقب   اثما من اللہ ولا واغل [3]

1۔ فاطر:43

2۔ الشوکانی، **فتح القدیر**، 4/424

3۔ امرؤالقیس، **دیوان امرء القیس**، 1/141

ترجمہ آج میں (شراب) پیؤں گا میں اللہ کی طرف سے کسی گناہ کا مرتکب نہیں ہوں گا اور نہ ہی بن بلایا مہمان شرابی ہوں۔

تجزیہ

محل استدلال "اشرب" کا لفظ ہے یہاں باء کو سکون کے ساتھ پڑھا گیا ہے۔ شعر میں وقف کے بغیر سکون کے ساتھ پڑھنا اس بات کی دلیل ہے کہ "مَکْرَ السَّیِّئِ" میں ہمزہ کو وقف کے بغیر بھی سکون کے ساتھ پڑھنا جائز ہے۔ لیکن یہ استدلال کمزور ہے اول تو اس وجہ سے کہ "اشرب" میں باء پر سکون کا ہونا ہی مختلف فیہ ہے۔ دوم یہ کہ باء پر سکون اگر مان بھی لیا جائے تو وہ ضرورت شعری کی وجہ سے ہے اس لئے یہاں حجت نہیں ہو گا۔ امام قرطبی نے اسی بات کی طرف اشارہ کیا ہے[1] لہٰذا "مَکْرَ السَّیِّئِ" میں ہمزہ کا کسرہ، جو جمہور کی قرأت کے موافق ہے مناسب ہے۔ وصل کی حالت میں سکون لحن ہے جس سے اجتناب لازم ہے۔

"یَنْسِلُ" میں قرأت اور معنی کا شعر جاہلی سے استشہاد

اللہ تعالیٰ نے کفار کے قبروں سے نکالے جانے کا تذکرہ کرتے ہوئے فرمایا:

﴿وَنُفِخَ فِی الصُّوْرِ فَاِذَا هُمْ مِّنَ الْاَجْدَاثِ اِلٰی رَبِّهِمْ یَنْسِلُوْنَ﴾[2]

ترجمہ:۔ اور صور پھونک دیا جائیگا پس اچانک وہ (سب) قبروں سے اپنے رب کی طرف تیزی سے چلنے لگیں گے۔ یَنْسِلُوْنَ کا لفظ نسل سے مشتق ہے۔ نسل اور نسلان کا معنی امام شوکانی بیان کرتے ہیں تیزی سے چلنا۔ یہ لفظ باب ضرب یضرب اور نصر ینصر دونوں سے پڑھا گیا ہے۔[3] ینسل میں سین کے کسرہ اور ضمہ دونوں کے ساتھ پڑھا گیا ہے۔

اشعار جاہلیہ سے استشہاد

نسل سے متعلق امام شوکانی نے دو اشعار جاہلیہ کا ذکر کیا۔ پہلا شعر امرو القیس کا ہے اس نے کہا:

فسلی ثیابی من ثیابک تنسل[4] ترجمہ:۔ پھر تو اپنے کپڑوں سے میرے کپڑوں کو جدا کر دے تو وہ جدا ہو جائیں گے۔ دوسرا شعر نابغہ الجعدی کا ہے اس نے کہا: **عسلان الذئب امسیٰ قارناً برد اللیل علیه فنسل**[5]

1۔ القرطبی، **الجامع لأحکام القرآن**، 14/358

2۔ یٰس: 51

3۔ الشوکانی، **فتح القدیر**، 4/446

4۔ یہ امرؤالقیس کے معلقہ کے شعر کا دوسرا مصرع ہے پہلا مصرع یوں ہے: وان تک قدساءمنی خلیقة، (امرءالقیس، **دیوان امرءالقیس**، 1/33)

5۔ نابغہ الجعدی، **دیوان نابغه الجعدی**، ص116

بھیڑیے کے دوڑنے کی رفتار مناسب ہو گئی تھی (لیکن جب) رات اس پر ٹھنڈی ہوئی تو وہ تیزی سے بھاگ گیا۔

تجزیہ

پہلے شعر کا استدلال صرف قرأت کے اعتبار سے ہے۔ تنسل میں سین کو ضمہ کے ساتھ پڑھا گیا ہے۔ یہاں معنی کے استشہاد پر کوئی قرینہ موجود نہیں کیونکہ شاعر نے ثیاب سے دل مراد لیا ہے جیسا کہ امام ابو عبد اللہ الزوزنی نے سبع معلقات کی شرح میں بیان کیا۔[1]

شاعر اپنی محبوبہ سے کہتا ہے کہ اگر تجھے میرے اخلاق میں سے کوئی چیز بری لگی تو میرے کپڑے، اپنے کپڑوں سے یعنی میرا دل اپنے دل سے جدا کرلے۔ تو وہ کپڑے یعنی دل جدا ہو جائیں گے اب یہاں تنسل سے تیز چلنا مراد نہیں ہو سکتا لہٰذا یہ استشہاد صرف اس طور پر ہے کہ سین کے ضمہ کے ساتھ پڑھا گیا ہے۔ دوسرے شعر میں نابغہ الجعدی بھیڑیے کے تیز چلنے کیلئے نسل کا لفظ استعمال کرتا ہے۔ یہ معنوی استشہاد ہے۔ بیان القرآن میں اشرف علی تھانوی صاحب نے ینسلوں کا معنی جلدی جلدی چلنا ہی کیا ہے۔[2]

"مَنۢ بَعَثَنَا" کی بجائے من اھبنا کی قرأت کا شعر جاہلی سے استشہاد

کفار کو جب قبروں سے نکالا جائے گا تو وہ کہیں گے:

﴿قَالُوْا يٰوَيْلَنَا مَنۢ بَعَثَنَا مِنۢ مَّرْقَدِنَا﴾[3]

ترجمہ:۔ ہائے ہماری مصیبت! ہم کو ہماری خواب گاہوں سے کس نے اٹھایا۔

جمہور کی قرأت میں "مَنۢ بَعَثَنَا" کے الفاظ ہیں جبکہ ابی کی قرأت میں "من اھبنا" کے الفاظ ہیں۔ یہ لفظ "ھب من نومہ" سے نکلا ہے جب سونے والے کو جگایا جائے اور وہ اٹھ جائے تو کہا جاتا ہے کہ وہ اپنی نیند سے بیدار ہو گیا۔[4]

شعر جاہلی سے استشہاد

حاتم طائی نے کہا:

وعاذلة هبت بليل تلومنى   ولم يعتمدنى قبل ذاك عذول[5]

1۔ الزوزنی، ابو عبد اللہ الحسین بن احمد الزوزنی، **شرح المعلقات السبع**، (دار احیاء الترث العربی، طبع اولیٰ، 2002م)، ص46

2۔ تھانوی، **بیان القرآن**، 3/242

3۔ یٰس: 52

4۔ الشوکانی، **فتح القدیر**، 4/446

5۔ حاتم طائی، **دیوان حاتم الطائی**، 1/171

ترجمہ:۔ ملامت کرنے والی رات کے وقت اٹھی اور مجھے ملامت کرنے لگی اور اس سے پہلے ملامت کرنے والے نے (کبھی) مجھ پر بھروسہ نہیں کیا۔

تجزیہ

امام شوکانی نے یہ شعر معنوی استشہاد کے طور پر ذکر کیا۔ شاعر رات کے وقت نیند سے بیدار ہونے کیلئے ھبت بلیل کے الفاظ استعمال کرتا ہے۔ ابی نے من "بعثنا" کی بجائے "من اھبنا" کے الفاظ پڑھے۔ اھب کے معنی نیند سے بیدار کرنا ہے۔ یہ قرأت شاذ ہے۔ اردو مترجمین نے ترجمہ جمہور کے قرأت کے مطابق کیا ہے۔ معارف القرآن میں ترجمہ "کس نے اٹھادیا ہم کو ہماری نیند کی جگہ سے" کیا ہے۔[1] اگر اھب کا معنی ہوتا تو کس نے ہمیں ہماری نیند سے بیدار کیا" ہوتا۔ ترجمہ میں "جگہ" کالفظ بعث کے معنی پر دلالت کر رہا ہے۔

"ضِیزٰی" کی قرأت کا شعر جاہلی سے استشہاد

مشرکین نے جب فرشتوں کو خدا کی بیٹیاں کہا تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا: تِلْکَ اِذًا قِسْمَۃٌ ضِیزٰی

﴿تِلْکَ اِذًا قِسْمَۃٌ ضِیزٰی﴾[2]

ترجمہ:۔ کیا تمہارے لئے تو بیٹے ہیں اور اللہ کیلئے بیٹیاں۔ یہ تقسیم تو بڑی ظالمانہ ہے۔

ضیزی کے لفظ میں دو قراءات ہیں۔ جمہور نے یاء ساکنہ کے ساتھ اسے پڑھا ہے جبکہ ابن کثیر نے اسے ہمزہ کے ساتھ پڑھا ہے۔ معنی یہ ہے کہ یہ ایسی تقسیم ہے جو درست نہیں ہے حق کے راستے سے دور ہے۔ ضاز فی الحکم کا معنی ہے کہ اس نے فیصلہ کرتے ہوئے ناانصافی کی[3]۔ جمہور کی قرأت کی دلیل امام شوکانی نے اس شعر سے دی:

ضازت بنو اسد بحکمھم   اذیجعلون الراس کالذنب[4]

ترجمہ:۔ بنو اسد نے اپنے فیصلے میں ظلم کیا جب انہوں نے سر کو دم کی طرح بنادیا۔

تجزیہ

1۔ کاندھلوی، **معارف القرآن**، 6/432

2۔ النجم: 22

3۔ الشوکانی، **فتح القدیر**، 5/131

4۔ امام جلال الدین السیوطی اور علامہ آلوسی نے اس شعر کا انتساب امرؤ القیس کی طرف کیا ہے، لیکن امرء القیس کے دیوان میں یہ شعر موجود نہیں ہے۔ (السیوطی، **الدر المنثور**، 9/324،- آلوسی، **روح المعانی**، 14/57)

نافع بن ازرق نے ابن عباسؓ سے قسمۃ ضیزی کا معنی پوچھا تو آپ نے "قسمۃ جائرۃ" (ظالمانہ تقسیم) معنی بیان کیا اور اس کی دلیل میں امرؤالقیس کا یہی شعر پڑھا[1]۔ بنی اسد نے امرؤالقیس کے باپ کے مظالم سے تنگ آکر اسے قتل کر دیا تھا۔ پھر امرؤالقیس اپنے باپ کے انتقام کے درپے ہوا تھا۔ امرؤالقیس نے بنی اسد کے فیصلے کے مبنی بر ظلم ہونے کو بیان کرنے کے لئے ضاز کا لفظ استعمال کیا۔ یہ ضاز، یضیفز، ضیزاً سے ماضی معروف کا صیغہ ہے۔ امام شوکانی نے اسے بغیر ہمزہ کے جو لغت ہے اس کی دلیل کے طور پر ذکر کیا۔ ﴿ يَوْمَ يَقُولُ ٱلْمُنَـٰفِقُونَ وَٱلْمُنَـٰفِقَـٰتُ لِلَّذِينَ ءَامَنُوا ٱنظُرُونَا نَقْتَبِسْ مِن نُّورِكُمْ﴾۔

"ٱنظُرُونَا" کی قرأت اور معنی کا شعر جاہلی سے استشہاد

بروز قیامت منافق مرد اور منافق عورتیں، اہل ایمان سے کہیں گے:

﴿يَوْمَ يَقُولُ ٱلْمُنَـٰفِقُونَ وَٱلْمُنَـٰفِقَـٰتُ لِلَّذِينَ ءَامَنُوا ٱنظُرُونَا نَقْتَبِسْ مِن نُّورِكُمْ﴾[2]

ترجمہ:۔ اس روز کہیں گے منافق مرد اور منافق عورتیں ایمان والوں سے ذرا ہمارا بھی انتظار کرو۔ ہم بھی روشنی حاصل کر لیں تمہارے نور سے۔

آیت میں انظرونا کے لفظ کی دو قرأتیں اور تین معانی امام شوکانی نے بیان کئے ہیں۔ پہلی قرأت میں انظرونا کو ہمزہ وصلی اور ظاء کے ضمہ کے ساتھ پڑھا گیا ہے۔ (یہی جمہور کی قرأت ہے) جبکہ دوسری قرأت میں ہمزہ قطعی اور ظاء کے کسرہ کے ساتھ باب افعال کے امر کے صیغہ کے طور پر پڑھا گیا ہے۔ پہلی قرأت کے مطابق معنی ہے انتظار کرو۔ دوسری قرأت کے مطابق معنی ہے کہ ہمیں مہلت دو۔ جبکہ تیسرا معنی یہ ہے کہ ہماری طرف دیکھو ہم تمہارے چہرے کے نور سے روشنی حاصل کرتے ہیں۔[3]

دوسرے معنی کی تائید میں امام شوکانی نے عمرو بن کلثوم (4) کے معلقہ کا شعر ذکر کیا:

اباهند فلا تعجل علينا   وانظرنا نخبرك اليقينا[5]

ترجمہ:۔ اے ابوہند! ہمارے معاملے میں جلد بازی نہ کر۔ ہمیں مہلت دے ہم تجھے مستند خبر دیں گے۔

1۔ ابن عباس، **كتاب مسائل نافع بن الازرق**، ص212

2۔ الحدید:13

3۔ الشوکانی، **فتح القدیر**، 5/203

2۔ عمرو بن کلثوم زمانہ جاہلیت کا ممتاز شاعر اور صاحب معلقہ تھا۔ بنو تغلب کا سردار تھا۔ حرب بسوس میں یہی بنو تغلب کی سرداری کرتا۔ عمر بن ہند حیرہ کے بادشاہ کو غیرت کے نام پر قتل کیا۔ فی البدیہہ شاعر تھا اس کا کلام بہت مختصر ہے لیکن اسلوب بیان نہایت عمدہ اور پاکیزہ ہوتا ہے۔ (زرکلی، **الاعلام**، 5/84)

5۔ عمرو بن کلثوم، ابو عباد عمرو بن کلثوم بن مالک، **دیوان عمرو بن کلثوم**، تحقیق: الدکتور بدیع یعقوب، (بیروت: دار الکتاب العربی، طبع اولی، 1991م)، ص71

تجزیہ

شعر میں انظرنا کا لفظ محل بحث ہے۔ امام شوکانی نے مہلت کا معنی بیان کرنے کیلئے اس شعر کا سہارا لیا۔ یہ باب افعال سے امر کا صیغہ ہے اور امر یہاں التجا کے معنی میں مستعمل ہے کیونکہ عمرو بن کلثوم یہاں ابا ہند سے عمرو بن ہند بادشاہ حیرہ مراد لے رہا ہے۔ اس سے انظرنا کا لفظ بول کر کہہ رہا ہے کہ ہمیں مہلت دے۔ ہمارے معاملے میں جلد بازی نہ کر۔ ہم اپنی شجاعت و دلیری کی مستند داستانیں تمہیں سنائیں گے۔ اگرچہ باب افعال کی قرأت کا یہ معنی دلیل سے بیان کیا گیا ہے لیکن آیت میں یہ معنی مراد نہیں ہے آیت میں منافقین، اہل ایمان سے مہلت نہیں مانگ رہے بلکہ وہ ان سے دیکھنے، یا انتظار کرنے کی التجا کر رہے ہیں۔ صاحب تبیان القرآن، غلام رسول سعیدی نے "ہماری طرف دیکھو" معنی کیا ہے[1]۔ جبکہ صاحب ضیاء القرآن، پیر کرم شاہ نے انتظار کرنے کا معنی اختیار کیا ہے۔[2]

مزمل کی قراءات کا شعر جاہلی سے استشہاد

اللہ تعالیٰ نے نبی کریم ﷺ کو مخاطب کر کے فرمایا:

﴿يٰاَيُّهَا الْمُزَّمِّلُ۔ قُمِ الَّيْلَ اِلَّا قَلِيْلًا﴾[3]

ترجمہ:۔ "مزمل" باب تفعل سے اسم فاعل کا صیغہ ہے۔ اصل میں "متزمل" تھا۔ تاء تفعل کو زاء سے بدل کر ادغام کر دیا۔ مزمل بن گیا۔ التزمل کا معنی ہے کپڑے میں لپٹنا۔ جمہور نے ادغام کے ساتھ پڑھا ہے۔ ابی کی قراءات المتزمل ہے۔ انہوں نے اسے اصل پر باقی رکھ کر پڑھا جبکہ عکرمہ نے تخفیف سے پڑھا۔ ان کے نزدیک "مُزَمِّلُ" لفظ ہے۔[4]

امرؤ القیس کا شعر اس آخری قراءات کی تائید کرتا ہے:

کان ثبیرا فی عرانین وبلہ   کبیر اناس فی بجاد مزمل[5]

ترجمہ:۔ ثبیر کا پہاڑ[6] موسلا دھار بارش میں گویا انسانوں کا بڑا سردار ہے جو دھاری دار کملی میں لپٹا ہوا ہے۔

تجزیہ

1۔ سعیدی، غلام رسول، **تبیان القرآن**، 11/722

2۔ الازہری، محمد کرم شاہ، **ضیاء القرآن**، 5/116

3۔ مزمل:2-1

4۔ الشوکانی، **فتح القدیر**، 5/375

5۔ امرؤ القیس، **دیوان امرء القیس**، 1/67

6۔ مکہ میں موجود ایک پہاڑ کا نام ہے۔ "ثبیر بن اعظم جبال مكة بينها و بين عرفة، سمى ثبيرا برجل من هذيل مات فى ذالك الجبال فعرف الجبل به، واسم الرجل ثبير" (الحموی، شہاب الدین، **معجم البلدان**، 2/73)

امرؤالقیس نے مکہ کے پہاڑ ثبیر کو بڑے سردار سے تشبیہ دی ہے بارش کی کثرت بیان کرتے ہوئے شاعر کہتا ہے کہ جب کوہ ثبیر پر موسلادھار بارش برسی تو پہاڑ کی نالیوں سے بہتا پانی ایسے لگ رہا تھا جیسے پہاڑ کوئی بہت بڑا سردار ہے اور اس نے دھاری دار چادر اوڑھ رکھی ہے۔ شعر میں ثبیر پہاڑ کو کبیر اناس سے اور نالیوں سے بہتے پانی کو چادر کی دھاریوں سے تشبیہ دی گئی ہے۔ شعر میں مزمل کا لفظ محل استشہاد ہے۔ شعر میں زاء کو تخفیف سے پڑھا گیا ہے۔ امام شوکانی نے یہ شعر عکرمہ کی قراءت کی تائید میں ذکر کیا۔ تخفیف کی قراءت میں یہ بات تفعیل کا اسم فاعل ہو گا لیکن یہ جمہور کی قراءت کے مخالف ہے۔ اصل میں یہ باب تفعل کا اسم فاعل ہے۔

"اَیۡنَ الۡمَفَرُّ" کے اعراب کا شعر جاہلی سے استشہاد

قیامت کی سختیوں کو دیکھ کر کافر کی حالت دگرگوں ہوگی وہ پریشانی کے عالم میں پکارے گا:

﴿یَقُوۡلُ الۡاِنۡسَانُ یَوۡمَئِذٍ اَیۡنَ الۡمَفَرُّ﴾[1]

ترجمہ:۔ اس دن انسان کہے گا کہ (اب) کہاں بھاگ جاؤں۔

"المفر" کے تین اعراب بیان کئے گئے ہیں پہلا یہ کہ میم اور فاء دونوں کو فتحہ دیا جائیگا۔ اس صورت میں یہ مصدر ہو گا۔ دوسرا یہ کہ میم کو فتحہ اور فاء کو کسرہ دیا جائیگا۔ اس صورت میں اسم مکان ہو گا اور آیت سے مراد ہو گی کہ بھاگنے کی جگہ کہاں ہے؟ جبکہ تیسرا اعراب میم کے کسرہ اور فاء کے فتحہ کا ہے (اس صورت میں یہ مبالغہ کا صیغہ ہو گا)۔ معنی یہ ہو گا کہ انسان خوب بھاگے گا[2]۔ اخیر الذکر معنی کی تائید امام شوکانی نے امرؤالقیس کے اس شعر سے کی ہے:

مکر مفر مقبل مدبر معاً　　　کجلمود صخر حطه السیل من عل[3]

ترجمہ:۔ اچھی طرح حملہ کرنے والا، خوب بھاگنے والا، بیک وقت آگے اور پیچھے ہٹنے والا، اس پتھر کی طرح جسے سیلاب کے پانی نے بلند جگہ سے گرادیا ہو۔

تجزیہ

معلقہ کے اس شعر میں امرؤالقیس اپنے گھوڑے کی تعریف کر رہا ہے شعر میں بیان کیا گیا دوسرا وصف "مفر" محل استدلال ہے۔ آیت کا لفظ "المفر" یہی ہے۔ آیت میں جمہور کی قراءات کے مطابق میم اور فاء دونوں کے فتحہ کے ساتھ پڑھا گیا ہے جبکہ شعر میں میم کے کسرہ اور فاء کے فتحہ کے ساتھ پڑھا گیا ہے۔ شعر کا لفظ مبالغہ کا صیغہ ہے

1۔ القیامۃ:10

2۔ الشوکانی، **فتح القدیر**، 5/400

3۔ امرؤالقیس، **دیوان امرء القیس**، 1/12

جس کا معنی ہے کہ گھوڑا خوب بھاگنے والا ہے۔ اس شعری تناظر میں آیت کا مفہوم یہ ہو گا کہ خوب بھاگنے کے بعد ٹھکانہ کہاں ہے؟ اردو مترجمین نے ترجمہ جمہور کی قراءات کے ہی موافق کیا ہے۔[1]

"سَلٰسِلَا" کے اعراب کا شعر جاہلی سے استشہاد

اللہ تعالیٰ نے کفار کی سزا کے متعلق فرمایا:

﴿اِنَّآ اَعْتَدْنَا لِلْكٰفِرِيْنَ سَلٰسِلَا وَ اَغْلٰلًا وَّ سَعِيْرًا﴾[2]

ترجمہ:۔ ہم نے کافروں کیلئے زنجیریں، طوق اور دہکتی آگ تیار کر رکھی ہے۔

آیت میں سلاسل کے اعراب کی وضاحت کرتے ہوئے امام شوکانی فرماتے ہیں کہ نافع، کسائی اور ابو بکر نے عاصم اور ہشام نے ابن عامر سے "سلاسلاً" تنوین کے ساتھ پڑھا ہے۔ قنبل نے ابن کثیر سے اور حمزہ نے بغیر الف کے "سلاسل" پڑھا ہے اور باقیوں نے الف کے ساتھ وقف کر کے پڑھا ہے جنہوں نے سلاسل کو تنوین کے ساتھ پڑھا ہے باوجود اس کے کہ یہ جمع منتہی الجموع کا صیغہ ہے تو انہوں نے آیت میں تناسب کا خیال رکھا ہے کیونکہ اس سے پہلے "اما شاکراً و اما کفوراً" ہے اور اس کے بعد "واغلالاً و سعیراً" ہے یا یہ ان لوگوں کی لغت کے موافق ہے جو تمام اسماء کو غیر منصرف ہی پڑھتے ہیں جس طرح کسائی اور دیگر قراء کوفہ نے بعض اہل عرب کے حوالے سے بیان کیا۔ اخفش نے بھی بیان کیا کہ ہم نے بعض اہل عرب کو سنا وہ غیر متصرف اسماء کو منصرف کر کے پڑھتے ہیں کیونکہ اسماء میں اصل اعراب کو قبول کرنا ہی ہے۔ فراء نے کہا کہ یہ ان لوگوں کی لغت ہے جو تمام اسماء کو جر دیتے ہیں ماسوائے اس کے "ھو اظرف منک" ان (ضمائر) کو جر نہیں دیتے[3]۔

اس اعراب کی وضاحت کرتے ہوئے امام شوکانی نے عمرو بن کلثوم کے معلقہ کا یہ شعر ذکر کیا:

کان سیوفنا فینا و فیھم　　　مخاریق بایدی لاعبینا[4]

ترجمہ:۔ گویا کہ ہماری تلواریں، ہمارے اور ان (ہمارے دشمنوں) کے درمیان کھیلنے والوں کے ہاتھوں میں لکڑی کی تلواروں کی مانند ہیں۔

تجزیہ

1۔ الازہری، **ضیاء القرآن**، 5/431۔ اصلاحی، **تدبر القرآن**، 9/76

2۔ الدھر: 4

3۔ الشوکانی، **فتح القدیر**، 5/410-409

4۔ عمرو بن کلثوم، **دیوان عمرو بن کلثوم**، ص76

شعر میں ”مخاریق“ کا لفظ محل استشہاد ہے۔ مخاریق جمع ہے اور اس کا واحد مخراق ہے چونکہ یہ جمع منتہی الجموع کا صیغہ ہے اور جمع منتہی الجموع غیر منصرف ہے لہٰذا قاعدہ کی رو سے ”مخاریق“ کا لفظ قاف کے ضمہ کے ساتھ پڑھا جانا چاہیے تھا لیکن مخاریق کا لفظ تنوین کے ساتھ پڑھا گیا ہے چونکہ یہ بحر وافر ہے اور اس کا وزن ”مفاعیلن“ ہے۔ مفاعیلن کے وزن پر مخاریقن بنتا ہے لہٰذا قاف پر تنوین آئے گی۔ اس صورت میں تنوین ضرورت شعری کی بنا پر ہے اس سے امام شوکانی کی اس بات کی تائید ہوتی ہے کہ آیت کے تناسب کی وجہ سے ”سلاسل“ کو تنوین کے ساتھ پڑھا گیا ہے۔ قاعدہ کی رو سے غیر منصرف ہونے کی بنا پر یہ لفظ تنوین کے مانع ہے۔

"کُفُوًا" کے معنیٰ کا شعر جاہلی سے استشہاد

اللہ تعالیٰ نے اپنے متعلق فرمایا: ﴿ وَلَمْ يَكُنْ لَّهُ كُفُوًا اَحَدٌ ﴾[1] ترجمہ:۔ اور نہ ہی اس کا کوئی ہمسر ہے۔

جمہور نے کفواً میں کاف اور فاء کے ضمہ کے ساتھ پڑھا ہے اور ہمزہ کو تسہیل کے ساتھ پڑھا ہے جبکہ اعرج، سیبویہ اور نافع کی ایک روایت میں فاء کو ساکن پڑھا گیا ہے۔ حمزہ سے بھی یہی قرأت مروی ہے۔ حمزہ نے اس کے ساتھ ہمزہ کو وصل اور وقف دونوں صورتوں میں واؤ سے بدلا ہے۔ نافع کی ایک قرأت کاف کے کسرہ اور فاء کے فتحہ سے بغیر مد کے مروی ہے جبکہ سلیمان بن علی بن عبد اللہ بن عباس نے اسے ہی مد کے ساتھ پڑھا ہے[2]۔

مؤخر الذکر قرأت کی تائید نابغہ الذبیانی کے شعر کے اس مصرع سے ہوتی ہے: **لا تقذفنی بر کن لا کفاء له**[3] ترجمہ:۔ مجھ پر ایسے بڑے کام کی تہمت نہ لگا کہ جس کی برابری کا کوئی کام نہ ہو۔

تجزیہ

یہ شعر نابغہ نے نعمان بن منذر کو مخاطب کر کے کہا[4] چونکہ نابغہ عرصہ دراز تک نعمان کا مصاحب رہا اور بعد میں جب نابغہ کے حاسدوں نے بادشاہ نعمان کے کان بھرے تو نابغہ اپنی جان بچانے کیلئے غسانیوں کے ہاں پناہ گزین ہو گیا جو نعمان کے دشمن تھے۔ پھر نابغہ نے نعمان سے معذرت اس وقت کی جب نعمان شدید بیمار ہو گیا۔ نابغہ کہتا ہے کہ اے بادشاہ! مجھ پر ایسے کام کی تہمت نہ لگائیں جس کے ہم پلہ کوئی جرم نہ ہو۔ ”کفاء“ کا لفظ محل استشہاد ہے۔ کاف کے کسرہ، فاء کے فتحہ اور اس کے بعد مد کے ساتھ پڑھا گیا ہے یہی اس لفظ کے متعلق سلیمان بن علی کی قرأت ہے جس کی تائید میں امام شوکانی نے مذکورہ شعر کا مصرع بیان کیا۔

1۔ الاخلاص:04

2۔ الشوکانی، **فتح القدیر**، 5/621

3۔ امام شوکانی نے نابغہ کے شعر کا پہلا مصرع ذکر کیا دوسرا مصرع یہ ہے: وان تأثفک **الاعداء** بالرفد، دیوان نابغہ الذبیانی، (نابغہ الذبیانی، **دیوان نابغہ الذبیانی**، ص26

4۔ الزمخشری، **اساس البلاغۃ**، 1/20

فصل سوم: الفاظ کی دلالت معنوی سے متعلق جاہلی شاعری سے استشہاد

اس فصل میں لفظ کی معنیٰ پر جو دلالت ہوتی ہے اس کو واضح کیا گیا ہے جب کہ اس باب کی فصل اول میں صرفی بحث میں اس کے صیغوں کے حوالے سے بحث کی گئی ہے۔ گویا ان دونوں فصلوں میں وجہ فرق یہ ہے کہ پہلی فصل میں لفظی بحث ہے جب کہ اس میں معنوی بحث ہے۔

"الرَّقِيْمِ" کے معنیٰ کا شعر جاہلی سے استشہاد

اللہ رب العالمین کا ارشاد گرامی ہے:

﴿اَمْ حَسِبْتَ اَنَّ اَصْحٰبَ الْكَهْفِ وَ الرَّقِيْمِ كَانُوْا مِنْ اٰيٰتِنَا عَجَبًا﴾ ([1])

ترجمہ: کیا تم نے یہ گمان کیا ہے کہ غار والے اور کتبے والے ہماری نشانیوں میں سے ایک عجیب نشانی تھے۔

تفسیر:۔

الرقیم کے معنیٰ کی تعیین میں امام شوکانی نے مختلف اقوال بیان کئے ہیں۔ کعب اور سدی کا قول یہ ہے کہ ”رقیم“ اس بستی کا نام ہے جس سے اصحاب کہف نکلے تھے۔ سعید بن جبیر اور مجاہد کا کہنا ہے کہ یہ پتھر یا سیسے کی بنی ہوئی تختی کا نام ہے جس پر اصحاب کہف کے نام لکھے ہوئے تھے۔ فراء کا کہنا ہے کہ اس تختی کو رقیم اس وجہ سے کہا گیا کہ اس پر ان کے نام مرقوم تھے۔ رقم کا معنیٰ کتابت ہے۔ ابن عباس سے بھی اسی کی مثل قول مروی ہے۔ ([2])

شعر جاہلی سے استشہاد:

عجاج بن روبۃ نے الرقیم کا معنیٰ کتابت کرتے ہوئے کہا:

ومستقری المصحف الرقیم ([3])

ترجمہ: میرا ٹھکانہ (میرا قرار اس) محفوظ و بلند نوشتے کے پاس ہے۔

تجزیہ

مصرع میں مصحف کیلئے صفت الرقیم ذکر کی گئی جو کہ مصحف کیلئے کتابت کا معنیٰ بیان کر رہی ہے۔ یہی محل استشہاد ہے۔ اور قول یہ ہے کہ ”رقم“ اصحاب کہف کے کتے کا نام ہے۔ بعض لوگوں کا یہ قول ہے کہ جس وادی میں

1۔ الکہف: 9

2۔ عجاج بن روبہ کے کلام میں الرقیم کی بجائے المرقم کا لفظ ہے۔ یہ شعر کا پہلا مصرع ہے دوسرا مصرع یہ ہے: **عند کریم منهم مکرم**۔ (عجاج، عجاج بن روبہ، **دیوان العجاج**، (بروایہ عبد الملک بن قریب الاصمعی)، ص 52

3۔ الشوکانی، **فتح القدیر**، 3/ 343

اصحاب کہف رہتے تھے اس وادی کا نام الرقم ہے۔ جبکہ ایک قول یہ بھی ہے کہ جس پہاڑ میں وہ غار ہے اس پہاڑ کا نام "رقیم" ([1]) ہے۔

"سُرَادِقُهَا" کا معنیٰ کا شعر جاہلی سے استشہاد

اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿وَ قُلِ الْحَقُّ مِنْ رَّبِّكُمْ-فَمَنْ شَآءَ فَلْيُؤْمِنْ وَّ مَنْ شَآءَ فَلْيَكْفُرْۙاِنَّاۤ اَعْتَدْنَا لِلظّٰلِمِیْنَ نَارًاۙاَحَاطَ بِهِمْ سُرَادِقُهَا وَ اِنْ یَّسْتَغِیْثُوْا یُغَاثُوْا بِمَآءٍ كَالْمُهْلِ یَشْوِی الْوُجُوْهَؕ بِئْسَ الشَّرَابُؕ وَ سَآءَتْ مُرْتَفَقًا﴾ [2]

ترجمہ: بے شک ہم نے ظالموں کیلئے ایسی دوزخ تیار کی ہے جس کی چار دیواری ان کا احاطہ کرے گی۔

آیت میں سرادق کے لفظ کی وضاحت کرتے ہوئے امام شوکانی فرماتے ہیں کہ سرادق، سرادقات کا واحد ہے۔ علامہ جوہری نے فرمایا کہ یہ وہ چیز ہے جو گھر کے صحن کے اوپر لگائی جاتی ہے۔ (خیمہ یا ٹینٹ وغیرہ) اور ہر وہ گھر جو کپڑے کا بنا ہوا ہے اسے سرادق کہا جاتا ہے [3]۔

شعر جاہلی سے استشہاد:۔

سلامۃ بن جندل کا شعر ہے:

هو المدخل النعمان بيتا سماؤه   صدور الفيول بعد بيت مسردق [4]

ترجمہ:۔ وہ نعمان (بن منذر) کے سامنے ایسے گھر میں داخل ہوا جس کا آسمان ہاتھیوں کے سینے تھے (وہ گھر) خیمہ کے گھر کے بعد (واقع تھا)

وجہ استشہاد:۔

بیت مسردق سے مراد ایسا گھر ہے جو کپڑے کا بنا ہو خیمہ وغیرہ، چونکہ اس کی دیواریں کپڑے کی ہوتی ہیں اس لئے اسے سرادق کا نام دیا جاتا ہے۔ حضرت ابو سعید خدریؓ بیان کرتے ہیں کہ دوزخ کی سرادق چار موٹی دیواریں ہیں ہر دیوار (کی موٹائی) چالیس سال کی مسافت ہے [5]۔

"غَوْرًا" کے معنیٰ کا شعر جاہلی سے استشہاد

1-ایضا

2۔ الکہف:29

3۔ الشوکانی، **فتح القدیر**، 3/356

4۔ سلامۃ بن جندل، **دیوان سلامة بن جندل**، تحقیق: محمد بن حسن الاحول (بیروت: دار الکتاب العربی، طبع اولیٰ 1414ھ)، ص44

5۔ الترمذی، **الجامع السنن**، کتاب، باب، رقم الحدیث، 2584، /۔ مسند احمد، 3/29، قال الشیخ الالبانی، ضعیف

سورہ کہف میں اللہ تعالیٰ نے دو لوگوں کا واقعہ بیان کیا۔ ایک کافر تھا اور ایک مسلمان۔ کافر کو اللہ تعالیٰ نے انگوروں کے دو باغات عطا فرمائے دونوں باغات کھجوروں سے بھی ڈھانپے ہوئے تھے ان دونوں باغات کے درمیان پانی کی نہر تھی۔ جب دونوں باغات پوری طرح پھلوں سے لد گئے تو کافر نے مسلمان کو بلا کر اسے باغات میں لے گیا وہاں کافر نے غرور اور تکبر کرتے ہوئے باتیں کیں دولت کی وجہ سے اپنے معزز ہونے کا اعلان کیا اور قیامت کے وقوع کا صریح لفظوں میں انکار کیا بلکہ یہاں تک کہہ گیا کہ اگر قیامت قائم ہو بھی گئی تو مجھے بعد والی زندگی میں بھی اس سے بہتر ٹھکانا ملے گا۔ یہ باتیں سن کر مسلمان نے کہا کہ تو اللہ کی تخلیق کا انکار کرتا ہے اسی نے تجھے پانی کی بوند سے پیدا کیا۔ یہ باغات اسی کے عطا کردہ ہیں تو جب ان میں داخل ہوتا ہے تو کیوں نہیں اللہ کی حمد کرتا؟ ایسا بھی ہو سکتا ہے کہ اللہ تعالیٰ مجھے اس سے بہتر باغ عطا کر دے اور تیرے اس باغ پر آسمان سے بجلیاں گرا دے یا اس کا پانی زمین میں دھنس جائے اور تو اس باغ کے پانی کو دوبارہ حاصل کرنے پر قادر ہی نہ ہو گا پھر ایسا ہی ہوا باغات تباہی کا شکار ہو گئے اور وہ پچھتا تا رہ گیا[1] جب مسلمان نے کافر کے باغ کے تباہ ہونے کا ذکر کیا تو قرآن نے پانی کے زمین میں دھنس جانے کیلئے "غوراً" کا لفظ استعمال کیا۔ ﴿اَوْ يُصْبِحَ مَآؤُهَا غَوْرًا﴾[2] "غور" کے لفظ کا معنی بیان کرتے ہوئے امام شوکانی فرماتے ہیں کہ پانی کے دستیاب ہونے کے بعد اس کے معدوم ہونے کو غور کہا جاتا ہے یہ مصدر ہے اور مصدر اسم فاعل کے معنی میں ہے غور بمعنی غائر، اسم فاعل کی جگہ مصدر کو لانا مبالغہ کیلئے ہے۔ امام شوکانی نے غور کا دوسرا معنی غروب ہونا بھی بیان کیا ہے[3] اسی معنی کا استشہاد آپ نے جاہلی شاعری سے کیا ہے۔

شعر جاہلی سے استشہاد:

موخر الذکر معنی کا استشہاد امام شوکانی نے ابو ذویب الہذلی[4] کے اس شعر سے کیا ہے:

هل الدهر الا ليلة ونهارها والا طلوع الشمس ثم غيارها[5]

ترجمہ:۔ زمانہ صرف شب و روز یا سورج کے طلوع ہونے اور پھر اس کے غروب ہو جانے کا نام ہے۔

تجزیہ

1۔ الکہف: 32 تا 42

2۔ الکہف: 41

3۔ الشوکانی، **فتح القدیر**، 3/363

4۔ اصل نام خویلد بن خالد بن محرث الہذلی تھا۔ قبیلہ ہذیل کے مرثیہ گو شاعر تھے۔ مخضرمی شاعر تھے۔ اسلام قبول کیا ان کا بیٹا مصر میں طاعون کی بیماری سے فوت ہوا اس کے غم میں مرثیہ نگاری کی۔ 30 ہجری کے بعد وفات پائی۔ (الاصفہانی **'الاغانی'** 14/132)

5۔ ابو ذویب الہذلی، **دیوان الهزليين**، (شعر ابی ذویب)، 21

یہ شعر ابوزویب الہذلی نے اپنے بیٹے کے مرثیے میں لکھے اسے لامیہ مرثیہ کہا جاتا ہے۔ شاعر دنیا کی بے ثباتی کا تذکرہ کرتا ہے کہ دنیا کی زندگی سورج کے طلوع وغروب کا نام ہے طلوع شمس کے بعد غروب کے معنی کے اظہار کے لیے شاعر نے غیارہا کا لفظ بولا اس کا مادہ مجرد غور ہے۔ گویا غروب شمس کے لیے غور کے لفظ کا استعمال جاہلیت میں رائج تھا۔ طلوع الشمس کے مقابل غیارھا کے الفاظ لانا غروب شمس کا معنی دیتا ہے گویا جاہلیت میں غور کا معنی سورج کا ڈوبنا مروج تھا۔

"هَشِيْمًا" کے معنیٰ کا شعر جاہلی سے استشہاد

اللہ تعالیٰ نے نبی کریم ﷺ کو حکم دیا کہ آپ دنیوی زندگی کے فنا ہونے اور قیامت کے دن حساب ہونے کو اس مثال سے واضح کریں کہ دنیوی زندگی کی مثال اس پانی کی طرح ہے جسے ہم نے آسمان سے نازل کیا وہ پانی زمین کی نباتات سے ملا اور خوب ہریالی اور سرسبز و شادابی لایا لیکن کچھ عرصہ کے بعد وہ ہریالی ختم ہو گئی خزاں کا دور آیا اور گھاس سوکھ گئی اس سوکھی گھاس کو ہوائیں اڑا لے گئیں دنیوی زندگی کی رنگینی بھی ایک دن فنا کے گھاٹ اتر جائے گی۔ ارشاد خداوندی ہے:

﴿وَاضْرِبْ لَهُمْ مَّثَلَ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا كَمَآءٍ اَنْزَلْنٰهُ مِنَ السَّمَآءِ فَاخْتَلَطَ بِهٖ نَبَاتُ الْاَرْضِ فَاَصْبَحَ هَشِيْمًا تَذْرُوْهُ الرِّيٰحُ وَكَانَ اللّٰهُ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ مُّقْتَدِرًا﴾[1]

ترجمہ: اور آپ ان کے سامنے دنیا کی زندگی کی مثال بیان کیجئے جو اس پانی کی مثل ہے جس کو ہم نے آسمان سے نازل کیا تو اس کے سبب سے زمین کا ملا جلا سبزہ نکلا پھر وہ سوکھ کر چورا چورا ہو گیا جس کو ہوا اڑا دیتی ہے۔

گھاس کے سوکھ کر چورا چورا ہونے کیلئے قرآن نے " هَشِيْمًا "کا لفظ استعمال کیا ہے۔ " هَشِيْمً "کا معنی امام شوکانی نے بیان کیا ہے ٹوٹی ہوئی چیز۔ پانی کے نہ ملنے کی وجہ سے جو گھاس ٹوٹ جاتی ہے اسے ہشیم کہا جاتا ہے۔ "رجل هشيم" ایسے شخص کو کہا جاتا ہے جس کا بدن بہت لاغر ہو گیا ہو۔ اسی طرح "**تهشم عليه فلان**" کا لفظ اس وقت بولا جاتا ہے جب کسی پر مہربانی کی جائے۔ جب اونٹنی کا سارا دودھ دوھ لیا جائے تو اس کیلئے " **اهشم ما في ضرع الناقة**" کے الفاظ بولے جاتے ہیں اسی طرح روٹی کی ثرید بنانے کیلئے "**هشم الثريد**" کا لفظ بولا جاتا ہے۔[2]

شعر جاہلی سے استشہاد:

موخر الذکر معنی کا استدلال امام شوکانی نے اس شعر سے کیا ہے:

1۔ الکہف:45

2۔ الشوکانی، **فتح القدیر**، 3/365

عمرو الذی ھشم الثرید لقومه ورجال مکة مسنتون عجاف[1]

ترجمہ:۔ عمرو وہی ہے جس نے اپنی قوم کیلئے ثرید بنائی درآنجالیکہ مکہ کے لوگ قحط زدہ اور لاغر و کمزور ہو چکے تھے۔

تجزیہ

شعر میں ایک واقعہ کی طرف اشارہ ہے امر واقعہ یوں ہے کہ نبی علیہ السلام کے پر دادا ہاشم بن عبد مناف تھے ہاشم کا اصل نام عمرو تھا ایک دفعہ مکہ میں شدید قحط پڑا۔ کئی کئی دنوں تک لوگ فاقوں سے رہے اس دوران ہاشم ملک شام گئے وہاں تجارت کی اور واپسی پر آٹا خرید کر لائے حج کے ایام تھے آپ نے قطار در قطار اونٹ ذبح کئے اور سالن کے شوربے میں روٹیاں کوٹ کوٹ کر لوگوں کو کھلائیں۔ قحط کے بعد لوگوں نے پہلی مرتبہ خوب پیٹ بھر کر کھانا کھایا۔ ہاشم روٹیاں توڑ کر شوربے میں ملانے والے کو کہا جاتا ہے اسی وجہ سے عمرو بن عبد مناف، ہاشم کے لقب سے مشہور ہوئے[2]

روٹیوں کی ثرید بنانے والا چونکہ روٹیوں کے چھوٹے چھوٹے ٹکڑے کرتا ہے۔اس کے لئے ہشیم کا لفظ استعمال کیا گیا۔ آیت میں بھی گھاس کے چھوٹے چھوٹے ٹکڑوں کیلئے ہشیما کا لفظ استعمال ہوا ہے یہی محل استشہاد ہے۔

”رَدْمًا“ کے معنی کا شعر جاہلی سے استشہاد

قرآن میں حضرت ذوالقرنین کے بالترتیب دو سفر جانب مغرب اور جانب مشرق بیان کرنے کے بعد جب تیسرا سفر بیان ہوتا ہے جو بقول شیخ ابو الکلام آزاد[3] کے جانب شمال تھا تو وہاں ان کی ملاقات ایسی قوم سے ہوتی ہے جو جو ان کی بات سمجھ نہیں سکتی تھی انہوں نے ترجمان کے ذریعے حضرت ذوالقرنین سے کہا کہ یاجوج ماجوج ہمارے علاقے میں آکر فساد برپا کرتے ہیں ہم آپ کو ٹیکس ادا کریں گے تاکہ آپ ہمارے اور ان کے درمیان مضبوط دیوار تعمیر کر دیں۔ ذوالقرنین نے ان سے کہا کہ جو مجھے اللہ تعالیٰ نے دیا ہے وہ بہت بہتر ہے تم صرف جانی طور پر میری مدد کرو۔ میں ان کے اور تمہارے درمیان ایک مضبوط آڑ بنادوں گا۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿قَالَ مَا مَكَّنِّي فِيهِ رَبِّي خَيْرٌ فَأَعِينُونِي بِقُوَّةٍ أَجْعَلْ بَيْنَكُمْ وَبَيْنَهُمْ رَدْمًا﴾[4]

1۔ فارابی نے اس شعر کا انتساب ابن الزبعری کی طرف کیا ہے، فارابی، ابو ابراہیم اسحٰق بن ابراہیم بن الحسین الفارابی، **معجم دیوان الادب**، ط1424ھ)، 2/285

2۔ الازھری، محمد کرم شاہ، **ضیاء النبی**، 1/286

3۔ ابو الکلام آزاد، محی الدین احمد، **ترجمان القرآن** (لاہور: اسلامی اکیڈمی، ط،1976م)، 2/407

4۔ الکہف:95

ترجمہ: انہوں نے کہامیرے رب نے مجھے جن چیزوں پر قدرت دی ہے وہ زیادہ بہتر ہیں تو تم صرف محنت سے میری مدد کرو میں تمہارے اور ان کے درمیان بہت مضبوط دیوار بنادوں گا۔

ردم کی تعریف کرتے ہوئے میں امام شوکانیؒ فرماتے ہیں کہ کسی شے کے بعض حصے کو بعض پر اس طرح رکھنا کہ وہ آپس میں مل جائیں اسے ردم کہتے ہیں۔ امام ھروی کے بقول جب کسی شگاف کو بند کر دیا جائے تو کہتے ہیں "**ردمت الثملة اردمها**" یعنی شگاف کو مکمل طور پر بند کر دیا گیا ردم اور سد آپس میں مترادف ہیں۔ ایک قول یہ ہے کہ ردم سد کی نسبت زیادہ بلیغ ہے کہ سد ہر اس چیز کو کہتے ہیں جس سے کسی جگہ کی بندش کی جائے جبکہ ردم تہہ در تہہ کسی چیز کو رکھ کر خواہ وہ پتھر ہو مٹی ہو یا کوئی اور چیز کسی خلا کو پر کر دینے کا نام ہے اسی سے لفظ نکلا ہے "**ردم ثوبة**" جب کپڑے کو تہہ در تہہ رکھ دیا جائے تو یہ لفظ بولتے ہیں([1])

شعر جاہلی سے استشہاد:

جاہلی شاعر عنترہ بن شداد العبسی([2]) نے اس لفظ کو اپنے شعر کے ایک مصرعہ میں یوں بیان کیا ہے:

هل غادر الشعراء من متردم([3]) ترجمہ:۔ کیا شعراء نے کوئی قابل اصلاح جگہ چھوڑی ہے؟

تجزیہ

متردم سے مراد ایسی جگہ کہ جہاں طبع آزمائی کی گنجائش موجود ہو۔ شعراء نے ایسا خلا چھوڑا ہی نہیں ہے کہ جسے پر کرنے کیلئے شعر کہا جائے لیکن دوسرے مصرع میں شاعر کہتا ہے کہ "**ام هل عرفت الدار بعد توهم؟**" یہاں ام، بل کے معنی میں ہے اور ھل قد کے معنی میں۔ مراد یہ ہے کہ شعر گوئی کی گنجائش موجود نہ تھی لیکن چونکہ معشوقہ کے گھر کی شناخت ہو گئی تو طبیعت شعر گوئی کیلئے مچلنے لگی۔ سابقہ شعراء کے کلام کرنے کی جگہ نہ چھوڑنے کیلئے ردم کا لفظ استعمال ہوا یعنی مکمل بندش موجود ہے۔

"الصَّدَفَيْنِ" کے معنی کا شعر جاہلی سے استشہاد

1۔ الشوکانی، **فتح القدیر**، 3/393

1- عنتر بن شداد العبسی' صاحب معلقہ 525 عیسوی کو نجد میں پیدا ہوا. عنترہ لونڈی کے بطن سے پیدا ہوا تھا اس کی ماں زبیبہ حبشی تھی۔ اس کے باپ نے ابتدا اسے بیٹا شمار نہیں کیا کیونکہ بنو عبس کے ہاں یہی دستور تھا لیکن عنترہ کی شجاعت اور دلیری کی وجہ سے اسے اپنا بیٹا بنالیا۔ اس کے کلام میں غزل کی حلاوت اور فخر کی متانت موجود ہے۔ اسے شعراء کے طبقہ اولی میں شمار کیا جاتا ہے۔(زرکلی، **الاعلام**، 5/91)

3۔ یہ مصرع عنترہ کے معلقہ کے پہلے شعر کا ہے مکمل شعر یوں ہے: **هل غادر الشعراء من متردم ام هل عرفت الدار بعد توهم؟** (عنترہ، عنترہ بن شداد العبسی، **دیوان عنتر** (بیروت: المکتبۃ الجامعۃ، ط، 1893م، ص80

ذوالقرنین علیہ السلام نے دیوار کی تعمیر کا کام شروع کیا جس قوم سے افرادی قوت مانگی تھی اس سے کہا کہ لوہے کی چادریں لے کر آؤ۔ لوہے کی یہ چادریں حضرت ذوالقرنین علیہ السلام نے دو پہاڑوں کے درمیان کی جگہ پر رکھ دیں۔ جب پہاڑوں کے درمیان کا سارا خلا لوہے کی چادروں سے پر ہو گیا تو آپ نے اسے آگ لگوائی جب لوہا پگھل گیا تو آپ نے اس پر پگھلا ہوا تانبا انڈیل دیا اس سے یاجوج ماجوج کا ادھر داخلہ بند ہو گیا۔

دو پہاڑوں کے درمیان کے خلا کیلئے قرآن نے الصدفین کا لفظ استعمال کیا۔ ارشاد ربانی ہے:

﴿اٰتُوْنِیْ زُبَرَ الْحَدِیْدِ۔ حَتّٰٓی اِذَا سَاوٰی بَیْنَ الصَّدَفَیْنِ قَالَ انْفُخُوْا۔ حَتّٰٓی اِذَا جَعَلَهٗ نَارًا قَالَ اٰتُوْنِیْٓ اُفْرِغْ عَلَیْهِ قِطْرًا﴾ (1)

ترجمہ: تم میرے پاس لوہے کی چادریں لاؤ حتی کہ جب اس دیوار کو ان دونوں پہاڑوں کے برابر کر دیا تو کہا آگ کو خوب دہکاؤ یہاں تک کہ لوہے کی ان چادروں کو آگ بنا دیا (پھر) کہا میرے پاس پگھلا ہوا تانبا لاؤ جو میں اس پر انڈیل دوں۔

امام شوکانیؒ فرماتے ہیں کہ صدفان پہاڑوں کے دو کناروں کو کہتے ہیں (2) جب دونوں پہاڑوں کے کنارے باہم برابری میں ہوں اور ان کے درمیان درہ موجود ہو۔

شعر جاہلی سے استشہاد:

امام شوکانیؒ نے مذکورہ معنی کا استشہاد اس شعر جاہلی سے کیا ہے:

کلا الصدفین ینفدہ سناھا　　توقد مثل مصباح الظلام (3)

ترجمہ:۔ دونوں پہاڑوں کو اس کے (سر) کی چوٹی الگ کرتی ہے یہ (چہرہ) ایسے روشن ہے جیسے رات کا چراغ جل رہا ہو۔

تجزیہ

1۔ الکھف:96

2۔ الشوکانی، **فتح القدیر**، 3/393

3۔ امام ماوردی نے اس شعر کا انتساب عمرو بن شاس الاسدی کی طرف کیا ہے، لیکن عمر بن شاس الاسدی کے دیوان میں یہ شعر موجود نہیں ہے۔ (الماوردی، **النکت والعیون**، 2/500)

شاعر نے محبوبہ کے سر پر بندھی دو جوڑیوں کو پہاڑوں سے تشبیہ دی اور سر کے درمیان کے حصے کو "سنا" کہا۔ گویا دو ایسے پہاڑ جن کی چوٹیاں آپس میں برابر ہوں اور درمیان کی جگہ خالی ہو اس کیلئے جاہلیت میں الصدفین کا لفظ استعمال کیا جاتا تھا۔

"دَكّاً" کے معنٰی کا شعر جاہلی سے استشہاد

ذوالقرنین علیہ السلام جب مضبوط دیوار تعمیر کر چکے تو آپ نے اسے رحمت خداوندی کا شاخسانہ قرار دیا اور ساتھ ہی فرمایا کہ جب اللہ کا وعدہ یعنی روز قیامت آئے گا تو وہ اسے ریزہ ریزہ کر دے گا۔ اللہ تعالٰی نے فرمایا:

﴿قَالَ هٰذَا رَحۡمَةٌ مِّنۡ رَّبِّىۡ‌ۚ فَاِذَا جَآءَ وَعۡدُ رَبِّىۡ جَعَلَهٗ دَكَّآءَ‌ ۚ وَكَانَ وَعۡدُ رَبِّىۡ حَقًّا﴾ ([1])

ترجمہ: انہوں نے کہا یہ میرے رب کی رحمت بنی ہے اور جب میرے رب کے وعدہ کا وقت آئے گا تو وہ اس (دیوار) کو ریزہ ریزہ کر دے گا۔

امام شوکانیؒ "دَكّاً" کا معنی مستویاً بالارض کرتے ہیں یعنی جب اللہ چاہے گا اس دیوار کو زمین کی سطح کے برابر کر دے گا۔ "ناقة دَكّاً" کا لفظ ایسی اونٹنی کیلئے بولتے ہیں جس کی کوہان ابھری ہوئی نہ رہے۔ ایک قول امام شوکانیؒ نے حلیمی کے حوالے سے بیان کیا کہ دکا کا معنی ہے قطعاً متکسراً ([2])۔ یعنی ریزہ ریزہ ہو جانا۔

شعر جاہلی سے استشہاد:

مذکورہ معنی کا استشہاد شعر کے اس مصرع سے کیا گیا: **هل غير غار دک غارا فانهدم** ([3])

ترجمہ:۔ کیا کثیر جماعت کے علاوہ کثیر جماعت کو کسی نے گرایا اور وہ گر گئی۔

تجزیہ

دک سے مراد جماعت کی جمعیت کو ٹکڑے ٹکڑے کرنا ہے اور فانہدم سے مراد لشکر کا تتر بتر ہو جانا ہے یہی مفہوم آیت میں بھی بیان کیا گیا ہے۔

وحی بمعنی کتابت کا شعر جاہلی سے استشہاد

اللہ تعالٰی نے فرمایا:

﴿فَخَرَجَ عَلٰى قَوۡمِهٖ مِنَ الۡمِحۡرَابِ فَاَوۡحٰۤى اِلَيۡهِمۡ اَنۡ سَبِّحُوۡا بُكۡرَةً وَّعَشِيًّا﴾ ([4])

1۔ الکہف: 98

2۔ الشوکانی، **فتح القدیر**، 3/394

3۔ اغلب بن جشم، **دیوان اغلب بن جشم**، ص20

4۔ مریم: 11

ترجمہ: پھر زکریا اپنے حجرے سے نکل کر اپنی قوم کے پاس آئے اور ان کو اشارے سے کہا کہ تم صبح اور شام اللہ کی تسبیح کرتے رہو۔

جب اللہ تعالیٰ نے حضرت زکریا علیہ السلام کو حضرت یحییٰ علیہ السلام کی بشارت دی تو انہوں نے پہلا سوال یہ کیا کہ میرے ہاں بچہ کیسے پیدا ہو گا درآنحالیکہ میں بوڑھا ہو چکا ہوں اور میری بیوی بھی بانجھ ہے تو اللہ تعالیٰ نے جواب دیا کہ یہ کام میرے لئے آسان ہے میں نے تمہیں پیدا کیا جبکہ تم نہیں تھے۔ پھر زکریا علیہ السلام نے عرض کی کہ اے میرے رب! میرے لئے کوئی نشانی مقرر فرمادیں اللہ نے فرمایا کہ تمہارے لئے یہ نشانی ہے کہ تم تندرست ہونے کے باوجود تین دن تک لوگوں سے کلام نہیں کر سکو گے۔ جب زکریا علیہ السلام تین دن تک لوگوں سے بات نہیں کر سکتے تھے تو آپ جب حجرے سے نکل کر اپنی قوم کے پاس آئے تو ان کو اشارے سے کہا کہ تم صبح و شام اللہ کی تسبیح کرتے رہو۔ امام شوکانیؒ نے "وحی" کے لفظ کا معنی بیان کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ وحی کے دو معنی ہیں ایک اشارے سے بات کرنا اور دوسرا "کتابت" ہے

قیل معنی اوحیٰ: اومأبدلیل وقیل کتب لھم فی الارض

گویا وحی کا ایک معنی ہے لکھ کر کوئی بات بتایا،

یعنی زکریا علیہ السلام نے زمین پر لوگوں کو لکھ کر بتایا کہ صبح و شام اللہ کی تسبیح کیا کرو([1])

شعر جاہلی سے استشہاد:

امام شوکانی نے وحی کے لفظ سے کتابت کا معنی مراد لیا ہے تو اس کا استشہاد عنترہ کے اس شعر سے کیا ہے:

کوحی صحائف من عھد کسری　فاھداھا لاعجم طمطمی([2])

ترجمہ: جیسا کہ عہد کسری کے لکھے ہوئے صحائف ہوں کہ جنہیں انہوں نے ایک غیر فصیح عجمی کو ہدیہ کر دیے ہوں۔

طمطمی ایسے شخص کو کہتے ہیں جو فصاحت و بلاغت کی بولی نہ بول سکے۔

تجزیہ

اس شعر میں عنترہ نے اپنے کلام کی پختگی اور معنوی گیرائی کو قدیم ایرانی سلطنت کی معتبر تحریروں کے ساتھ تشبیہ دی ہے۔ وحی صاحب سے مراد اس کی واضح اور محفوظ لکھی ہوئی تحریریں ہیں۔ عنترہ مبالغہ کرتے ہوئے کہتا ہے کہ

1۔ الشوکانی، **فتح القدیر**، 3/408

2۔ عنترہ، **دیوان عنتر**، ص77

میر اکلام اتنا بلند ہے کہ اگر یہ غیر عرب کو بھی دیا جائے تو اس کی عظمت قائم ہو جاتی ہے۔ شعر میں وحی کا لفظ کتابت کے معنی میں استعمال ہوا ہے۔ یہی محل استشہاد ہے۔ گویا وحی کا لفظ کتابت کے معنی میں زمانہ جاہلیت میں رائج تھا۔

اَجَاءَ کے معنٰی کا شعر جاہلی سے استشہاد

اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿فَاَجَآءَهَا الۡمَخَاضُ اِلٰى جِذۡعِ النَّخۡلَةِ قَالَتۡ يٰلَيۡتَنِىۡ مِتُّ قَبۡلَ هٰذَا وَكُنۡتُ نَسۡيًا مَّنۡسِيًّا﴾ (1)

ترجمہ: پھر درد زہ ان کو ایک کھجور کے درخت کی طرف لے گیا۔

فاجاءها المخاض الی جذع الخلة

ترجمہ: انہوں نے کہا کاش میں اس سے پہلے مر جاتی اور بھولی بسری ہو جاتی۔

امام شوکانی نے "اجاء" کا معنی کیا ہے "الجا" یعنی اس نے پناہ لی (2)۔ اس معنی کا استشہاد انہوں نے زہیر بن ابی سلمٰی کے ایک شعر کے مصرع سے کیا ہے

اجاءته المخافة و الرجاء (3) ترجمہ: خوف اور امید نے اسے پناہ لینے پر مجبور کر دیا۔

تجزیہ

زہیر بن ابی سلمی اپنے ہمسائے کے مدد کے لیے آنے کے بارے میں کہتا ہے کہ خوف اور امید نے اسے میرے پاس پناہ لینے پر مجبور کیا۔ شاعر اپنی دلیری اور سخاوت دونوں باتوں کا تذکرہ کرتا ہے کہ جب بھی ہمسایہ خوف میں مبتلا ہوتا ہے تو اسے مجھ سے مدد کی امید ہوتی ہے اور وہ پناہ لینے کے لیے میرے پاس آتا ہے۔ شعر میں اجاء کا لفظ پناہ لینے کے معنی میں استعمال ہوا ہے۔ یہی محل استشہاد ہے۔

مَلِيًّا کے معنی کا شعر جاہلی سے استشہاد

اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿قَالَ اَرَاغِبٌ اَنۡتَ عَنۡ اٰلِهَتِىۡ يٰۤاِبۡرٰهِيۡمُ‌ۚ لَئِنۡ لَّمۡ تَنۡتَهِ لَاَرۡجُمَنَّكَ‌ وَاهۡجُرۡنِىۡ مَلِيًّا﴾ (4)

ترجمہ: اس نے کہا اے ابراہیم! کیا تو میرے خداؤں سے اعراض کرنے والا ہے اگر تو باز نہ آیا تو میں تجھے سنگسار کر دوں گا اور تو مجھے ہمیشہ کے لئے چھوڑ دے

1۔ مریم: 23

2۔ الشوکانی، **فتح القدیر**، 3/413

3۔ زہیر بن ابی سلمٰی، **دیوان زهیر بن ابی سلمی**، ص 14- شعر کا پہلا مصرع یہ ہے "**وجار سار معتمدا الیکم**"

4۔ مریم: 46

ملیا کا معنی امام شوکانی بیان کرتے ہیں طویل زمانہ (1) اور اس معنی کا استشہاد جاہلی شاعر مھلھل بن ربیعہ کے اس شعر سے کرتے ہیں:

شعر جاہلی سے اشتہاد:

فتصدعت صم الجبال لموته وبکت علیه المرملات ملیاً (2)

ترجمہ: اس کی موت سے مضبوط پہاڑ بھی پھٹ پڑے اور اس پر بیوائیں ایک لمبے عرصہ تک روتی رہیں۔

تجزیہ

مھلھل بن ربیعہ (3) نے یہ شعر اپنے بھائی کلیب کے مرنے پر لکھا جو جنگ بسوس میں قتل ہوا۔ اس شعر میں ملیا کا لفظ طویل زمانہ کے لئے استعمال ہوا اور یہی محل استشہاد ہے۔

"جِثِیًّا" کے معنی کا شعر جاہلی سے استشہاد

قیامت کے دن مجرموں کے اللہ کے حضور حاضر ہونے کی کیفیت بیان کرتے ہوئے فرمایا:

﴿فَوَرَبِّكَ لَنَحْشُرَنَّهُمْ وَالشَّيٰطِيْنَ ثُمَّ لَنُحْضِرَنَّهُمْ حَوْلَ جَهَنَّمَ جِثِيًّا﴾ (4)"

ترجمہ: سو آپ کے رب کی قسم! ہم ضرور ان سب کو اور شیطانوں کو جمع کریں گے پھر ہم انہیں ضرور جہنم کے گرد گھٹنوں کے بل گرے ہوئے حاضر کریں گے۔

"جِثِیًّا" کے لفظ کا معنی بیان کرتے ہوئے امام شوکانی کہتے ہیں کہ یہ "جاث" کی جمع ہے اور یہ عربوں کے اس قول "جثا علی رکبتہ" سے لیا گیا ہے جب کوئی گھٹنوں کے بل چلے تو یہ جملہ بولا جاتا ہے اور یہ لفظ آیت میں حال ہونے کی بناء پر منصوب ہے۔ دوسرا معنی بیان کرتے ہوئے امام شوکانی کہتے ہیں کہ اس کا ایک اور معنی ہے جماعات۔ یہ جثوۃ کی جمع ہے اور "جثوۃ" مٹی یا پتھر کے ڈھیر کو کہتے ہیں۔ (5)

شعر جاہلی سے استشہاد:

1۔ الشوکانی، **فتح القدیر**، 3/423

2۔ عدی بن ربیعہ، **دیوان المھلھل**، (بیروت: دار صادر، ط، 1432ھ)، ص 62

4۔ ابو لیلی مہلہل بن ربیعہ بن الحارث التغلبی پہلا عرب شاعر ہے جس نے اشعار کو منظم انداز میں بیان کیا۔ اس نے اپنے بھائی کلیب بن ربیعہ کا مرثیہ لکھا جسے بنو بکر نے قتل کیا۔ یہی قتل حرب بسوس کی وجہ بنا۔ مہلہل کی شاعری میں فخر حماسہ اور مراثی کی کثرت پائی جاتی ہے۔ (المرزبانی، **معجم الشعراء**، ص 407)

4۔ مریم: 68

5۔ الشوکانی، **فتح القدیر**، 3/432

دوسرے معنی کا استشہاد مصنف نے طرفہ بن عبد کے اس شعر سے کیا ہے:

آری جثوتین من تراب علیھما صفائح صم من صفیح منضد([1])

ترجمہ: میں نے (بخیل اور سخی کی) دو قبریں دیکھیں جیسا کہ جمع شدہ مٹی کے لاشے ہوں ان دونوں پر چوڑی چٹانیں ہیں جو ترتیب سے تہہ در تہہ رکھ دی گئی ہیں۔

تجزیہ

اس شعر میں جثوتین کے لفظ سے استدلال کیا گیا ہے اس سے مراد مٹی کے ڈھیر ہیں گویا جثیا کا معنی ہے کہ جماعت کی شکل میں جمع کی ہوئی مٹی کے ڈھیر کی صورت میں اہل دوزخ کو لایا جائے گا۔

ورود کے معنی کا شعر جاہلی سے استشہاد

﴿وَاِنْ مِّنْکُمْ اِلَّا وَارِدُھَا کَانَ عَلٰی رَبِّکَ حَتْمًا مَّقْضِیًّا﴾([2])"

ترجمہ: اور بے شک تم میں سے ہر شخص ضرور دوزخ پر وارد ہو گا یہ آپ کے رب کے نزدیک قطعی فیصلہ کیا ہوا ہے۔

یہ آیت اور سورۃ الانبیاء کی آیت "**اِنَّ الَّذِیْنَ سَبَقَتْ لَھُمْ مِّنَّا الْحُسْنٰی اُولٰئِکَ عَنْھَا مُبْعَدُوْنَ**"([3]) بظاہر متعارض نظر آتی ہیں اس آیت میں فرمایا گیا کہ تم میں سے ہر شخص ضرور دوزخ پر وارد ہو گا جب کہ سورۃ الانبیاء کی آیت میں واضح بتایا گیا کہ وہ (اہل ایمان) دوزخ سے دور رہیں گے

لہٰذا ضرورت پیش آئی کہ "ورود" کے معنی کی وضاحت کی جائے۔ بعض مفسرین کے نزدیک ورود کا معنی ہے داخل ہونا یعنی اہل ایمان دوزخ میں داخل ہوں گے لیکن وہ اہل ایمان پر ٹھنڈی اور سلامتی والی ہو جائے گی جیسے ابراہیم علیہ السلام کے لئے دنیا میں آگ سلامتی والی ہو گئی تھی۔

بعض مفسرین کے نزدیک ورود سے مراد پل صراط سے گزرنا ہے اس لحاظ سے دونوں آیات میں تطبیق ممکن ہے اور قرآن کی یہ آیت "وَلَمَّا وَرَدَ مَآءَ مَدْیَنَ ([4])" بھی ظاہر کرتی ہے کہ ورود کا معنی دخول نہیں ہے۔([5])

1۔ طرفۃ بن عبد، **دیوان طرفۃ بن العبد**، ص26 "دیوان میں "اریٰ" کی جگہ "تریٰ" کا لفظ ہے"

2۔ مریم:71

3۔ الانبیاء:101

4۔ القصص:23

5۔ الشوکانی، **فتح القدیر**، 3/433

شعر جاہلی سے استشہاد:

امام شوکانی نے سورۃ القصص کی ما قبل ذکر کردہ آیت سے استدلال کیا کہ موسیٰ علیہ السلام کے مدین کے پانی پر پہنچنے سے یہ مراد ہے کہ کنویں کے پاس آئے نہ کہ یہ معنی ہے کہ پانی کے اندر داخل ہوئے گویا ورود کا معنی دخول نہیں ہے کسی شے کے اوپر آنے کو بھی ورود کہا جاتا ہے۔ یہ لفظ زہیر بن ابی سلمیٰ نے اسی معنی میں استعمال کرتے ہوئے کہا:

فلما وردن الماءزرقا جمامة وضعن عصی الحاضر المتخیم[1]

ترجمہ: جب وہ (اونٹنیاں) کجاوے سمیت پانی پر پہنچ گئیں اس حال میں کہ چشموں کا پانی صاف شفاف تھا تو انہوں نے وہیں اقامت کرنے کا ارادہ کر لیا جیسے حضر میں خیمہ لگانے والا رہتا ہے۔

تجزیہ

اس شعر میں زہیر بن ابی سلمی اونٹنیوں کے پانی کے پاس جانے کے لیے وردن کا لفظ استعمال کرتا ہے یہی لفظ محل استدلال ہے چونکہ اونٹنیاں پانی کے پاس جاتی ہیں اس کے اندر داخل نہیں ہوتیں اس لیے ورد کے لفظ سے اشراف علیہ کا معنی ثابت ہوا۔

رکزاً کے معنی کا شعر جاہلی سے استشہاد

﴿وَكَمْ اَهْلَكْنَا قَبْلَهُمْ مِّنْ قَرْنٍ ؕ هَلْ تُحِسُّ مِنْهُمْ مِّنْ اَحَدٍ اَوْ تَسْمَعُ لَهُمْ رِكْزًا﴾[2]"

ترجمہ: اور ہم اس سے پہلے کتنی صدیوں کے لوگوں کو ہلاک کر چکے ہیں کیا آپ ان میں سے کسی کو دیکھتے ہیں یا ان میں سے کسی کی آہٹ سنتے ہیں؟ رکزاً سے مراد پست آواز ہے۔ طرفہ بن عبد کے شعر میں یہی بیان ہوا۔ امام شوکانی رکزاً کا معنی بیان کرتے ہیں الصوت الخفی، پست آواز، اس سے لفظ نکلا ہے رکزاً الرمح، جب نیزہ زمین میں گاڑھ دیا جائے اور اس کا ایک سرا زمین میں چھپ جائے[3]۔

شعر جاہلی سے تائید

طرفۃ بن عبد نے کہا:

وصادقتا سمع التوجس للسری لرکز خفی او لصوت مندد[4]

1۔ زہیر بن ابی سلمیٰ، **دیوان زهیر بن ابی سلمی**، ص66

2۔ مریم:98

3۔ الشوکانی، **فتح القدیر**، 3/445

4۔ طرفۃ بن عبد، **دیوان طرفة بن عبد**، ص23۔ "دیوان میں "رکز" کی بجائے "ھجس" کا لفظ ہے"

ترجمہ: اس کے دو کان ہیں جو رات کے چلنے کی آواز بھی سن لیتے ہیں نہ ان پر کوئی خفی راز مخفی رہتا ہے اور نہ ہی کوئی اونچی آواز ان سے چھپ سکتی ہے۔

تجزیہ

طرفہ اپنے معلقہ کے اس شعر میں اونٹنی کی سماعت کی تعریف کرتا ہے کہ وہ اہستہ اور زوردار دونوں آوازیں سن لیتی ہے پست اواز کے لیے رکز کا لفظ استعمال کیا گیا ہے گویا رکز کا لفظ جاہلیت میں اس معنی میں مستعمل رہا۔

طٰہٰ کے معنیٰ کا شعر جاہلی سے استشہاد

اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿طٰهٰ 0 مَآ اَنۡزَلۡنَا عَلَيۡكَ الۡقُرۡاٰنَ لِتَشۡقٰٓى﴾ ([1])

ترجمہ: طاھا۔ ہم نے یہ قرآن آپ پر اس لئے نہیں اتارا کہ آپ مشکل میں پڑ جائیں

طہٰ کے لفظ کا معنی بیان کرتے ہوئے امام شوکانی نے کل آٹھ اقوال بیان کئے ہیں دوسرا قول بیان کیا کہ قبیلہ عکل اور قبیلہ عک کی لغات میں طہ کا معنی "یا رجل" ہے امام کلبی کا قول امام شوکانی نے بیان کیا کہ اگر قبیلہ عک کے کسی شخص کو یا رجل کہہ کر میں پکاروں تو وہ جواب نہیں دیتا تھا جبکہ اسی شخص کو اگر طہ کہہ کر بلاؤں تو وہ جواب دے دیتا تھا گویا قبیلہ عک کے ہاں طہ کا معنی یا رجل ہے۔([2])

شعر جاہلی سے استشہاد:

امام شوکانی نے متمم بن نویرہ([3]) کا بیان کردہ شعر استشہاد کے طور پر پیش کیا:

دعوت بطه فی القتال فلم یجب　　　　فخفت علیه ان یکون موائلاً([4])

ترجمہ: میں نے جنگ کے دوران اسے طہ کہہ کر پکارا لیکن اس نے جواب نہ دیا پس مجھے خوف لاحق ہوا کہ کہیں وہ انجام کو نہ پہنچ گیا ہو۔

تجزیہ

1۔ طہ:1،2

2۔ الشوکانی، **فتح القدیر**، 447/3

3۔ متمم بن نویرہ بن جمرہ بن شداد مخضرمی شاعر تھے ان کا تعلق بنی یربوع سے تھا جو بنی تمیم کی شاخ ہے انہوں نے اپنے بھائی مالک بن نویرہ کا مرثیہ لکھا جو ان کی وجہ شہرت بنا ان کے کلام میں غم' جذباتی شدت اور بدوی معاشرت کی خصوصیات نمایاں ہیں۔ (ابن قتیبہ' **الشعر والشعراء**، 312/1)
ابن قتیبه' الشعر و الشعراء 312/1

4۔ متمم بن نویرہ، مالک و متمم ابنا نویرۃ الیربوعی (بغداد: مطبعۃ الارشاد، ط، 1968م)، ص 131

جنگ کے دوران شاعر نے اپنے قبیلے کی لغت میں آدمی کو آواز دی اور لفظ طٰہ استعمال کیا لیکن اس نے جواب نہ دیا۔ گویا شاعر کی لغت میں طٰہٰ کا معنی ''یا رَجل'' ہے۔

ونی، ینی ونیا کے معنی کا شعر جاہلی سے استشہاد

اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو حکم دیا:

﴿اِذْهَبْ اَنْتَ وَ اَخُوْكَ بِاٰيٰتِيْ وَ لَا تَنِيَا فِيْ ذِكْرِيْ﴾ [1]

ترجمہ: آپ اور آپ کا بھائی دونوں میری نشانیاں لے کر جائیں اور میری یاد میں سستی نہ کریں۔

ونی ینی ونیا کا معنی ہے کمزور ہونا امرؤالقیس کا شعر ہے

مسح اذا ما السابحات علی الونی اثرن غبار أ بالكديد المر كل [2]

ترجمہ: تیز رفتار گھوڑے کمزوری کے باوجود جب تھک جاتے ہیں تو (پھر بھی) اپنے پاؤں سے سخت زمین سے غبار اڑاتے ہیں۔

تجزیہ

شاعر اپنے گھوڑے کی مدح کرتا ہے کہ جب تھکاوٹ کے باوجود طاقت و قوت اس کی ختم نہیں ہوتی۔ تھکاوٹ کے لیے "الونی" کا لفظ استعمال کیا گیا ہے۔ تھکاوٹ کا اثر ہی سستی کی صورت میں ظاہر ہوتا ہے۔

"صَفْصَفًا" کے معنی کا شعر جاہلی سے استشہاد

قیامت کے دن پہاڑوں کی کیفیت بیان کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿وَيَسْئَلُوْنَكَ عَنِ الْجِبَالِ فَقُلْ يَنْسِفُهَا رَبِّيْ نَسْفًا O فَيَذَرُهَا قَاعًا صَفْصَفًا﴾ [3]

ترجمہ: اور لوگ آپ سے پہاڑوں کے متعلق سوال کرتے ہیں آپ کہیے میرا رب انہیں ریزہ ریزہ کر کے اڑا دے گا اور زمین کو کھلے ہوئے ہموار میدان کی حالت میں چھوڑ دے گا۔

امام شوکانی فرماتے ہیں: ''القاع الصفصف'' ایسی نرم ہموار زمین کو کہا جاتا ہے جہاں نہ نباتات ہو اور نہ کوئی مکانات وغیرہ۔

امام جوہری کہتے ہیں ''قاع'' برابر زمین کو کہا جاتا ہے جبکہ صفصف بہت نرم ہموار زمین کو۔ [4]

1۔ طٰہٰ: 42

2۔ امرؤالقیس، **دیوان امرء القیس**، 1/56

3۔ طٰہٰ: 105، 106

4۔ الشوکانی، **فتح القدیر**، 3/484

شعر جاہلی سے استشہاد:

وکم دون بیتک من صفصف   ودکداک رمل واعقادها([1])

ترجمہ: اور تمہارے گھر کے سامنے نرم ہموار زمین ہے اور سخت ریتلی گڑھوں والی محراب نماز مین بھی۔

تجزیہ

اس شعر میں شاعر محبوبہ کے گھر کے راستے کی مسافت اور مشکلات بیان کرتا ہے راستے میں انے والی ہموار زمین کے لیے شاعر صفصف کا لفظ استعمال کرتا ہے گویا جاہلیت میں صفصف سے ہموار زمین مراد لی جاتی تھی قیامت کے دن اللہ کریم پہاڑوں کو ختم کر کے ساری زمین کو چٹیل اور ہموار فرمادے گا۔

"هَمْسًا" کے معنٰی کا شعر جاہلی سے استشہاد

اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿يَوْمَئِذٍ يَّتَّبِعُوْنَ الدَّاعِيَ لَا عِوَجَ لَهٗ ۚ وَخَشَعَتِ الْاَصْوَاتُ لِلرَّحْمٰنِ فَلَا تَسْمَعُ اِلَّا هَمْسًا﴾ ([2])

ترجمہ: اس دن سب لوگ پکارنے والے کے پیچھے جائیں گے اس میں کوئی کجی نہیں ہو گی اور رحمان کے خوف سے سب کی آوازیں بہت ہوں گی سو (اے مخاطب) تو معمولی سی آہٹ کے سوا کچھ نہ سن سکے گا

امام شوکانی "همس" کا معنی بیان کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ الھمس کا معنی ہے پست آواز، اکثر مفسرین کے بقول میدان محشر کے طرف چلتے ہوئے قدموں کی آواز کو ہمس کہا گیا ہے۔([3])

شعر جاہلی سے استشہاد:

روبۃ کا شعر ہے: **لیث یدق الاسد الهموسا   ولا یهاب الفیل والجاموسا**([4])

ترجمہ: شیر جب شیر کو نرمی سے روندتا ہے تو اس سے ہاتھی اور بھینس پر بھی رعب طاری نہیں کرتا۔

تجزیہ

شیر کو ہموس اسی لیے کہتے ہیں کہ وہ انتہائی احتیاط سے پاؤں زمین پر رکھتا ہے کہ شکار اس کی آہٹ سے باخبر نہ ہو جائے۔ آیت کا ظاہری معنی یہ بتاتا ہے کہ اس سے ہر پست آواز مراد ہے بھلے قدم کی ہو، منہ سے نکلنے والی یا کوئی اور آواز۔ اور ابی بن کعب کی قراءت بھی یہی بتاتی ہے وہ پڑھتے تھے: **"فلا ینطقون الا همساً"**

1۔ اعشی، **دیوان الاعشی الکبیر**، ص73

2۔ طٰہٰ: 108

3۔ الشوکانی، **فتح القدیر**، 3/485

4۔ رؤبہ بن العجاج، **شرح دیوان رؤبہ بن العجاج**، تحقیق: الدکتور ضاحی عبد الباقی محمد (مصر: مجمع بلغۃ العربیہ، طبع اولیٰ، 1432ھ)، 2/146

گویا ایک قول یہ بھی ہے کہ ہر پست آواز کو ہمس کہتے ہیں بھلے قدم کی ہو یا منہ سے نکلنے والی۔

"ضَنۡكًا" کے معنی کا شعر جاہلی سے استشہاد

اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿وَمَنۡ اَعۡرَضَ عَنۡ ذِكۡرِیۡ فَاِنَّ لَهٗ مَعِيۡشَةً ضَنۡكًا وَّنَحۡشُرُهٗ يَوۡمَ الۡقِيٰمَةِ اَعۡمٰى﴾ [1]

ترجمہ: اور جس نے میرے ذکر سے اعراض کیا تو یقیناً اس کی زندگی بہت تنگی میں گزرے گی اور قیامت کے دن ہم اسے اندھا اٹھائیں گے۔

امام شوکانی فرماتے ہیں کہ تنگ گھر کو منزل ضنک کہا جاتا ہے گویا آیت کا معنی یہ ہے جو ذکر الٰہی یعنی اس کے دین، تلاوت قرآن اور عمل بالقرآن سے منہ موڑے گا اس کی زندگی دنیا میں تنگ ہو جائے گی معیشتہ ضنکا کا معنی ہے عیشاً ضیقاً، ضنکا مصدر ہے اور واحد تثنیہ، جمع، مذکر اور مونث کے لئے ایک ہی لفظ استعمال ہوتا ہے۔ [2]

شعر جاہلی سے استشہاد:

جاہلی شاعری میں عنترہ نے یہ لفظ تنگ مکان کے لئے یوں استعمال کیا:

ان المنیه لو تمثل مثلت   مثلی اذا نزلوا بضنک المنزل [3]

ترجمہ: بے شک اگر موت کو (کسی شکل میں) مجسم کیا جائے تو وہ ایسی صورت میں نظر ائے گی جیسے قافلہ کسی تنگ جگہ میں اترتا ہے۔

تجزیہ

اس شعر میں شاعر موت کی سختی اور ہولناکی کا تذکرہ کرتا ہے کہ اگر موت کو کسی شکل میں ڈھالا جائے تو وہ ایسے دکھائی دے گی کہ جیسے قافلہ کسی تنگ اور دشوار گزار گھاٹی میں داخل ہوتا ہے۔ جگہ کی تنگی بیان کرنے کے لیے شاعر نے ضنکا کا لفظ استعمال کیا ہے۔ اللہ تعالی نے یہی لفظ معیشت کی تنگی کے لیے بیان فرمایا گویا ضنک کا معنی زمانہ جاہلیت میں تنگی کے معنی میں مستعمل تھا۔

اس شعر میں ضنک کا لفظ ضیق یعنی تنگ جگہ کے لئے استعمال ہوا ہے۔

لھو کے معنی کا شعر جاہلی سے استشہاد

اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

1۔ طٰہٰ:124

2۔ الشوکانی، **فتح القدیر**، 3/490

3۔ عنترہ، **دیوان عنتر**، ص72

﴿لَوْ اَرَدْنَآ اَنْ نَّتَّخِذَ لَهْوًا لَّاتَّخَذْنٰهُ مِنْ لَّدُنَّآ اِنْ كُنَّا فٰعِلِيْنَ﴾ ([1])

ترجمہ: اگر ہم کوئی کھلونا بنانا چاہتے تو ہم اسے اپنے پاس سے ہی بنا لیتے اگر ہم اس کو (واقعی) بنانے والے ہوتے۔

"لھو" کے مختلف معانی بیان کرتے ہوئے امام شوکانیؒ فرماتے ہیں کہ " لھو" ہر اس چیز کو کہتے ہیں جس سے دل بہلایا جائے۔ ایک قول یہ ہے کہ بیوی اور بچہ "لھو" کہلاتے ہیں بعض کے نزدیک صرف بیوی اور بعض کے بقول صرف بچہ "لھو" کہلاتا ہے۔ امام جوہریؒ کہتے ہیں کہ کبھی "لھو" سے جماع بھی مراد لیا جاتا ہے۔([2])

شعر جاہلی سے استشہاد:

جاہلی شاعر امرؤ القیس نے یہ لفظ اسی معنی میں استعمال کیا:

الا زعمت بسباسة اليوم انني كبرت والا يحسن اللهو امثالي ([3])

ترجمہ:۔ خبر دار! کیا بسباسۃ آج یہ گمان کرتی ہے کہ میں بوڑھا ہو گیا ہوں اور یہ کہ مجھ جیسا شخص اچھے طریقے سے جماع نہیں کر سکتا۔

اسی طرح زہیر بن ابی سلمیٰ کے شعر میں بھی "لھو" کا لفظ جماع کے معنی میں مستعمل ہے۔ شعر: **وفيهن ملهى للطيف ومنظر** ([4])

ترجمہ:۔ اور حسن پرست کیلئے عورتوں (کے جسم) والے میں کھلنے کی جگہ (مقام جماع) ہے۔

تجزیہ

پہلے شعر میں امرؤ القیس اپنی معشوقہ کے بارے میں کہتا ہے کہ وہ سمجھتی ہے کہ میں بوڑھا ہو چکا ہوں اور جماع نہیں کر سکتا۔ یہ اس کی خام خیالی ہے۔ میں اس عمر میں جنسی لذت کی مکمل طاقت رکھتا ہوں جنسی طاقت یعنی جماع کے لیے اللھو کا لفظ استعمال کیا گیا ہے۔ دوسرے شعر میں زہیر بن ابی سلمی کہتا ہے کہ عورتوں میں صرف ظاہری حسن ہی نہیں ہے بلکہ نازک طبیعت رکھنے والے شخص کے لیے ملہی بھی ہے یعنی مقام جماع۔ یعنی جس طرح عورتوں کو دیکھنے سے خوشی حاصل ہوتی ہے اسی طرح ان سے جماع کر کے بھی خوب لطف اندوز ہوا جاتا ہے۔

"نَفْحَةٌ" کے معنی کا شعر جاہلی سے استشہاد

1۔ الانبیاء:17

2۔ الشوکانی، **فتح القدیر**، 3/502

3۔ امرؤ القیس، **دیوان امرء القیس**، 1/136

4۔ زہیر بن ابی سلمی، **دیوان زهير بن ابى سلمىٰ**، ص66

امام شوکانی نے شعر کا صرف ایک مصرع لکھا دوسرا یوں ہے: انيق لعين الناظر المتوسم

آتش دوزخ کے قلیل مقدار میں بھی عذاب کے بہت برا ہونے کو بیان کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿وَلَئِنْ مَّسَّتْهُمْ نَفْحَةٌ مِّنْ عَذَابِ رَبِّكَ لَيَقُوْلُنَّ يٰوَيْلَنَآ اِنَّا كُنَّا ظٰلِمِيْنَ﴾ [1]

ترجمہ: اگر ان کو آپ کے رب کا عذاب ذرا سا بھی چھو جائے تو یہ ضرور کہیں گے ہائے ہماری کم بختی ہم ضرور ظلم کرنے والے تھے۔

"نفحة" کا معنی بیان کرتے ہوئے امام شوکانیؒ کہتے ہیں کہ اس کا معنی ہے القلیل۔ کسی چیز کا کم مقدار میں پایا جانا "نفحة" کہلاتا ہے۔ یہ لفظ "نفح المسک" سے ماخوذ ہے خوشبو کا پھیلنا۔ چونکہ اس کا پھیلنا دھیما دھیما ہوتا ہے اس لئے نفح کا لفظ استعمال کیا جاتا ہے۔[2]

شعر جاہلی سے استشہاد:

"نفحة" کا مذکورہ معنی زمانہ جاہلیت کے شاعر نے بایں الفاظ بیان کیا:

وعمرة من سروات النساء   تنفح بالمسک اردانها[3]

ترجمہ:۔ اور عمرہ لمبی عورتوں میں سے ہے اس کی آستینیں جب حرکت کرتی ہیں تو ان سے عطر کی خوشبو آتی ہے۔

وجہ استشہاد:۔

"نفحة" کا لفظ قلیل مقدار کے معنی میں استعمال ہوا ہے۔ چونکہ خوشبو دھیمے دھیمے پھیلتی ہے تو شاعر نے اس کیلئے تنفح کا لفظ استعمال کیا۔

"لبُوْسٍ" کے معنی کا شعر جاہلی سے استشہاد

اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿وَعَلَّمْنٰهُ صَنْعَةَ لَبُوْسٍ لَّكُمْ لِتُحْصِنَكُمْ مِّنْۢ بَاْسِكُمْ۔ فَهَلْ اَنْتُمْ شٰكِرُوْنَ﴾ [4]

ترجمہ: اور ہم نے داؤد کو تمہارے لئے خاص لباس (زرہ) بنانا سکھایا تاکہ وہ تم کو جنگوں میں محفوظ رکھے پس کیا تم شکر ادا کرو گے؟

1۔ الانبیاء:46

2۔ الشوکانی، **فتح القدیر**، 513/3

3۔ یہ شعر قیس بن خطیم کا ہے۔ قیس بن خطیم، **دیوان قیس بن خطیم**، تحقیق: الدکتور ابراہیم السامرائی ۔ احمد مطلوب (بغداد: مطبعة العانی، ط، 1381ھ)، ص29

4۔ الانبیاء:80

اہل عرب کے ہاں ہر طرح کے اسلحہ کو "لبوس" کہا جاتا تھا اس میں زرہ، ڈھال، تلوار اور نیزے وغیرہ سب شامل ہیں۔([1])

شعر جاہلی سے استشہاد:

امام شوکانیؒ نے "لبوس" کے مذکورہ معنی کی دلیل ھذلی کے اس شعر سے دی ہے:

وعندی لبوس فی اللباس کان([2])

یہ شعر ایک مصرعہ ہے مکمل شعر یوں ہے:

ومعی لبوس للبئیس کانه روق بجبهة ذی نعاج مجفل

ترجمہ:۔اور میرے پاس بہادر شخص کیلئے ایسا اسلحہ ہے گویا کہ وہ بدکے ہوئے وحشی بیل کی پیشانی پہ لگا سینگ ہے۔

تجزیہ

لباس کا اصل معنی ہے پہننے والی چیز لیکن جاہلی ادب اور قرآنی عربی میں یہ لفظ صرف کپڑوں تک محدود نہیں بلکہ زرہ اور جنگی ہتھیاروں کے لیے بھی استعمال ہوتا ہے۔اس شعر میں بھی لبوس کا لفظ اسلحہ کے لیے استعمال ہوا ہے۔ امام شوکانی کا مستدل یہی لفظ ہے۔

حرام بمعنی واجب کا شعر جاہلی سے استشہاد

﴿وَحَرٰمٌ عَلٰی قَرْيَةٍ اَهْلَكْنٰهَآ اَنَّهُمْ لَا يَرْجِعُوْنَ﴾([3])

ترجمہ:اور جس بستی کے لوگوں کو ہم ہلاک کر چکے ان کا(دنیا میں)لوٹ کر آنا محال ہے۔

آیت کے ظاہر کا معنی یہ ہے:

"جس بستی کے لوگوں کو ہم ہلاک کر چکے ہیں ان کا(دنیا میں)لوٹ کر نہ آنا حرام ہے"

یعنی وہ دنیا میں واپس آئیں گے حالانکہ یہ امر مسلمہ ہے کہ وہ واپس نہیں آئیں گے۔ قرآن کی سینکڑوں نصوص اس پر شاہد ہیں۔امام شوکانیؒ نے اس اشکال کی دو توجیہات بیان کی ہیں۔پہلی یہ کہ "**لایرجعون**"میں لا زائدہ ہے۔اب معنی واضح ہو جاتا کہ "ان کا لوٹ کر آنا حرام ہے"۔

دوسری توجیہ یہ ہے کہ حرام بمعنی واجب ہے یعنی اس بستی کے لوگوں پر واجب کر دیا گیا ہے کہ وہ لوٹ کر دنیا میں نہ جائیں۔یہ معنی جاہلی شاعری میں مستعمل رہا ہے۔

1۔الشوکانی،**فتح القدیر**،3/523

2۔یہ شعر ابو کبیر عامر بن حلیس الھذلی کا ہے۔(**دیوان الھذلیین**،2/98

3۔الانبیاء:95

شعر جاہلی سے استشہاد:

حرام بمعنی واجب حضرت خنساء([1]) کے لکھے ہوئے مرثیہ کے شعر میں ہے جو انہوں نے اپنے بھائی صخر بن عمرو کی موت پر لکھا: **وان حراما لااری الدھر بالیا علی شجوہ الابکیت علی صخر** ([2])

ترجمہ:۔اور بے شک واجب ہے کہ میں زمانہ کو جب بھی کسی دکھ پر روتا ہوا دیکھوں تو میں صرف (اپنے بھائی) صخر کی موت پر رووٴں۔

تجزیہ

یہ شعر خنساء نے اپنے بھائی کے مرثیے میں کہا وہ کہتی ہیں کہ جب بھی زمانے میں کسی کو روتا ہوا دیکھوں گی تو مجھ پر لازم ہے کہ اپنے بھائی پر رووٴں۔ اپنے اوپر اس عمل کو لازم کرنے کے لیے انہوں نے حرام کا لفظ استعمال کیا گویا حرام کا لفظ واجب کے معنی میں مستعمل تھا۔

"ھامدۃ" کے معنی کا شعر جاہلی سے استشہاد

اللہ تعالیٰ نے بارش کے نزول کے سبب زمین کی ہریالی سے احیاء اموات پر استدلال کیا ہے۔ زمین کے بنجر ہونے کیلئے "**ھامدۃ**" کا لفظ استعمال کیا۔ امام شوکانیؒ نے "**ھامدۃ**" کے لفظ کے مختلف معانی بیان فرمائے ایک یہ کہ "**ھامدۃ**" اس خشک زمین کو کہتے ہیں جس پر کوئی نباتات نہیں اگی ہوتی۔ ایک یہ کہ خشک مردار کو "**ھامدۃ**" کہتے ہیں۔ اس معنی کی تائید امام شوکانیؒ اعشیٰ کے شعر سے کرتے ہیں۔([3])

شعر جاہلی سے استشہاد:

اعشیٰ کا شعر ہے:

قالت قتیلۃ مالجسمک شاحبا وارئ ثیابک بالیات ھموداً([4])

ترجمہ:۔ قتیلہ نے کہا تیرے جسم کو کیا ہے کیوں پیلا پڑ گیا ہے اور میں تیرے کپڑوں کو دیکھتی ہوں کہ بوسیدہ پھٹے پرانے ہیں۔

وجہ استشہاد:۔

1۔ الخنساء کا اصل نام تماضر بنت عمرو بن الحارث تھا قبیلہ بنو سلیم کی مشہور شاعرہ تھیں قبول اسلام سے پہلے اپنے بھائیوں صخر اور معاویہ کے مرثیے لکھے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی فصاحت وبلاغت کی تعریف کی جنگ قادسیہ میں ان کے چار بیٹے شہید ہوئے لیکن انہوں نے کمال صبر کا مظاہرہ کیا۔ ان کا انتقال 24 ہجری میں ہوا۔ (ابن الاثیر '**اسد الغابۃ**' 7/224)

2۔ تماضر بنت عمرو بن الحارث السلمی، **دیوان الخنساء**، تحقیق: حمدو طماس (بیروت: دار المعرفۃ، طبع ثانیہ، 1425ھ)، ص 43

3۔ الشوکانی، **فتح القدیر**، 3/545

4۔ اعشیٰ، **دیوان الاعشی الکبیر**، ص 227۔ دیوان میں "شاحبا" کی جگہ "ساہِمًا" اور "ھمودا" کی جگہ "حمدا" کے الفاظ ہیں

اس شعر میں کپڑوں کیلئے ھمود اکا لفظ استعمال ہوا ہے جس کا معنی ہے پھٹا ہوا ہونا۔ یہی محل استشہاد ہے۔

"ھامدۃ" ایسی زمین کو بھی کہتے ہیں جس پر سے شبنم ختم ہو جائے۔ بہر حال امام شوکانیؒ کہتے ہیں کہ یہ تمام اقوال باہم متقارب ہیں۔

یدعو کے معنی کا شعر جاہلی سے استشہاد

اللہ رب العالمین ارشاد فرماتے ہیں:

﴿يَدْعُوْا مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ مَا لَا يَضُرُّهٗ وَمَا لَا يَنْفَعُهٗ۔ ذٰلِكَ هُوَ الضَّلٰلُ الْبَعِيْدُ () يَدْعُوْا لَمَنْ ضَرُّهٗٓ اَقْرَبُ مِنْ نَّفْعِهٖ۔ لَبِئْسَ الْمَوْلٰى وَلَبِئْسَ الْعَشِيْرُ﴾ ([1])

ترجمہ: وہ اللہ کے سوا اس کی عبادت کرتا ہے جو اس کو نہ نقصان پہنچا سکتا ہے نہ نفع دے سکتا ہے یہی دور کی گمراہی ہے وہ اس کو پکارتا ہے جس کا ضرر اس کے نفع سے زیادہ قریب ہے وہ کیسا مددگار ہے اور کیسا برا ساتھی ہے۔

یہاں اعتراض وارد ہوتا ہے کہ پہلی آیت میں بتوں کے نفع اور نقصان پہنچانے کی سرے سے نفی کی گئی ہے جبکہ دوسری آیت میں ضرر کو نفع سے زیادہ قریب بتایا گیا ہے جس کا معنی یہ سمجھ آتا ہے کہ بت کسی حد تک نقصان پہنچا سکتے ہیں۔

اس اعتراض کا جواب امام شوکانیؒ دیتے ہیں کہ بت فی نفسہ ضرر نہیں پہنچاتے لیکن ان کی عبادت، اخروی عذاب اور ضرر کا سبب ہے۔ گویا سبب کی بناء پر ان کی طرف ضرر کی نسبت کی گئی ہے اسی بناء پر آیت کے آخری حصے کی تفسیر امام صاحب نے تخاطب کے ساتھ کی ہے یعنی کافر قیامت کے دن اپنے معبود باطل کو مخاطب کر کے کہے گا" **لبئس المولی انت و لبئس العشیر**" کہ تو بہت برا مددگار اور برا ساتھی ہے۔([2])

شعر جاہلی سے استشہاد:

یدعو بمعنی یقول پر امام شوکانیؒ عنترہ بن شداد العبسی کا شعر بیان کرتے ہیں:

یدعون عنتر و الرماح کانھا　　اشطان بئر فی لبان الادھم([3])

ترجمہ:۔ وہ (بنو عبس) عنترہ کہہ کر (مجھے مدد کیلئے) پکارتے ہیں۔ درآنحالیکہ نیزے (میرے گھوڑے) ادہم کے سینے میں کنویں کی رسیوں کی طرح آ جا رہے ہوتے ہیں۔

وجہ استشہاد:۔

1۔ الحج:12-13

2۔ الشوکانی، **فتح القدیر**، 3/549

3۔ عنترہ، **دیوان عنتر**، ص83

کافر جس طرح دنیا میں معبود باطل کو مدد کیلئے پکارتا ہے اسے مددگار اور مولی سمجھتا ہے اس سے نفع کی امید لگائے رکھتا ہے۔ اسی طرح عنترہ کہتا ہے کہ بنو عبس مجھ سے نفع کی امید لگا کر رکھتے ہیں وہ سخت جنگ کے وقت نیزوں کی بوچھاڑ میں مجھے مدد کیلئے پکارتے ہیں اور میں ان کی مدد کیلئے پہنچتا ہوں۔ صرف "یدعون" کے لفظ تک استدلال موجود ہے اس کے بعد کے حالات مختلف ہیں۔ شاعر مدد کیلئے پہنچا ہے لیکن بت قیامت کے دن نفع و نقصان کے مالک نہ ہوں گے۔ اسی وجہ سے کافر ان پر تبرا کرے گا۔

تبویہ کے معنی کا شعر جاہلی سے استشہاد

اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿وَاِذْ بَوَّاْنَا لِاِبْرٰهِيْمَ مَكَانَ الْبَيْتِ اَنْ لَّا تُشْرِكْ بِيْ شَيْئًا وَّطَهِّرْ بَيْتِيَ لِلطَّآئِفِيْنَ وَالْقَآئِمِيْنَ وَالرُّكَّعِ السُّجُوْدِ﴾ (1)

ترجمہ: اور یاد کیجئے جب ہم نے ابراہیم کیلئے کعبہ بنانے کی جگہ مقرر کردی (اور حکم دیا کہ) میرے ساتھ کسی کو شریک قرار نہ دینا اور میرے گھر کو طواف کرنے والوں اور قیام کرنے والوں اور رکوع اور سجدہ کرنے والوں کیلئے پاک رکھنا۔ باب تفعیل کے مصدر "تبویہ" سے جمع متکلم کا صیغہ بوأنا آیا ہے۔ تبویہ کا معنی ہے رہنے کیلئے ٹھکانا مہیا کرنا۔ بوأت له، مکنت له کے معنی میں ہے یعنی میں نے اسے رہنے کیلئے جگہ دی۔ گویا آیت کا معنی یہ ہے کہ ہم نے ابراہیم علیہ السلام کیلئے کعبہ کی تعمیر کیلئے جگہ مقرر کی۔ (2)

شعر جاہلی سے استشہاد:

تبویہ کا مذکورہ معنی امام شوکانیؒ نے اس شعر جاہلی سے بطور استشہاد بیان فرمایا:

کم من اخ لی ماجد بوأته بیدی لحدا (3)

ترجمہ:۔ میرے کتنے ہی بھائی ایسے تھے جو بزرگی کے حامل تھے میں نے اپنے ہاتھوں سے ان کا ٹھکانہ لحد کو بنایا۔

وجہ استشہاد:۔

شعر میں بوأته کا لفظ مکنت له کے معنی میں ہے یعنی میں نے ان کا مکان، ان کے رہنے کی جگہ قبر بنائی۔

صواف کا معنی اور اس کی دلالت:

1۔ الحج:26

2۔ الشوکانی، **فتح القدیر**، 3/557

3۔ عمرو بن معدیکرب، **دیوان عمرو بن معدیکرب الزبیدی**، ص 81۔ دیوان میں "ماجد" کی جگہ "صالح" کے الفاظ مذکور ہیں

اللہ تعالیٰ نے قربانی کے جانوروں کے متعلق احکام بیان کرتے ہوئے فرمایا:

﴿وَالْبُدْنَ جَعَلْنٰهَا لَكُمْ مِّنْ شَعَآئِرِ اللّٰهِ لَكُمْ فِيْهَا خَيْرٌ فَاذْكُرُوا اسْمَ اللّٰهِ عَلَيْهَا صَوَآفَّ فَإِذَا وَجَبَتْ جُنُوْبُهَا فَكُلُوْا مِنْهَا وَاَطْعِمُوا الْقَانِعَ وَالْمُعْتَرَّ۔ كَذٰلِكَ سَخَّرْنٰهَا لَكُمْ لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ﴾۔ (1)

ترجمہ: اور قربانی کے اونٹوں کو ہم نے تمہارے لئے اللہ کی نشانیوں میں سے بنادیا ہے ان میں تمہارے لئے بھلائی ہے پس تم ان کو قطار میں کھڑا کرکے (ان کو نحر کرنے کے وقت) اللہ کا نام لو۔ پس جب ان کے پہلو زمین پر گر جائیں تو تم خود بھی ان سے کھاؤ اور محتاج اور مانگنے والے کو بھی کھلاؤ اسی طرح ہم نے ان مویشیوں کو تمہارے لئے مسخر کردیا ہے تاکہ تم شکر ادا کرو۔

تفسیر:

البدن سے مراد قربانی کا اونٹ ہے یہ لفظ اونٹ کے ساتھ خاص ہے یا گائے کیلئے بھی بولا جاسکتا ہے اس میں ائمہ کا اختلاف ہے۔ امام ابو حنیفہ اور امام مالک کے نزدیک گائے کیلئے بھی یہ لفظ بولا جاسکتا ہے جبکہ امام شافعی کے نزدیک اس لفظ کا اونٹوں کے ساتھ اختصاص ہے۔

امام ابو حنیفہؒ لغوی معنی کا اعتبار کرتے ہیں کہ "بدنة" فربہ اور موٹے اونٹ کو کہتے ہیں اور یہ فربہی چونکہ گائے میں بھی پائی جاتی ہے اس لئے اس کیلئے بھی "بدنة" کا لفظ استعمال کیا جاسکتا ہے۔ "صواف" کا معنی بیان کرتے ہوئے امام شوکانی فرماتے ہیں کہ اونٹ کھڑے ہوں اس حال میں کہ ان کے پاؤں باندھے ہوئے ہوں کیونکہ اونٹ کو کھڑا کرکے پاؤں باندھ کر قربان کیا جاتا ہے۔ اصل میں یہ وصف اونٹ میں ہی پایا جاتا ہے لیکن گھوڑے کیلئے بھی لفظ کا استعمال کیا جاتا ہے۔ کہا جاتا ہے کہ صفن الفرس جب گھوڑا تین پاؤں پر کھڑا ہو اور چوتھے کو موڑ لے۔

امام حسن بصری، اعرج، مجاہد، زید بن اسلم اور ابو موسیٰ اشعری نے "صوافی" پڑھا ہے یعنی خالصتاً اللہ کے نام پر ذبح کرو۔ قربانی کے وقت اللہ کے سوا کسی اور کا نام نہ لو۔ "صواف" کا واحد صافة ہے اور صوافی کا واحد "صافية" ہے اور ابن مسعود، ابن عمر، ابن عباس، ابو جعفر اور محمد بن علی نے "صوافن" نون کے ساتھ پڑھا ہے۔ "صوافن" "صافنة" کی جمع ہے۔

"صافنة" اس جانور کو کہتے ہیں کہ جس کے اگلے پاؤں میں سے ایک کو باندھ کر اٹھالیا جائے تاکہ وہ حالت اضطراب میں قابو سے باہر نہ ہو۔ اللہ تعالیٰ کے فرمان: ﴿الصّٰفِنٰتُ الْجِيَادُ﴾ (2) میں الصافنات سے مراد سلمان علیہ

1۔ الحج:36

2۔ ص:31

السلام کے سامنے پیش کئے جانے والے وہی گھوڑے ہیں جو تین پاؤں پر کھڑے تھے اور چوتھے سم کا کنارہ زمین پر لگائے ہوئے تھے۔([1])

شعر جاہلی سے استشہاد:

موخر الذکر معنی کی دلیل جاہلی شاعر عمرو بن کلثوم کے شعر میں یوں ملتی ہے:

ترکنا الخیل عاکفۃ علیه　　　مقلدۃ اعنتها صفونا([2])

ترجمہ:۔ ہم نے اپنے دشمنوں کو اس حال میں چھوڑا کہ گھوڑے ان کے اوپر کھڑے تھے اور وہ ان کے نیچے ایسے دبے ہوئے تھے جیسے گھوڑوں کی لگامیں ان کے گلوں میں ہوں اور گھوڑے تین ٹانگوں پر کھڑے تھے۔

وجہ استشہاد:۔

اس شعر میں گھوڑوں کے کھڑے ہونے کی کیفیت کو "صفونا" کے لفظ سے بیان کیا گیا ہے۔ یہ وہ کیفیت ہے جب گھوڑا تین پاؤں پر کھڑا ہوتا ہے اور ایک پاؤں کا سم موڑ کر اس کا کنارہ زمین پر لگاتا ہے اس شعر میں دشمن کی کمال بے بسی بیان کی گئی ہے کہ گھوڑے پر سکون ہو کر ان پر کھڑے ہو گئے اور کھڑے ہونے کی اس کیفیت کو "صفونا" کے لفظ سے بیان کیا۔ اسی طرح امرؤالقیس کا بھی اسی معنی میں شعر ہے:

الف الصفون ممایزال کانه　　　ممایقوم علی الثلاث کسیر([3])

ترجمہ:۔ وہ پسند کرتا ہے ایسے گھوڑوں کو جو تین ٹانگوں پر کھڑے ہوتے ہیں گویا کہ ان کی چوتھی ٹانگ ٹوٹی ہوئی ہے۔

وجہ استشہاد:۔

شعر میں الصفون کی صفت بیان کی گئی کہ ایسے گھوڑے جو تین ٹانگوں پر کھڑے ہوتے ہیں گویا کہ چوتھی ٹانگ ٹوٹی ہوئی ہے۔ یہی محل استشہاد ہے۔

اس کے بعد امام شوکانی قانع اور معتر کا معنی بیان کرتے ہیں قانع کا معنی ہے سائل کہا جاتا ہے قنع الرجل جب وہ مانگنے لگے۔

شعر جاہلی سے استشہاد:

1۔ الشوکانی، **فتح القدیر**، 3/565

2۔ عمرو بن کلثوم، **دیوان عمرو بن کلثوم**، ص72

3۔ مفسرین نے یہ شعر مذکورہ آیت کی تفسیر کے تحت ذکر کیا ہے لیکن کسی نے بھی اس کا انتساب نہیں کیا، صاحب کشاف نے بھی بغیر انتساب کے ذکر کیا لیکن اس کی تخریج میں ابن منیر اسکندری نے اس کا انتساب امرءالقیس کی جانب کیا ہے لیکن دیوان امرءالقیس میں یہ شعر موجود نہیں ہے۔(الزمخشری، **الکشاف**، 4/91)

جاہلی شاعر شماخ بن ضرار غطفانی نے اس لفظ کو اپنے شعر میں یوں بیان کیا:

لمال المرء یصلحه فیغنی　　مفاقره اعف من القنوع[1]

ترجمہ:۔ آدمی کا مال اس کے (احوال) کی اصلاح کرتا ہے اور اسے غنی کر دیتا ہے اس (مال) کا اس کے ساتھ رہنا اسے سوال کرنے سے بچاتا ہے۔

وجہ استشہاد:۔

مال کی موجودگی انسان کو دست سوال دراز کرنے سے بچاتی ہے۔"اعف من القنوع"میں قنوع کا لفظ سائل کے معنی میں استعمال ہوا ہے اسی سے قانع، اسم فاعل کا صیغہ ہے۔

معتر کا معنی بیان کرتے ہوئے امام شوکانیؒ بیان کرتے ہیں کہ زیارت کرنے والے کو معتر کہا جاتا ہے اختلاف ائمہ بیان کرتے ہوئے امام شوکانیؒ کہتے ہیں کہ محمد بن کعب القرظی، مجاہد، ابراہیم، کلبی اور حسن بصری کے نزدیک معتر اس شخص کو کہتے ہیں کہ جو آتا تو ہے لیکن سوال نہیں کرتا جبکہ ایک قول یہ ہے کہ جو آتا ہے اور سوال بھی کرتا ہے اسے معتر کہا جاتا ہے۔ امام مالکؒ فرماتے ہیں میں نے جو سب سے بہترین کلام سنا وہ یہ ہے کہ قانع، فقیر کو کہتے ہیں اور تر زیارت کرنے والے کو۔ امام حسن بصری نے والمعتری پڑھا ہے معنی دونوں کا ایک ہی ہے۔[2]

شعر جاہلی سے استشہاد:

زہیر بن ابی سلمیٰ کا شعر ہے:

علی مکثریهم رزق من یعتریهم　　وعند المقلین السماحة والبذل[3]

ترجمہ:۔ اہل ثروت کے ذمہ ان لوگوں کا رزق ہوتا ہے جو ان کی ملاقات کیلئے آتے تھے اور کم مال رکھنے والوں پر (بھی) خرچ کرنا اور سخاوت کرنا (ان پر لازم ہے)۔

وجہ استشہاد:۔

یعتری سے مراد وہ شخص ہے جو ملاقات کیلئے آتا ہے لیکن دست سوال دراز نہیں کرتا۔

"مَّشِيۡدٍ" کے معنی کا شعر جاہلی سے استشہاد

اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

1۔ الذبیانی، شماخ بن ضرار بن مرحلہ الذبیانی، **دیوان شماخ بن ضرار الذبیانی**، (مصر: دار المعارف)، ص 221

2۔ الشوکانی، **فتح القدیر**، 566/3

3۔ زہیر بن ابی سلمیٰ، **دیوان زہیر بن ابی سلمی**، ص50

﴿فَكَاَيِّنْ مِّنْ قَرْيَةٍ اَهْلَكْنٰهَا وَهِيَ ظَالِمَةٌ فَهِيَ خَاوِيَةٌ عَلٰى عُرُوْشِهَا وَبِئْرٍ مُّعَطَّلَةٍ وَّقَصْرٍ مَّشِيْدٍ﴾ (1)

ترجمہ: پس ہم نے کتنی ہی بستیوں کو ہلاک کر دیا جو ظالم تھیں سو اب وہ اپنی چھتوں پر گری ہوئی پڑی ہیں اور بہت سے غیر آباد کنویں اور بہت سے مضبوط محل۔

تفسیر:

قصر مشید کی تفسیر بیان کرتے ہوئے امام شوکانیؒ نے مختلف اقوال بیان کئے ہیں۔ دو اقوال کی تائید انہوں نے اشعار جاہلیہ سے کی ہے۔پہلا قول یہ ہے کہ قصر مشید سے مراد بلند وبالا محل ہے۔ قتادہ اور ضحاک کا یہی قول ہے۔

شعر جاہلی سے استشہاد:

اس معنی کی تائید میں امام شوکانیؒ نے عدی بن زید کا شعر نقل کیا ہے:

شاده مرمرا و جلله کلسا　　فللطير في ذراه وكور (2)

ترجمہ:۔اس نے اس (عمارت کو) سنگ مرمر سے بلند کیا اور چونے سے اسے مزین کیا۔ اس کی چوٹی پر پرندے کے آشیانہ کی جگہ موجود ہے۔

تجزیہ

اس شعر میں ''شادہ'' سے مراد عمارت کی اونچائی ہے۔ مشید کے لفظ کا مادہ مجرد (ش۔ی۔د) ہی ہے گویا قصر مشید کا معنی بلند وبالا محل ہے۔

دوسرا قول جو امام شوکانیؒ نے سعید بن جبیر، عطاء، عکریہ اور مجاہد کے حوالے سے نقل کیا، یہ ہے کہ قصر مشید سے مراد ایسا محل ہے جسے چونا لگایا گیا ہو۔ مشید کا لفظ ''شید'' سے بنا ہے اور ''شید'' چونے کو کہا جاتا ہے۔(3)

شعر جاہلی سے استشہاد:

اس معنی کی تائید کیلئے امام شوکانیؒ حسب ذیل شعر ذکر کیا:

لاتحسبني وان كنت امرأ غمراً　　كحية الماء بين الطين و الشيد (4)

ترجمہ:۔مجھے حقیر گمان نہ کر اگرچہ میں ناتجربہ کار آدمی ہوں اس پانی کے سانپ کی طرح جو کیچڑ اور گچ میں ہوتا ہے۔

1۔الحج:45

2۔العبادی، عدی بن زید، **دیوان عدی بن زید العبادی**، تحقیق: محمد جبار المعید (بغداد: دار الجمہوریہ للنشر والطبع، طبع 1385ھ)، ص88

3۔الشوکانی، **فتح القدیر**، 3/571

4۔ شماخ بن ضرار، **دیوان شماخ بن ضرار الذبیانی**، ص121

وجہ استشہاد:۔

شید کا لفظ شعر میں چونے کیلئے استعمال کیا گیا ہے جب کیچڑ میں اس کے استعمال سے خاص رنگ لیا جاتا ہے گویا قصر مشید سے مراد ایسی عمارت ہے جس کی مٹی تیار کرنے کے دوران چونا شامل کر کے تعمیراتی عمل مکمل کیا گیا ہوتا ہے۔

"سُلٰلَةٍ" کے معنی کا شعر جاہلی سے استشہاد

اللہ تعالیٰ نے مٹی کے "سلالة" سے انسان کی تخلیق کا ذکر کیا۔ ارشاد ربانی ہے:

﴿وَلَقَدْ خَلَقْنَا الْإِنسَانَ مِن سُلٰلَةٍ مِّن طِينٍ﴾ ([1])

ترجمہ: اور بے شک ہم نے انسان کو مٹی کے جوہر سے پیدا کیا۔

"سلالة" کے لفظ کی تفسیر بیان کرتے ہوئے امام شوکانیؒ کہتے ہیں کہ یہ "سل" سے فعالة کا وزن ہے کسی شے کو دوسری شے سے نکالنے کیلئے "سل یسل" کا لفظ استعمال کیا جاتا ہے کہا جاتا ہے "للت الشعرة من العجين" میں نے مکھن سے بال نکالا اور کوئی کہے کہ میں نے نیام سے تلوار نکالی تو کہتے ہیں "سللت السيف من الغمد" اسی طرح نطفہ کو بھی "سلالة" کہا جاتا ہے اور بچے کو سلیل اور "سلالة" کے دونوں نام دیئے جاتے ہیں ([2])۔

شعر جاہلی سے استشہاد:

امام شوکانی نے موخر الذکر معنی کا استشہاد دو جاہلی اشعار سے کیا ہے:

فجاءت به عضب الاديم غضنفرا سلالة فرج كان غير حصين ([3])

ترجمہ:۔ اس نے ایسا بچہ جنا جو چمڑے کا کاٹنے والا شیر ہے فرج کا نطفہ بھی اس سے محفوظ نہیں ہے۔

اس شعر میں "سلالة" کا لفظ نطفہ کیلئے استعمال ہوا ہے۔ دوسرا شعر یہ ہے:

وهل هند الا مهرة عربية سلالة افراس تحللها بغل ([4])

ترجمہ:۔ ہند ایک عربی النسل گھوڑے کی اولاد ہے اس گھوڑی کا نطفہ ہے جس پر خچر آیا ہو۔

تجزیہ

1۔ المؤمنون:12

2۔ الشوکانی، **فتح القدیر**، 3/592

3۔ یہ شعر امام شوکانیؒ نے بغیر انتساب کے ذکر کیا یہ شعر حسان بن ثابتؓ کا تحریر کردہ ہے۔ حسان بن ثابت، **دیوان حسان بن ثابت** (بیروت: دار الکتب العلمیہ، طبع ثانیہ 1414ھ)، ص 251

4۔ یہ شعر امام شوکانیؒ نے بغیر انتساب کئے ذکر کیا، اسے الاغانی میں ابو الفرج الاصبہانی نے الحطیئہ کی طرف منسوب کیا ہے۔ (الاصبہانی' **الشعر والشعراء**'1/224)

اس شعر میں شاعر عورت کی تعریف کرتا ہے اور جس شخص کے ساتھ اس کا رشتہ ہوا ہے اس پر طنز کر رہا ہے کہ ہند اصیل گھوڑوں کی نسل ہے جس پر خچر آیا ہے یعنی عورت کے لیے نسب کی شرافت تبھی قائم رہتی ہے جب اس کا تعلق بھی کسی عالی نسب خاندان سے جڑے۔ اس شعر میں سلالۃ کا لفظ نطفہ کے لیے استعمال ہوا ہے۔

خلق کے معنیٰ کا شعر جاہلی سے استشہاد

تخلیق انسانی کے مختلف مراحل اللہ تعالیٰ نے بیان فرمائے اور مکمل تخلیق کا ذکر کرنے کے بعد فرمایا:

﴿فَتَبٰرَكَ اللّٰهُ اَحْسَنُ الْخٰلِقِيْنَ﴾ ([1])

ترجمہ: پس اللہ برکت والا ہے جو سب سے حسین پیدا کرنے والا ہے۔

خلق کا لغوی معنی بیان کرتے ہوئے امام شوکانیؒ فرماتے ہیں کہ لغت میں خلق کا معنی التقدیر ہے اندازہ کرنا۔ کہا جاتا ہے "خلقت الادیم" جب کوئی شخص کسی چیز کو کاٹنے کیلئے اندازہ کرے کہ کہاں سے کاٹوں تو یہ لفظ استعمال کیا جاتا ہے اس لحاظ سے احسن الخالقین کا معنی ہے اندازہ کر کے بنانے والوں میں سے سب سے زیادہ پختہ بنانے والا ([2])۔

شعر جاہلی سے استشہاد:

امام شوکانیؒ نے خلق کے لغوی معنی کا استشہاد اس شعر سے کیا ہے:

ولانت تفری ما خلقت وبع ض القوم يخلق ثم لا يفری ([3])

ترجمہ:۔ تو ایسا ہے کہ جس کام کا اندازہ کر لے تو اسے کر گزرتا ہے لیکن بہت سے لوگ ایسے ہیں جو اندازہ کر لینے کے باوجود کام نہیں کرتے (ہچکچاتے رہتے ہیں)۔

وجہ استشہاد:۔

اس شعر میں خلق، قدر کے معنی میں استعمال ہوا ہے گویا احسن الخالقین کا معنی ہے اندازہ کر کے کام کو سب سے بہتر سرانجام دینے والا۔

امت بمعنی دین کا شعر جاہلی سے استشہاد

ارشاد ربانی ہے:

﴿وَاِنَّ هٰذِهٖۤ اُمَّتُكُمْ اُمَّةً وَّاحِدَةً وَّاَنَا رَبُّكُمْ فَاتَّقُوْنِ﴾ ([4])

ترجمہ: بے شک یہ تمہارا دین ایک ہی دین ہے اور میں تمہارا رب ہوں سو تم مجھ سے ڈرو۔

1۔ المؤمنون:14

2۔ الشوکانی، **فتح القدیر**، 3/593

3۔ زہیر بن ابی سلمیٰ، **دیوان زهير بن ابی سلمیٰ**، ص32

4۔ المؤمنون:52

امام رازی، امت کا لغوی معنی بیان کرتے ہیں کہ اس آیت میں دین کیلئے امت کا لفظ استعمال ہوا ہے امت کا معنی جماعت ہے۔ حیوانات کی جتنی بھی اجناس ہیں ہر جنس ایک امت ہے۔ حدیث مبارکہ میں ہے اگر کتے امتوں میں سے ایک امت نہ ہوتے تو میں ان کو قتل کرنے کا حکم دے دیتا۔ امت کا ایک معنی طریقہ اور دین ہے کہا جاتا ہے کہ فلاں ''لا امة له'' یعنی فلاں شخص کا کوئی دین نہیں۔ قرآن مجید میں ہے ''کنتم خیر امة'' یعنی تم اہل دین میں سب سے بہتر ہو۔ اور امت کا ایک معنی وقت اور مدت ہے جیسا کہ قرآن کریم میں ہے: ''وادکر بعد امة'' اس کو ایک مدت کے بعد یاد آیا([1])۔

اس آیت میں امت سے مراد دین ہے رسولوں کو مخاطب کر کے اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ تمہارا دین اور تمہاری شریعتیں ایک ہی دین ہے گو شریعت کے احکامات میں اختلاف موجود رہا لیکن شریعت کی اصل یعنی عبادت خداوندی کی دعوت ایک ہی ہے لہٰذا یہ نقطہ تمام رسولوں کے ہاں متحدہ ہے ([2])۔

شعر جاہلی سے استشہاد:

امت کا معنی دین، مشہور جاہلی شاعر نابغہ الذبیانی کے اس شعر میں بیان کیا گیا:

حلفت فلم اترک لنفسک ریبة وھل یاثمن ذو امة وھو طائع ([3])

ترجمہ:۔ میں نے قسم کھائی سو میں نے تیرے دل میں شک کی کوئی گنجائش نہ چھوڑی۔ کیا ایک دیندار شخص گناہ کرے گا حالانکہ وہ اطاعت شعار (فرمانبردار) ہے۔

تجزیہ

نابغہ نے یہ شعر ایک مخالف اور بدگمان شخص کے جواب میں کہا شاعر کہتا ہے کہ میں نے قسم کھا کر اپنے مؤقف کی ایسی تائید پیش کی کہ کسی شک کی گنجائش نہ رہے۔ کیا مجھ جیسا دیندار شخص جھوٹ کے گناہ کا ارتکاب کر سکتا ہے گویا شاعر امة کا لفظ بول کر دین کا معنی لے رہا ہے اور ذو امة سے دینداری مراد ہے یہی محل استشہاد ہے۔

سورۃ کے لغوی معنیٰ کا شعر جاہلی سے استشہاد

سورۃ نور کی ابتداء سورۃ کے لفظ سے ہوئی۔ ارشاد ربانی ہے:

﴿سُوْرَةٌ اَنْزَلْنٰهَا وَفَرَضْنٰهَا وَاَنْزَلْنَا فِيْهَآ اٰيٰتٍ م بَيِّنٰتٍ لَّعَلَّكُمْ تَذَكَّرُوْنَ﴾ ([4])

1۔ رازی، **مختار الصحاح**، 1/22

2۔ الشوکانی، **فتح القدیر**، 3/604

3۔ الذبیانی، نابغہ، **دیوان نابغہ الذبیانی**، ص35

4۔ النور: 1

ترجمہ: یہ وہ سورت ہے جو ہم نے نازل فرمائی اور ہم نے اس (کے احکام) کو فرض کیا اور ہم نے اس میں واضح آیتیں نازل فرمائیں تاکہ تم نصیحت حاصل کرو۔

امام شوکانیؒ نے سورت کے لفظ کا لغوی معنی عزت و مرتبہ والا مقام کیا ہے اور فرمایا کہ اسی وجہ سے قرآن کی ہر صورت کو سورت کا نام دیا جاتا ہے۔([1])

شعر جاہلی سے استشہاد:

نابغہ الذبیانی کے شعر میں سورۃ کا لفظ اسی معنی میں یوں استعمال ہوا۔

الم تر ان اللہ اعطاک سورۃ ترى کل ملک دونھا یتذبذب([2])

ترجمہ:۔ کیا تو نے دیکھا نہیں کہ اللہ تعالیٰ نے تجھے وہ مقام و مرتبہ عطا کیا کہ تو ہر بادشاہ کو اس مرتبہ سے نیچے متذبذب دیکھتا ہے۔

تجزیہ

یہ شعر نابغہ نے نعمان کی مدح میں اور اس سے عذر خواہی کرتے ہوئے قصیدے میں لکھا، نابغہ نعمان کے بلند مقام کو بیان کرنے کے لیے "سورہ" کا لفظ استعمال کرتا ہے۔

شعر میں سورۃ کا لفظ بلند مقام و مرتبہ کیلئے استعمال ہوا۔ یہی سورۃ کا لغوی معنی ہے۔

"غض بصر" کے معنی کا شعر جاہلی سے استشہاد

اللہ تعالیٰ نے مومن مردوں اور مومن عورتوں کو نظریں جھکا کر رکھنے کا حکم ارشاد فرمایا:

﴿قُلْ لِّلْمُؤْمِنِيْنَ يَغُضُّوْا مِنْ اَبْصَارِهِمْ وَيَحْفَظُوْا فُرُوْجَهُمْ۔ ذٰلِكَ اَزْكٰى لَهُمْ۔ اِنَّ اللّٰهَ خَبِيْرٌ م بِمَا يَصْنَعُوْنَ O وَقُلْ لِّلْمُؤْمِنٰتِ يَغْضُضْنَ مِنْ اَبْصَارِهِنَّ وَيَحْفَظْنَ فُرُوْجَهُنَّ﴾([3])

ترجمہ: آپ مسلمان مردوں سے کہیے کہ اپنی نگاہوں کو نیچے رکھیں اور اپنی شرمگاہوں کی حفاظت کریں یہ ان کیلئے بہت پاکیزہ ہے۔ بے شک اللہ ان کاموں کی خبر رکھنے والا ہے جن کو وہ کرتے ہیں اور آپ مسلمان عورتوں سے کہیے کہ وہ اپنی نگاہوں کو نیچے رکھیں اور اپنی شرمگاہوں کی حفاظت کریں۔

ان آیات کی تفسیر میں امام شوکانیؒ غض بصر کا معنی بیان کرتے ہیں کہ پلکیں، آنکھوں پر ڈال دینا غض بصر کہلاتا ہے۔ اس سے سامنے نظر نہیں آتا۔([4])

1۔ الشوکانی، **فتح القدیر**، 5/4

2۔ نابغہ الذبیانی، **دیوان نابغہ الذبیانی**، ص 73

3۔ النور: 30-31

4۔ الشوکانی، **فتح القدیر**، 28/4

شعر جاہلی سے استشہاد:

عنترہ نے غض بصر کا یہ معنی اپنے شعر میں یوں بیان کیا:

واغض طرفی مابدت لی جارتی حتی تواری جارتی مآواھا[1]

ترجمہ:۔ جب کبھی بھی میرے سامنے پڑوسن آتی ہے تو میں اپنی نظریں جھکالیتاہوں جب تک کہ وہ اپنے گھر نہیں پہنچ جاتی۔

تجزیہ

شاعر اپنی پڑوسن کو دیکھ کر نگاہیں جھکالیتاہے اور اس بات کے اظہار کے لئے غض طرف کا لفظ استعمال کرتا ہے گویاجاہلیت میں غض بصر کالفظ اسی معنی میں مستعمل تھاجو قرآن نے بیان کئے۔

"غَیۡرِ اُولِی الۡاِرۡبَۃِ" کے معنی کاشعر جاہلی سے استشہاد

اللہ تعالیٰ نے عورتوں کوماسوائے چند لوگوں کے زیب وزینت دکھانے سے منع فرمایاجن کے سامنے زیب و زینت کا اظہار جائز ہے وہ یہ ہیں شوہر، باپ، دادا، شوہر کے باپ دادا، بیٹے، اپنے شوہروں کے بیٹے، بھائی، بھتیجے، بھانجے، اپنی جیسی دیگر خواتین، نوکرانیاں، ایسے نوکر جن کو عورتوں کی شہوت نہ ہو اور ایسے لڑکے جو عورتوں کی شرم والی باتوں پر مطلع نہ ہوں۔

ان تمام کے سامنے زیب وزینت کااظہار جائز ہے ان میں ایسے نوکر بھی شامل ہیں جنہیں عورتوں کی شہوت نہیں ہوتی۔ ان کیلئے قرآن نے ﴿اَوِ التّٰبِعِیۡنَ غَیۡرِ اُولِی الۡاِرۡبَۃِ﴾ [2] کے الفاظ بیان کئے۔

''الاربۃ''کا معنی بیان کرتے ہوئے امام شوکانیؒ فرماتے ہیں کہ ''الاربۃ'الارب'والماربۃ''کا معنی ہے ضرورت یاخواہش، اس کی جمع مآرب ہے یعنی حاجتیں یاخواہشات[3]۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: (وَلِیَ فِیۡہَا مَاٰرِبُ اُخۡرٰی)[4]

شعر جاہلی سے استشہاد:

امام شوکانیؒ''الاربۃ'' کے معنی خواہش کی دلیل طرفۃ بن عبد کے اس شعر سے لاتے ہیں:

1۔ عنترہ بن شداد، **دیوان عنتر**، ص93

2۔ النور:31

3۔ الشوکانی، **فتح القدیر**، 4/31

4۔ طہ:18، ترجمہ:(موسیٰ علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ کے سوال کے جواب میں فرمایا کہ اس ڈنڈے پر میں ٹیک لگاتاہوں بکریاں ہانکتاہوں اور اس کے علاوہ بھی کئی حاجتیں اس سے پوری کرتاہوں)۔

اذاالمرءقال الجهل والحوب والخنا   تقدم یوماثم ضاعت مآربه([1])

ترجمہ:۔جب آدمی جہالت، گناہ اور یاوہ گوئی میں لگ جاتا ہے تو ایک دن ایسا آتا ہے کہ اس کی خواہشات بھٹک جاتی ہیں۔

تجزیہ

یہ شعر عربی ادب کے حکیمانہ اور اخلاقی اشعار میں سے ہے۔ شاعر کہتا ہے کہ جب انسان علم و حکمت کی بجائے جہالت' نیکی کی بجائے بدی اور خوش گفتاری کی بجائے یاوہ گوئی میں لگ جاتا ہے تو اس کی خواہشات بھٹک جاتی ہیں وہ اپنے مقاصد کو خیر سے شر کی طرف لے جاتا ہے۔ شعر میں مآربہ کا لفظ خواہشات کا معنی میں استعمال ہوا ہے یہی محل استشہاد ہے۔

زیتون کو شجرۃ مبارکۃ کہنے کی توجیہ کا شعر جاہلی سے استشہاد

اللہ تعالیٰ نے اپنے نور کی مثال بیان کرتے ہوئے فرمایا:

﴿مَثَلُ نُوْرِهٖ كَمِشْكٰوةٍ فِيْهَا مِصْبَاحٌ۔ اَلْمِصْبَاحُ فِيْ زُجَاجَةٍ۔ اَلزُّجَاجَةُ كَاَنَّهَا كَوْكَبٌ دُرِّيٌّ يُّوْقَدُ مِنْ شَجَرَةٍ مُّبٰرَكَةٍ زَيْتُوْنَةٍ﴾([2])

ترجمہ:اس کے نور کی مثال ایسے طاق کی طرح ہے جس میں چراغ ہو۔ وہ چراغ ایک فانوس میں ہو، وہ فانوس ایک روشن ستارے کی مانند ہو، وہ چراغ برکت والے زیتون کے تیل سے روشن کیا جاتا ہے۔

"مبارکۃ" کے دو معنی امام شوکانیؒ نے بیان کئے ایک وہ شے جس کی منفعت بہت زیادہ ہو اور دوسری وہ کہ جس کی بڑھوتری زیادہ ہو چونکہ زیتون کے درخت کی منفعت بہت زیادہ ہے اور اس کی بڑھوتری بھی زیادہ ہوتی ہے اس لئے اسے شجرۃ مبارکۃ سے تعبیر کیا گیا۔([3])

شعر جاہلی سے استشہاد:

حضرت ابو طالبؓ نے مسافر بن ابی عمرو کا قصیدہ لکھتے ہوئے کہا:

لیت شعری مسافر بن ابی عمرو   ولیت یقولها المحزون

1۔ امام شوکانی نے اس شعر کا انتساب طرفۃ بن عبد کی طرف کیا ہے لیکن یہ شعر طرفہ کے دیوان میں موجود نہیں ہے۔ امام قرطبی نے بھی اس آیت کی تفسیر کرتے ہوئے اسی شعر کو نقل کرتے ہوئے اس کا انتساب طرفہ کی طرف کیا ہے۔(القرطبی، **الجامع لاحکام القرآن**،12/234)

2۔ النور:35

3۔ الشوکانی، **فتح القدیر**،4/42

بورک المیت الغریب کما　　　بورک نبع الرمان والزیتون(1)

ترجمہ:۔کاش میرا شعر مسافر بن ابی عمرو ہی ہوتا اور اس کا شاعر کوئی غمزدہ شخص ہوتا اس بے چارے میت (کی قبر) پر ایسے ہی برکت نازل ہو جیسے ریحان اور زیتون کے اگنے میں برکت رکھی گئی ہے۔

تجزیہ

زیتون کی روئیدگی کیلئے برکت کا لفظ استعمال کیا ہے چونکہ زیتون کی بڑھوتری زیادہ ہے اور اس میں کثیر منفعت رکھی گئی ہے اس کیلئے برکت کا لفظ استعمال کیا گیا ہے۔

حساب کا معنی عمل کی جزاء:۔

کفار جب اعمال خیر کا بدلہ لینے کی غرض سے آئیں گے تو وہ سراب کی طرح ہوں گے جب اعمال سراب کی طرح دیکھیں گے تو اچھے بدلے کی امید پر آگے بڑھیں گے جب وہاں پہنچیں گے تو کوئی عمل خیر موجود نہ ہو گا وہاں اللہ سے ملاقات ہو گی تو اللہ ان کا حساب چکتا کرے گا۔

"**فوفاه حسابه**" کا معنی امام شوکانیؒ نے "**جزاء عمله**" کیا ہے۔ حساب سے مراد گمان نہیں لیا گیا "**حسب یحسب حسبانا**" کا معنی گمان کرنا بھی ہے لیکن اگر گمان معنی ہو تو مفہوم یہ ہو گا کہ وہ اعمال خیر کی جزاء کے متعلق جو گمان لے کر آئے گا وہ اسے مل جائے گا حالانکہ ایسا نہیں ہو گا حساب سے مراد اس کی انکار خداوندی کی سزا ہے۔(2)

شعر جاہلی سے استشہاد:

امرؤالقیس نے کہا:**فولی مدبرا یھوی حثیثاً　　　وایقن انه لاقی الحسابا**(3)

ترجمہ:۔وہ پیٹھ پھیر کر ایسے بھاگا کہ گرتا پڑتا جارہا تھا اور اسے یقین ہو گیا کہ اب وہ اپنے انجام بد کو پہنچنے والا ہے۔

تجزیہ

امرؤالقیس کے باپ حجر بن الحارث کو بنو اسد کے ایک شخص نے قتل کر دیا تھا یہ شعر امرؤالقیس نے اپنے والد کے قتل کا بدلہ لینے کے حوالے سے ذکر کیا ہے۔وہ کہتا ہے کہ جب میں قاتل سے بدلہ لینے کے لیے پہنچا تو وہ مجھے دیکھ کر بھاگا اور گرتا پڑتا جارہا تھا اور اسے معلوم ہو گیا کہ وہ اپنے برے انجام کو پہنچنے والا ہے گویا حساب کا لفظ برے انجام کے معنی میں زمانہ جاہلیت میں رائج تھا۔

1۔ ابوطالب، عبد مناف بن عبد المطلب بن ہاشم بن عبد مناف، دیوان ابی طالب بن عبد مناف، تحقیق: شیخ محمد حسن (بیروت: دار و مکتبہ الھلال، طبعہ اولیٰ، 1421ھ)، ص 53۔ دیوان میں "نبع الرمان" کی جگہ "نضر الریحان" کے کلمات ہیں۔

2۔ الشوکانی، **فتح القدیر**، 4/49

3۔ امام شوکانی کے علاوہ، امام قرطبی اور صاحب تفسیر "**الحاوی فی تفسیر القرآن العظیم**" نے امرءالقیس کی طرف منسوب کیا ہے لیکن یہ شعر "دیوان امرءالقیس" میں مرقوم نہیں ہے۔ (القرطبی، الجامع لاحکام القرآن، 4/283۔ /- عبد الرحمٰن بن محمد، **الحاوی فی تفسیر القرآن العظیم**، 3/161)

"يُزْجِىْ سَحَابًا" کے معنی کا شعر جاہلی سے استشہاد

نزول بارش کے مراحل بیان کرتے ہوئے اللہ نے بادلوں کو چلانے کیلئے "یزجی" کا لفظ استعمال کیا۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ اَلَمْ تَرَ اَنَّ اللّٰهَ يُزْجِىْ سَحَابًا ثُمَّ يُؤَلِّفُ بَيْنَهٗ ثُمَّ يَجْعَلُهٗ رُكَامًا فَتَرَى الْوَدْقَ يَخْرُجُ مِنْ خِلٰلِهٖ وَيُنَزِّلُ مِنَ السَّمَآءِ مِنْ جِبَالٍ فِيْهَا مِنْ م بَرَدٍ فَيُصِيْبُ بِهٖ مَنْ يَّشَآءُ وَيَصْرِفُهٗ عَنْ مَّنْ يَّشَآءُ۔ يَكَادُ سَنَا بَرْقِهٖ يَذْهَبُ بِالْاَبْصَارِ﴾ (1)

ترجمہ: کیا آپ نے نہیں دیکھا کہ اللہ بادلوں کو چلاتا ہے پھر ان کو (باہم) جوڑ دیتا ہے پھر ان کو تہہ بہ تہہ کر دیتا ہے پھر آپ دیکھتے ہیں کہ ان کے درمیان سے بارش ہوتی ہے اور اللہ آسمان کی طرف سے پہاڑوں سے اولے نازل فرماتا ہے سو وہ جس پر چاہے اولوں کو برسا دیتا ہے اور جس سے چاہے ان کو پھیر دیتا ہے قریب ہے کہ بجلی کی چمک آنکھوں کی بینائی لے جائے۔

اس آیت میں تین الفاظ ایسے ہیں جن کا معنی بیان کرتے ہوئے امام شوکانیؒ نے استشہاد اشعار جاہلیہ سے کیا ہے۔ پہلا لفظ "یزجی" دوسرا "ودق" اور تیسرا "سنا" ہے تینوں کا معنی ذیل میں بیان کیا جاتا ہے۔

ازجاء باب افعال کا مصدر ہے اسی سے فعل مضارع یزجی ہے۔ یزجی کا معنی امام شوکانیؒ نے بیان کیا:

"السوق قليلا قليلا"(2)

ترجمہ:۔ تھوڑا تھوڑا لے کر جانا۔

شعر جاہلی سے استشہاد:

اس معنی کی دلیل میں امام شوکانیؒ نے دو اشعار ذکر کئے۔ دونوں اشعار نابغہ الذبیانی کے ہیں۔ نابغہ الذبیانی کہتا ہے:

انی اتیتک من اهل و من وطنی ازجی حشاشة نفس ما بها رمق (3)

ترجمہ:۔ میں اپنے اہل و عیال اور وطن کو چھوڑ کر تیرے پاس آیا ہوں اس حال میں کہ میں اپنے مفلوج جسم کو گھسیٹ رہا ہوں جس میں زندگی کی کوئی رمق باقی نہیں ہے۔

دوسرے شعر میں نابغہ کہتا ہے:

1۔ النور:43

2۔ الشوکانی، **فتح القدیر**، 51/4

3۔ اس شعر کو امام شوکانی نے نابغہ الذبیانی کی طرف منسوب کیا ہے لیکن یہ شعر نابغہ الذبیانی اور نابغہ الجعدی دونوں کے دواوین میں نہیں ہے۔

اسرت علیه من الجوزاء ساریة　　　یزجی السماک علیه جامد البرد([1])

ترجمہ:۔ اس پر جوزا برج سے ایک بادل رات کو چھایا جو یخ بستہ پانی سے بھی مچھلی کو کھینچ لاتا ہے۔

وجہ استشہاد:۔

پہلے شعر میں شاعر انتہائی لاغر حالت میں اپنے آپ کو گھسیٹ کر محبوب کے پاس لانے کا ذکر کرتا ہے چونکہ گھسیٹنے کے دوران حرکت آہستہ آہستہ ہوتی ہے اس لئے شاعر نے "یزجی" کا لفظ استعمال کیا ہے۔

دوسرے شعر میں مچھلی کی پانی میں حرکت بیان کرنے کیلئے شاعر نے یزجی کا لفظ استعمال کیا چونکہ وہ بھی آہستہ آہستہ ہوتی ہے اس لئے اس کے لئے یہی لفظ بولا گیا۔

"فتری الودق" کے معنی کا شعر جاہلی سے استشہاد

امام شوکانیؒ نے الودق کے دو معانی بیان کئے ایک بارش جبکہ دوسرا بجلی، پہلے معنی کے بارے میں کہا کہ جمہور کے نزدیک یہی معنی ہے اور اسی معنی کو امام شوکانیؒ نے ترجیح بھی دی([2])

وجہ ترجیح یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے بادلوں کے بننے کا مرحلہ بیان کیا پھر بارش کے بادلوں سے برسنے کا تذکرہ فرماتے ہوئے یہ لفظ استعمال ہوا لہٰذا ودق کے لفظ کا معنی بارش زیادہ قرین قیاس ہے۔

شعر جاہلی سے استشہاد:

ودق کے پہلے معنی بارش کا استشہاد امام شوکانیؒ نے دو جاہلی شعراء کے اشعار سے کیا ہے پہلا شعر امام شوکانیؒ نے بغیر انتساب کے ذکر کیا۔ جو عامر بن جوین الطائی کا ہے یہ زمانہ جاہلیت کا شاعر ہے جبکہ دوسرا شعر امرؤالقیس کا ہے۔ عامر بن جوین الطائی کہتا ہے: **فلا مزنة ودقت ودقها　　　ولا ارض ابقل ابقالها**([3])

ترجمہ:۔ کسی بادل نے اپنا سارا پانی نہیں برسایا اور نہ زمین کے کسی ٹکڑے نے اپنا سارا سبزہ اگایا۔

جبکہ امرؤالقیس کہتا ہے: **فدمعها ودق وسح وديمة　　　وسكب وتوكاف وتنهلان**([4])

ترجمہ:۔ ان دونوں آنکھوں کے آنسو بارش (کی طرح) ہیں لگاتار بہنے والے ہیں ٹپکتے رہتے ہیں (آنکھوں سے) لگاتار رواں رہتے ہیں۔

1۔ نابغہ الذبیانی، **دیوان نابغه الذبیانی**، ص18۔ دیوان میں "یزجی السماک" کی بجائے "تزجی الشمال" کے الفاظ ہیں۔

2۔ الشوکانی، **فتح القدیر**، 52/4

3۔ ابن منظور نے لسان العرب میں اس شعر کا انتساب عامر بن جوین الطائی کی طرف کیا ہے۔ (ابن منظور، **لسان العرب**، 111/7)

4۔ امرؤالقیس، **دیوان امرءالقیس**، 159/1۔ دیوان میں "سکب" کی جگہ "رش" کا لفظ ہے۔

وجہ استشہاد:۔

پہلے شعر میں بادل کے بارش برسانے کا ذکر ہے اور اس کیلئے شاعر نے ودق کا لفظ اور دوسرے شعر میں آنکھوں سے نکلنے والے آنسوؤں کیلئے ودق کا لفظ استعمال کیا گیا گویا دونوں اشعار میں پانی کیلئے یہ لفظ استعمال ہوا۔ لہذا ودق کا معنی المطر متحقق ہوا۔

"سَنَابَرْقِهٖ" کے معنی کا شعر جاہلی سے استشہاد

آیت کے آخری الفاظ ﴿يَكَادُ سَنَابَرْقِهٖ يَذْهَبُ بِالْأَبْصَارِ﴾ میں لفظ سنا کا معنی امام شوکانیؒ بیان کرتے ہیں کہ سنا کا معنی ہے الصنوء (روشنی) معنی یہ ہے کہ قریب ہے کہ بجلی کی روشنی آنکھوں کی بینائی لے جائے۔

شعر جاہلی سے استشہاد:

اس معنی کی تائید میں امام شوکانیؒ دو جاہلی شعراء کے اشعار بیان کئے۔ شماخ الذبیانی [1] نے کہا:

وما كادت اذا رفعت سناها　　　ليبصر ضوءها الا البصير [2]

ترجمہ:۔ اور جب اس (لیلیٰ کے چہرے) کی روشنی (خوبصورتی) عیاں ہوتی ہے کہ اسے دیکھا جائے تو کوئی دیکھنے والا ہی اسے دیکھنے کے قابل ہوتا ہے۔

امرؤ القیس نے کہا:

يضيء سناه او مصابيح راهب　　　امال السليط فى الزبال المفتل [3]

ترجمہ:۔ کیا یہ بجلی کی روشنی چمک رہی ہے یا اس راہب کے چراغ ہیں جس نے بٹی ہوئی بتیوں پر تیل چھڑکا دیا ہو۔

وجہ استشہاد:۔

دونوں اشعار میں سنا کا لفظ ضیاء اور روشنی کے معانی میں استعمال ہوا۔ یہی محل استشہاد ہے۔

"نُشُوْرًا" کے معنی کا شعر جاہلی سے استشہاد

1- الشماخ بن ضرار بن ربیعہ الذبیانی کا شمار مخضرمی شعراء میں ہوتا ہے۔ بعض روایات کے مطابق انہوں نے اسلام قبول کیا لیکن نبی علیہ الصلوۃ والسلام سے ملاقات نہ کر سکے ان کے کلام میں فخر 'وصف صحراء' جنگی غیرت اور اخلاقی مضامین شامل ہیں انہوں نے بنو ذبیان اور بنو عبس کے درمیان ہونے والی جنگوں میں بھی حصہ لیا۔ تقریباً 30 ہجری میں وفات پائی۔ (الزرکلی '**الاعلام**' 3/146)

2۔ شماخ الذبیانی، **دیوان شماخ بن ضرار الذبیانی**، ص 152

3۔ امرؤ القیس، **دیوان امرء القیس**، 64/1

اللہ تعالیٰ نے کفار کے معبودان باطلہ کی حقیقت بیان کرتے ہوئے بتایا کہ وہ نہ تو کسی چیز کے خالق ہیں بلکہ خود مخلوق ہیں نہ نفع، نقصان کے مالک ہیں اور نہ موت وحیات اور قیامت کے دن اٹھانے پر قدرت رکھتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿وَاتَّخَذُوا مِنْ دُوْنِهٖٓ اٰلِهَةً لَّا يَخْلُقُوْنَ شَيْـًٔا وَّهُمْ يُخْلَقُوْنَ وَلَا يَمْلِكُوْنَ لِاَنْفُسِهِمْ ضَرًّا وَّلَا نَفْعًا وَّلَا يَمْلِكُوْنَ مَوْتًا وَّلَا حَيٰوةً وَّلَا نُشُوْرًا﴾ (1)

ترجمہ: اور لوگوں نے اللہ کے سوا اور معبود قرار دے جو کسی چیز کو پیدا نہیں کر سکتے وہ خود پیدا کئے گئے ہیں اور نہ وہ اپنے لئے کسی ضرر اور نفع کے مالک ہیں اور نہ وہ موت کے مالک ہیں اور نہ حیات کے اور نہ مرنے کے بعد زندہ کئے جانے کے۔

"نشوراً" کے لفظ پر بحث کرتے ہوئے امام شوکانیؒ فرماتے ہیں کہ موت کے بعد زندہ کرنے کو نشور کہتے ہیں کہا جاتا ہے: "انشر اللہ الموتی فنشروا" (2)

ترجمہ:۔ اللہ نے مردوں کو زندہ کیا اور وہ اٹھ کھڑے ہوئے۔

شعر جاہلی سے استشہاد:

اعشیٰ نے کہا:

حتی یقول الناس مما راوا　　یا عجبا للمیت الناشر (3)

ترجمہ:۔ یہاں تک کہ جو کچھ لوگوں نے دیکھا اس کی وجہ سے کہنے لگے حیرت ہے اس میت پر جو دوبارہ زندہ ہونے والا ہے۔

وجہ استشہاد:۔

الناشر سے مراد مرنے کے بعد جی اٹھنا ہے یہی نشوراً کا معنی ہے۔

"حِجْرًا مَّحْجُوْرًا" کے معنی کا شعر جاہلی سے استشہاد

کفار نے جب فرشتوں کے نزول اور رویت باری تعالیٰ کا مطالبہ کیا تو اللہ تعالیٰ نے اس کے جواب میں فرمایا:

﴿يَوْمَ يَرَوْنَ الْمَلٰٓئِكَةَ لَا بُشْرٰى يَوْمَئِذٍ لِّلْمُجْرِمِيْنَ وَيَقُوْلُوْنَ حِجْرًا مَّحْجُوْرًا﴾ (4)

1۔ الفرقان:3

2۔ الشوکانی، **فتح القدیر**، 4/76

3۔ الاعشیٰ، **دیوان الاعشی الکبیر**، ص18

4۔ الفرقان:22

ترجمہ: جس روز دیکھیں گے فرشتوں کو تو کوئی خوشی کی بات نہ ہوگی اس روز مجرموں کیلئے اور فرشتے کہیں گے تمہارے لئے (جنت کا داخلہ) قطعاً حرام ہے۔

"**حجرا محجوراً**" کے الفاظ کی وضاحت کرتے ہوئے امام شوکانیؒ فرماتے ہیں کہ عرب یہ لفظ دشمن سے مقابلے کے وقت بولتے تھے یا کوئی اچانک یلغار ہوتی تو استعاذہ کے طور پر الفاظ بولتے تھے۔ کسی شخص کو کہا جاتا کیا تو یہ کام کرے گا؟ وہ جواب دیتا "**حجرا محجوراً**" معنی یہ ہوتا کہ تجھ پر حرام ہے کہ تو مجھے ایسا کہے۔ آیت کا یہ معنی کیا گیا کہ فرشتے، کفار سے کہیں گے "**حجرا محجوراً**" یعنی تمہارے لئے جنت میں داخل ہونا قطعی طور پر حرام کر دیا گیا ہے۔

شعر جاہلی سے تائید:

امام شوکانیؒ نے بیان کردہ معنی کی تائید دو اشعار جاہلیہ سے کی۔

الا اصبحت اسماء حجراً محرما و اصبحت من ادنی حمو متها حماء(1)

ترجمہ:۔ خبردار! اسماء (مجھ پر) مکمل طور پر حرام ہوگئی اور میں اس کا خاوند رہنے کے بعد اب اس کے شوہر کا بھائی بن گیا۔

ایک اور شاعر نے کہا:

حنت الی النخلة القصوی فقلت لها حجر حرام الا تلک الدهاریس(2)

ترجمہ:۔ اونٹنی دور کے کھجوروں کے درختوں کی مشتاق تھی تو میں نے اس سے کہا کہ وہ تیرے لئے مکمل طور پر حرام ہو چکے خوب جان لے کہ اب وہاں صرف آلام و مصائب ہی ہیں۔

دونوں اشعار میں حجراً کا لفظ قطعی حرام ہونے کے معنی میں استعمال ہوا۔ پہلے شعر میں طلاق کے بعد بیوی کے بھابھی بن جانے کی وجہ سے مکمل حرام ہونے کیلئے شاعر نے یہ لفظ استعمال کیا اور دوسرے شعر میں عمرو بن منذر کے حکم قتل کی وجہ سے متلمس کے عراق داخلہ پر پابندی لگنے سے عراق کے اس کیلئے حرام ہونے کو شاعر نے حجراً کے لفظ سے بیان کیا۔ یہی لفظ آیت میں بھی اسی معنی کے مستعمل ہے کہ فرشتے کفار کا جنت میں داخلہ ہمیشہ کیلئے حرام ہونے کا ذکر کر رہے ہیں اور لفظ "**حجرا محجوراً**" استعمال کرتے ہیں۔

"الرس" سے کیا مراد ہے:

1۔ یہ شعر امام شوکانیؒ نے بغیر انتساب کے ذکر کیا۔ صاحب لسان العرب نے اسے عبد اللہ بن عجلان النہدی کی طرف منسوب کیا۔ اسماء، عبد اللہ کی بیوی تھی عبد اللہ نے جب اسماء کو طلاق دی تو عبد اللہ کے بھائی نے اس سے شادی کر کے اس پر عبد اللہ نے یہ شعر لکھا۔ (ابن منظور، **لسان العرب**، 14/197)

2۔ متلمس نے یہ شعر عراق کے فراق میں لکھا۔ وہاں بادشاہ عمرو بن منذر نے ہجو کرنے کی وجہ سے متلمس کے قتل کا فرمان جاری کیا تھا۔ متلمس کہتا ہے کہ میری اونٹنی ارض عراق کے کھجوروں کے درختوں کا اشتیاق رکھتی ہے لیکن میں اسے منع کرتا ہوں۔ (متلمس، **دیوان شعر المتلمس الضبحی**، ص 85)

اللہ تعالیٰ نے مختلف قوموں کی تباہی کا ذکر فرمایا: قوم نوح، قوم عاد، قوم ثمود، اصحاب الرس اور دیگر بستیوں کی تباہی کا ذکر فرمایا۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿وَقَوْمَ نُوْحٍ لَّمَّا كَذَّبُوا الرُّسُلَ اَغْرَقْنٰهُمْ وَ جَعَلْنٰهُمْ لِلنَّاسِ اٰيَةً۔ وَاَعْتَدْنَا لِلظّٰلِمِيْنَ عَذَابًا اَلِيْمًا O وَّ عَادًا وَّ ثَمُوْدَا وَ اَصْحٰبَ الرَّسِّ وَ قُرُوْنًا بَيْنَ ذٰلِكَ كَثِيْرًا﴾ (1)

ترجمہ: اور قوم نوح کو یاد کرو جب انہوں نے جھٹلایا رسولوں کو تو ہم نے انہیں غرق کر دیا اور بنا دیا انہیں دوسرے لوگوں کیلئے عبرت اور تیار کر رکھا ہے ہم نے ظالموں کیلئے دردناک عذاب۔ اور یاد کرو قوم عاد، ثمود اور اصحاب رس کو اور ان کثیر التعداد قوموں کو جو ان کے درمیان گزریں۔

اصحاب الرس کی تفسیر بیان کرتے ہوئے امام شوکانیؒ فرماتے ہیں کہ "رس" کلام عرب میں ایسے کنویں کو کہتے ہیں جو اوپر سے ڈھکا نہیں ہوتا اس کی جمع رساس ہے۔ (2)

شعر جاہلی سے تائید:

الرس کے اس معنی کی تائید امام شوکانیؒ نے اس شعر سے کی:

وهم سائرون الی ارضهم فیالیتهم یحفرون الرساسا (3)

ترجمہ:۔ وہ اپنے علاقہ کی طرف جا رہے ہیں اے کاش! وہ کنویں کھود لیتے۔

وجہ استشہاد:۔

شعر میں الرساس کا لفظ جمع ہے الرس کی رس، کنویں کو کہتے ہیں "**یحفرون الرساس**" سے مراد ہے کنویں کھود لیتے۔

اب سوال یہ پیدا ہوا کہ یہ کنواں کہاں ہے جس کی بناء پر اصحاب الرس کا لفظ استعمال ہوا۔ امام شوکانیؒ نے مختلف اقوال بیان کئے۔ سدی کا قول ہے کہ انطاکیہ میں ہے یہاں کے لوگوں نے حبیب النجار کو شہید کیا جن کا سورۃ یٰس میں ذکر ہے:

﴿قَالَ يٰقَوْمِ اتَّبِعُوا الْمُرْسَلِيْنَ﴾ (4)

1۔ الفرقان:37-38

2۔ الشوکانی، **فتح القدیر**، 4/ 93،

3۔ امام شوکانی نے یہ شعر بغیر انتساب کے ذکر کیا، محل استشہاد کے الفاظ نابغہ الجعدی کے کلام میں موجود ہیں۔ لیکن مکمل شعر ان الفاظ کے ساتھ موجود نہیں ہے۔ نابغہ کے کلام شعر یوں ہے، "سبقت الی فرط ناھل --- تنابلة یحفرون الرساساء "(نابغہ الجعدی، **دیوان نابغہ الجعدی**، ص 101)

4۔ یٰس:20

مقاتل اور عکرمہ کا بھی یہی قول ہے۔ایک قول یہ ہے کہ یہ قوم آذربائیجان میں ہے یہاں کے لوگوں نے انبیاء کو شہید کیا تو اللہ کا عذاب یہ آیا کہ درخت سوکھ گئے اور کھیتیاں برباد ہوگئیں اور یہ لوگ بھوکے پیاسے مر گئے۔ کہا جاتا ہے کہ یہ لوگ درخت کی پوجا کرتے تھے۔ ایک قول یہ ہے کہ بتوں کے پجاری تھے اللہ تعالیٰ نے ان کی طرف حضرت شعیب علیہ السلام کو بھیجا انہوں نے انہیں جھٹلایا اور اذیتیں پہنچائیں۔ ایک قول یہ ہے کہ ان کی طرف اللہ نے نبی بھیجا اور ان لوگوں نے انہیں کھالیا۔ ایک قول یہ ہے کہ اس سے اصحاب الاخدود ہی مراد ہیں۔ ایک قول یہ ہے کہ بئر معطلۃ سے یہی رس مراد ہے۔ جبکہ صحاح میں ہے کہ الرس قوم ثمود کے آثار میں واقع ایک کنویں کا نام ہے اسی طرح بنی اسد کی لغت میں پانی اور کھجور کے ملاپ کو الرس کہا جاتا ہے۔ ایک قول یہ ہے کہ پہاڑوں پر پڑنے والی برف کو بھی رس کہا جاتا ہے۔ یہ بھی کہا گیا کہ الرس ایک وادی کا نام ہے۔([1])

شعر جاہلی سے تائید:

الرس وادی کا نام ہے اس معنی کی تائید امام شوکانیؒ نے زہیر بن ابی سلمٰی کے معلقہ کے اس شعر سے کی ہے۔

بکرن بکورا واستحرن بسحرة　　فهن لوادی الرس کالید للغم([2])

ترجمہ:۔وہ صبح سویرے اٹھیں اور تڑکے سے چل دیں وہ وادی رس کی طرف ایسے جارہی تھیں جیسے منہ کیلئے ہاتھ۔

محل استشہاد:۔

شاعر نے وادی رس کا نام لیا ہے گویا کہ یہ کسی مخصوص وادی کا نام ہے۔

"ظل اور فئی" کے معنی کا شعر جاہلی سے استشہاد

اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿اَلَمۡ تَرَ اِلٰى رَبِّكَ كَيۡفَ مَدَّ الظِّلَّ ۚ وَلَوۡ شَآءَ لَجَعَلَهٗ سَاكِنًا ۚ ثُمَّ جَعَلۡنَا الشَّمۡسَ عَلَيۡهِ دَلِيۡلًا﴾([3])

ترجمہ: کیا آپ نے نہیں دیکھا اپنے رب کی طرف کیسے پھیلا دیتا ہے سایہ کو اور اگر چاہتا تو بنا دیتا اسے ٹھہرا ہوا پھر ہم نے بنادیا آفتاب کو اس پر دلیل۔

1۔الشوکانی،**فتح القدیر**،4/93-94

2۔زہیر بن ابی سلمٰی،شاعر اپنی محبوبہ کے کھنڈر بنے گھر کے پاس کھڑا ہے اور تخیلات میں اپنی محبوبہ کو سہیلیوں کے ہمراہ سواریوں پر سوار دیکھ رہا ہے شاعر کہتا ہے کہ وہ اپنی وادی رس کی طرف ایسے بے تکلف اور آزادانہ طور پر جاری ہیں جیسے منہ کیلئے ہاتھ۔ہاتھ،منہ کی طرف جاتے ہوئے ادھر ادھر نہیں ہوتا۔اس طرح وہ بھی راستہ بالکل نہیں بھول رہیں۔(زہیر بن ابی سلمٰی،**دیوان زہیر بن ابی سلمی**،ص66)

3۔الفرقان:45

امام شوکانیؒ الظل کے لفظ پر بحث کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ الظل، طلوع فجر سے لے کر طلوع شمس تک کے سائے کو کہا جاتا ہے۔ امام حسن بصری اور قتادہ کا یہی قول ہے اور ایک قول یہ ہے کہ غروب شمس سے لے کر طلوع آفتاب تک کے سایہ کو الظل کہا جاتا ہے۔ ابو عبیدہ نے کہا کہ صبح کے سائے کو الظل کہتے ہیں اور شام کے سائے کو فیئ کہا جاتا ہے۔

شعر جاہلی سے دلیل:

ابو عبیدہ کے قول پر امام شوکانیؒ جاہلی شاعر حمید بن ثور (1) کا شعر بیان کرتے ہیں:

فلا الظل من برد الضحی تستطیعه　　　ولا الفیئ من برد العشی تذوق (2)

ترجمہ:۔ تو چاشت کے وقت کے ٹھنڈے سائے (سے فیض یاب ہونے) کی طاقت نہیں رکھتا اور نہ شام کے ٹھنڈے سائے سے لطف اندوز ہوتا ہے۔

محل استشہاد:۔

شاعر لمبے درخت کی تعریف کر رہا ہے کنایۃ اپنی محبوبہ کا ذکر کر رہا ہے۔

چاشت کے وقت کے ٹھنڈے سائے کے ذکر کیلئے حمید بن ثور نے الظل کا لفظ استعمال کیا جبکہ شام کے سائے کیلئے الفیئ کا لفظ استعمال کیا۔ گویا الظل پہلے پہر کا سایہ ہے اور الفیئ پچھلے پہر کے سائے کو کہتے ہیں۔

"خلفة" کے معنی کا شعر جاہلی سے استشہاد

اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿وَهُوَ الَّذِیْ جَعَلَ الَّیْلَ وَالنَّهَارَ خِلْفَةً لِّمَنْ اَرَادَ اَنْ یَّذَّكَّرَ اَوْ اَرَادَ شُكُوْرًا﴾ (3)

ترجمہ: اور وہی ہے جس نے بنایا ہے رات اور دن کو ایک دوسرے کے پیچھے آنے والا۔ اس کیلئے جو چاہتا ہے کہ وہ نصیحت قبول کرے یا چاہتا ہے کہ شکر گزار بنے۔

امام شوکانیؒ "خلفة" کے لفظ کی تفسیر بیان کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ ابو عبیدہ نے کہا جو چیز کسی چیز کے بعد آئے اسے "خلفة" کہتے ہیں۔ رات، دن کیلئے "خلفة" اور دن، رات کیلئے۔ کیونکہ دونوں ایک دوسرے کے بعد

1- حمید بن ثور بن خالد بن نہیک الہلالی کا تعلق بنو ہوازن کی ایک شاخ بنو ہلال سے تھا۔ اس کا شمار مخضرمین میں ہوتا ہے۔ اس نے اسلام قبول نہیں کیا۔ اس کی شاعری میں اونٹنی کو مخاطب کر کے زندگی کے سفر 'کرب اور تغیرات زمانہ کا بیان ہے۔ اس کی وفات 30 ہجری کے آس پاس ہوئی۔ (الزرکلی 'الاعلام' 275/2)

2- حمید بن ثور الهلالی، **دیوان حمید بن ثور الهلالی**، تحقیق: استاد عبد العزیز المیمنی (القاهرہ: دار الکتب المصریہ، طبع، 1381ھ)، ص40

3- الفرقان: 62

آتے ہیں۔ اسی سے لفظ "**خلفة النبات**" ہے۔ موسم سرما میں پہلے پتے کے بعد جو پتا ظاہر ہوتا ہے اسے "**خلفة النبات**" کہا جاتا ہے۔([1])

شعر جاہلی سے استشہاد:

زہیر بن ابی سلمیٰ اپنے معلقہ میں کہتا ہے:

بها العين والآرام يمشين خلفة　　　واطلاؤها ينهض من كل مجثم([2])

ترجمہ:۔ ان مکانات میں نیل گائیں اور ہرن کے بچے آگے پیچھے چلتے ہیں اور ان کے بچے (دودھ پینے کی غرض سے) ہر جگہ سے اٹھتے چلے آتے ہیں۔

وجہ استشہاد:۔

شاعر اپنی محبوبہ کے اجڑے گھر کے پاس کھڑے ہو کر یہ شعر کہتا ہے کہ اب یہاں وحشی جانوروں کا آنا جانا لگا ہے۔ نیل گائیں اور ہرن کے بچے یکے بعد دیگرے آتے جاتے ہیں وحشی جانوروں کے آگے پیچھے آنے کیلئے شاعر نے "**خلفة**" کا لفظ استعمال کیا ہے۔ یہی محل استشہاد ہے۔

"بيتوتة" کیلئے رات کو سونا شرط نہیں:

بات کا معنی ہے رات گزارنا، رات بھلے جاگ کر گزاری جائے یا سو کر۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿وَالَّذِيْنَ يَبِيْتُوْنَ لِرَبِّهِمْ سُجَّدًا وَّقِيَامًا﴾([3])

ترجمہ: اور جو رات بسر کرتے ہیں اپنے رب کے حضور سجدہ کرتے ہوئے اور کھڑے ہوئے۔

اس آیت کی تفسیر کرتے ہوئے امام شوکانیؒ نے کہا کہ "**البيتوتة**" کا معنی ہے رات گزارنا، بھلے رات میں سویا جائے یا نہ سویا جائے۔ زجاج نے کہا:

من ادركه الليل فقد بات نام او لم ينم

جس نے بھی رات کا وقت پایا گویا وہ بات کے زمرے میں آگیا۔ بھلے وہ سوئے یا نہ سوئے۔ کہا جاتا ہے: "**بات فلان قلقاً**" فلاں نے بے چینی میں رات گزاری۔ بے چینی میں نیند نہیں آتی۔ جاگنے کے باوجود بات کا لفظ

1۔ الشوکانی، **فتح القدير**، 4/104

2۔ زہیر بن ابی سلمیٰ، **ديوان زهير بن ابی سلمیٰ**، ص65

3۔ الفرقان:64

استعمال کیا جاتا ہے۔ ''بیتون لربھم سجداً'' کا معنی ہے کہ پیشانی کے بل اور ''قیاماً'' یعنی قدموں کے بل ساری رات گزار دیتے ہیں۔([1])

شعر جاہلی سے استشہاد:

امرؤالقیس نے کہا:

فبتنا قیاماً عندر أس جوادنا　　　یزاولنا عن نفسه ونزاوله([2])

ترجمہ:۔ ہم نے اپنے گھوڑے کے پاس کھڑے ہو کر ساری رات گزار دی وہ اپنے آپ کو ہم سے چھڑانے کی کوشش کرتا رہا اور ہم اسے قابو کرنے کی کوشش کرتے رہے۔

محل استشہاد:۔

امرؤالقیس نے کھڑی حالت میں رات گزارنے کیلئے ''بتنا'' کا لفظ استعمال کیا۔ گویا ''بات'' کیلئے رات کو سونا ضروری نہیں ہے اگر رات ساری جاگ کر بھی گزار دی جائے تو ''بات'' کا لفظ استعمال کیا جا سکتا ہے۔

''غَرَامًا'' کے معنی کا شعر جاہلی سے استشہاد

اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں کی دعا کا ذکر فرمایا کہ وہ آتش دوزخ سے پناہ مانگتے ہیں۔ عرض کرتے ہیں کہ اے ہمارے رب! ہم سے دوزخ کا عذاب دور فرما کہ اس کا عذاب ہلاک کر دینے والا ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿وَالَّذِيْنَ يَقُوْلُوْنَ رَبَّنَا اصْرِفْ عَنَّا عَذَابَ جَهَنَّمَ۔ اِنَّ عَذَابَهَا كَانَ غَرَامًا﴾([3])

ترجمہ: اور جو (بارگاہ الٰہی میں) عرض کرتے رہتے ہیں کہ اے ہمارے رب! دور فرما دے ہم سے عذاب جہنم۔ بے شک اس کا عذاب بڑا مہلک ہے۔

''غراماً'' کے لفظ کی وضاحت کرتے ہوئے امام شوکانیؒ فرماتے ہیں کہ غرام ایسی چیز کو کہتے ہیں جو ہمیشہ ساتھ رہے، جدا نہ ہو۔ مقروض کو غریم اسی وجہ سے کہتے ہیں کہ وہ اس کے ساتھ ہمیشہ رہتا ہے۔ کلام عرب میں یہ جملہ استعمال ہوتا ہے کہ ''فلان مغرم بکذا'' یعنی اس کے ساتھ ہمیشہ رہتا ہے اس کیلئے محبت کے جذبات رکھتا ہے۔([4])

1۔ الشوکانی، **فتح القدیر**، 105/4

2۔ امام شوکانی نے اس شعر کو امرء القیس کی طرف منسوب کیا ہے حالانکہ یہ شعر زہیر بن ابی سلمٰی کا ہے۔ (زہیر بن ابی سلمٰی، **دیوان زھیر بن ابی سلمیٰ**، ص52۔ دیوان میں "قیاما" کی بجائے "عراۃ" کا لفظ ہے۔

3۔ الفرقان:65

4۔ الشوکانی، **فتح القدیر**، 105/4

شعر جاہلی سے دلیل:

اعشیٰ نے کہا:

ان یعاقب یکن غراماً   و ان یعط جزیلاًفانه' لایبالی ([1])

ترجمہ:۔اگر وہ سزا دے تو وہ سزا ہمیشہ رہنے والی ہو گی اور اگر بڑا اجر دے تو اسے کوئی پرواہ نہیں۔

محل استشہاد:۔

سزا کے ہمیشہ ساتھ معلق رہنے کیلئے اعشیٰ نے اپنے شعر میں غراما کا لفظ استعمال کیا۔ جہنم کا عذاب چونکہ دائمی ہے اس لئے اس کیلئے "غراماً" کا لفظ استعمال ہوا۔

"مَقَامٍ كَرِيمٍ" کی مراد کا شعر جاہلی سے استشہاد

اللہ نے فرمایا:

﴿فَاَخۡرَجۡنٰهُمۡ مِّنۡ جَنّٰتٍ وَّعُیُوۡنٍ0وَّ كُنُوۡزٍ وَّمَقَامٍ كَرِیۡمٍ﴾ ([2])

ترجمہ: تو ہم نے نکالا انہیں باغوں سے، چشموں سے، خزانوں اور شاندار محلات سے۔

آیت میں مقام کریم سے کون سے جگہیں مراد ہیں اس کی تفسیر میں امام شوکانیؒ فرماتے ہیں کہ اس سے مراد عالیشان محلات ہیں۔ ایک قول یہ ہے کہ بڑے بڑے منبر، جہاں فرعونی بیٹھا کرتے تھے وہ مراد ہے۔ ایک قول کے مطابق گھوڑے باندھنے کی جگہیں مراد ہیں تمام اقوال بیان کرنے کے بعد امام شوکانی نے پہلے قول کو ترجیح دی یعنی عالیشان محلات ([3])۔

شعر جاہلی سے تائید:

مذکورہ معنی کی وجہ ترجیح کے بیان میں امام شوکانیؒ نے یہ شعر بیان کیا:

و فیهم مقامات حسان و جوهها   و اندیة ینتابها القول و الفعل ([4])

ترجمہ:۔اور ان کے پاس ایسے محلات ہیں کہ جن کا ظاہر بہت بھلا معلوم ہوتا ہے اور (وہاں) ایسی مجالس سجتی ہیں کہ جن میں باتیں اور مختلف افعال باری باری کیئے جاتے ہیں۔

محل استشہاد:۔

1۔الاعشیٰ، **دیوان الاعشیٰ الکبیر**، ص9

2۔الشعراء:57-58

3۔الشوکانی، **فتح القدیر**، 4/123

4۔زہیر بن ابی سلمیٰ، **دیوان زهیر بن ابی سلمیٰ**، ص50

شعر میں مقامات کا نام عالی شان محلات کیلئے استعمال کیا گیا ہے یہی امام شوکانیؒ کا قول مختار ہے کہ آیت میں مقام کریم سے مراد آل فرعون کے محلات ہیں۔

"الطور" کے معنٰی کا شعر جاہلی سے استشہاد

جب موسیٰ علیہ السلام، بنی اسرائیل کو لے کر مصر سے نکلے، سمندر کے پاس پہنچے تو پیچھے سے فرعون بھی آ گیا موسیٰ علیہ السلام نے حکم الٰہی سے اپنا عصا پانی پر مارا تو بارہ راستے بن گئے اور پانی کا ہر حصہ بڑے پہاڑ کی مانند دکھنے لگا۔ ارشاد ربانی ہے:

﴿فَاَوْحَيْنَآ اِلٰى مُوْسٰٓى اَنِ اضْرِبْ بِّعَصَاكَ الْبَحْرَ ۭ فَانْفَلَقَ فَكَانَ كُلُّ فِرْقٍ كَالطَّوْدِ الْعَظِيْمِ﴾ (1)

ترجمہ: سو ہم نے وحی بھیجی موسیٰ کی طرف کہ ضرب لگاؤ اپنے عصا سے سمندر پر تو سمندر پھٹ گیا اور ہو گیا پانی کا ہر حصہ بڑے پہاڑ کی مانند۔ "الطود" کا معنی امام شوکانیؒ نے پہاڑ کیا ہے (2)

شعر جاہلی سے تائید:

اس معنی کی تائید میں امام شوکانیؒ نے دو اشعار جاہلیہ ذکر کئے:

فبينا المرء في الاحياء طود رماه الناس عن كثب فمالا (3)

ترجمہ:۔ جب آدمی زندہ لوگوں کے درمیان پہاڑ کی مانند ہوتا ہے تو لوگ اسے قریب سے نشانہ بناتے ہیں پھر وہ (اپنے بلند مقام سے) گر جاتا ہے۔

اسود بن یعفر نے کہا:

حلوا بانقرة يسيل عليهم ماء الفرات يجئي من اطواد (4)

ترجمہ:۔ وہ انقرہ میں جا کر قیام پذیر ہوئے ان کے پاس فرات کا پانی بہہ کر آتا ہے جو کہ پہاڑوں سے آتا ہے۔

محل استشہاد:۔

اطواد، طود کی جمع ہے۔ دونوں اشعار میں طود کا لفظ پہاڑ کے معنی میں استعمال ہوا ہے۔

"وَتَتَّخِذُوْنَ مَصَانِعَ" کے معنٰی کا شعر جاہلی سے استشہاد

1۔ الشعراء:63

2۔ الشوکانی، **فتح القدیر**، 4/124

3۔ امرؤ القیس، **دیوان امرء القیس**، ص310

4۔ اسود بن یعفر، اسود بن یعفر بن عبد الاسود بن جندل النھشلی، **دیوان الاسود بن یعفر**، تحقیق: نوری الحمودی القیسی (بغداد: مطبعۃ الجمہوریہ، طبع، 1390ھ)، 27

قوم عاد کی تعمیرات کا ذکر کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿وَتَتَّخِذُوْنَ مَصَانِعَ لَعَلَّكُمْ تَخْلُدُوْنَ﴾ (1)

ترجمہ: اور اپنی رہائش کیلئے بناتے ہو مضبوط محلات اس امید پر کہ تم ہمیشہ رہو گے۔

امام شوکانیؒ "مصانع" کے معنی کے متعلق کہتے ہیں کہ وہ عمارتیں جن میں لوگ قیام کرتے ہیں انہیں مصانع کہتے ہیں۔ مجاہد کے بقول مضبوط قلعوں کو "مصانع" کہا جاتا ہے زجاج کے بقول زمین کے نیچے جو پانی جمع کرنے کیلئے گڑھے بنائے جاتے ہیں انہیں "مصانع" کہتے ہیں۔ اس کا واحد "مصنعة" اور "مصنع" ہے۔ (2)

شعر جاہلی سے دلیل:

امام شوکانیؒ نے لبید کا یہ شعر ذکر کیا:

بلینا وما تبلی النجوم الطوالع وتبقی الجبال بعدنا والمصانع (3)

ترجمہ:۔ ہم بوسیدہ ہوگئے لیکن طلوع ہونے والے ستارے بوسیدہ نہیں ہوئے ہمارے بعد پہاڑ اور تالاب باقی رہتے ہیں۔

محل استشہاد:۔

یہ شعر لبید نے اپنے بھائی اربد کے مرثیہ میں کہا۔ شعر کے محل کے اعتبار سے "مصانع" کا معنی پانی ذخیرہ کرنے والے زیر زمین تالاب ہیں لیکن شعر میں بظاہر ایسی کوئی دلالت نہیں جو اس معنی پر دال ہو یہ بات امام شوکانی نے بھی بیان کی (4)۔

جنات کے لفظ کے بعد نخل کو الگ ذکر کرنے کی توجیہ کا شعر جاہلی سے استشہاد

قوم ثمود کے رسولوں کو جھٹلانے اور حضرت صالح علیہ السلام کی تبلیغ کا ابتدائیہ بیان کرنے کے بعد اللہ تعالیٰ نے قوم ثمود سے فرمایا:

﴿أَتُتْرَكُوْنَ فِيْ مَا هٰهُنَا اٰمِنِيْنَ 0 فِيْ جَنّٰتٍ وَّعُيُوْنٍ 0 وَّزُرُوْعٍ وَّنَخْلٍ طَلْعُهَا هَضِيْمٌ﴾ (5)

1۔ الشعراء:129

2۔ الشوکانی، **فتح القدیر**، 4/133

3۔ لبید بن ربیعہ، **دیوان لبید بن ربیعہ**، تحقیق: حنا نصر الحتی (بیروت: دار الکتاب العربی، طبع، 1414ھ)، ص 110

4۔ الشوکانی، **فتح القدیر**، 4/133

5۔ الشعراء: 148-146

ترجمہ: کیا تمہیں رہنے دیا جائے گا اس (عیش وطرب) میں جس میں تم یہاں ہو امن سے، ان باغات میں اور چشموں میں اور (شاداب) کھیتوں میں اور کھجور کے درختوں میں جن کے شگوفے بڑے نرم ونازک ہیں۔

یہاں سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ جنات کا لفظ ذکر کرنے کے بعد نخل کا الگ سے ذکر کیا گیا؟ باغات کے تحت سارے باغات بشمول کھجور کے باغات کا بھی ذکر ہو گیا ہے اب الگ سے کھجور کا ذکر کرنے کی کیا وجہ ہے؟

اس کی امام شوکانیؒ نے دو وجوہات بیان کیں۔ پہلی وجہ یہ کہ کھجور کو تمام درختوں پر فضیلت حاصل ہے اس فضیلت کے بیان کیلئے باغات کے بعد کھجور کا الگ سے خصوصیت سے ذکر کیا گیا۔

دوسری وجہ یہ ہے کہ کلام عرب میں اکثر ایسا لفظ واحد بولا جاتا ہے جو عمومیت کا معنی رکھتا ہے لیکن مراد کوئی ایک نوع لی جاتی ہے جیسے لفظ نعم بولا جاتا ہے لیکن مراد صرف اونٹ لی جاتی ہے۔ اسی طرح جنۃ کا لفظ بول کے صرف کھجور بھی مراد لی جاتی ہے۔([1])

شعر جاہلی سے تائید:

زہیر بن ابی سلمٰی نے کہا:

کان عینی فی غربی مقتلة   من النواضح تسقی جنة سحقا([2])

ترجمہ:۔ گویا میری دونوں آنکھیں پانی پینے والی اونٹنی کے بڑے ڈول میں آنسو گرا رہی ہیں جو کھجور کے لمبے درختوں کو (بھی) سیراب کر رہا ہے۔

محل استشہاد

شعر میں جنۃ کا لفظ کھجور کے درخت کیلئے استعمال ہوا ہے کیونکہ "**سحقا**" کے لفظ سے صرف کھجور کے درخت کی ہی صفت بیان کی جاتی ہے "**سحقا**" کا لغوی معنی ہے دور ہونا([3])۔ جب یہ لفظ درخت کیلئے استعمال کیا جائے تو مراد لمبا ہونا ہے اور کلام عرب میں اس لفظ سے صرف کھجور کے درخت کی صفت ہی بیان کی جاتی ہے گویا شعر میں جنۃ سے مراد کھجور کا باغ ہے۔

"مِنَ الْمُسَحَّرِيْنَ" کے معنیٰ کا شعر جاہلی سے استشہاد

حضرت صالح علیہ السلام نے جب قوم کو تبلیغ کی تو قوم نے کہا:

﴿قَالُوْٓا اِنَّمَآ اَنْتَ مِنَ الْمُسَحَّرِيْنَ﴾([4])

1۔ الشوکانی، **فتح القدیر**، 4/135

2۔ زہیر بن ابی سلمٰی، **دیوان زہیر بن ابی سلمیٰ**، ص36

3۔ السحق بالضم: البعد، (الجوہری، **الصحاح**، 1/306)

4۔ الشعراء: 153

ترجمہ: جواب ملا (اے صالح!) تم ان لوگوں میں سے ہو جن پر جادو کر دیا گیا ہے۔

امام شوکانیؒ "**المسحرین**" کا مفہوم بیان کرتے ہیں کہ وہ لوگ جن پر جادور کر دیا گیا ہو۔ امام کلبی نے کہا کہ "**المسحر**" اس شخص کو کہتے ہیں جس پر کھانے پینے کی چیز کے ذریعے جادو کر دیا گیا ہو۔ فراء نے کہا کہ اس کا معنی یہ ہے کہ آپ کھاتے پیتے ہو اور اسی دوران آپ پر جادو کر دیا گیا ہے (1)

شعر جاہلی میں مفہوم:

"**مسحر**" کا معنی کھانے پینے کے دوران دھوکہ دینا ان اشعار میں بیان کیا گیا۔ لبید نے کہا:

فان تسالينا فيم نحن فاننا عصافير من هذا الانام المسحر (2)

ترجمہ:۔ اگر تو ہمارے بارے میں پوچھتی ہے کہ ہم کس حال میں ہیں تو (جان لو کہ) ہم چڑیاں ہیں جو ان جانداروں میں سے ہیں جنہیں کھلا اور پلا کر دھوکہ دیا جاتا ہے۔

امرؤ القیس نے کہا:

آرانا موضعين لحتم غيب و نسحر بالطعام و الشراب (3)

ترجمہ:۔ اس نے ہمیں موت کے راستے کی طرف جلدی سے جانا سکھایا اور ہمیں تو کھلا پلا کے دھوکہ دیا جاتا ہے۔

محل استشہاد:۔

پہلے شعر میں چڑیوں کے مسحر کئے جانے کا ذکر ہے۔ چڑیوں کو دانہ ڈالا جاتا ہے اور پانی دیا جاتا ہے اور دانے، پانی کے ساتھ شکاری نے جال لگایا ہوتا ہے اس لئے چڑیوں کیلئے "**مسحر**" کا لفظ استعمال کیا گیا۔

دوسرے شعر میں امرؤ القیس کھلا پلا کر موت کی طرف لے جانے کے حوالے سے "**نسحر**" کا لفظ استعمال کرتا ہے۔ گویا "**مسحر**" کا لفظ کھلانے پلانے کے عمل کے دوران دھوکہ دہی کے معنی میں جاہلیت میں مستعمل تھا۔

"مِنَ الْقَالِيْنَ" کے معنی کا شعر جاہلی سے استشہاد

حضرت لوط علیہ السلام نے اپنی قوم کو تبلیغ کی اور فعل لواطت سے باز رہنے کا حکم دیا قوم نے آپ کو جھٹلایا اور دھمکی آمیز لہجے میں کہا کہ اگر آپ اس تبلیغ سے باز نہ آئے تو آپ کو اس علاقے سے نکال دیا جائے گا۔ حضرت لوط علیہ السلام نے ان کے فعل شنیع سے نفرت کا اظہار ان الفاظ میں کیا:

1۔ الشوکانی، **فتح القدیر**، 4/136

2۔ لبید، **دیوان لبید بن ربیعه**، ص103

3۔ امرؤ القیس، **دیوان امرء القیس**، ص1/78۔ دیوان میں لحتم کی جگہ لامر اور التراب کی جگہ بالتراب کا لفظ ہے۔

﴿قَالَ اِنِّیۡ لِعَمَلِکُمۡ مِّنَ الۡقَالِیۡنَ﴾ [1]

ترجمہ: آپ نے فرمایا میں تمہارے اس فعل سے بیزار ہوں۔

"قالین" اسم فاعل کا جمع مذکر کا صیغہ ہے اس کا واحد "قال" ہے یہ "قلی یقلی قلاء" سے بنا ہے امام شوکانی نے اس کا معنی بغض کیا ہے۔ [2]

شعر جاہلی سے استشہاد:

امام شوکانیؒ نے مذکورہ معنی کی دلیل کے طور پر دو اشعار جاہلیہ بیان کئے۔ امام شوکانی نے دونوں اشعار بغیر انتساب کے ذکر کئے پہلا شعر امرؤالقیس کا ہے اور دوسرا حارث بن حلزہ کا۔

امرؤالقیس نے کہا:

فلست بمقلی الخلال و لا قالی [3]

ترجمہ:۔ نہ تو میں دوستوں کو ناراض کرنے والا ہوں اور نہ بغض رکھنے والا۔

حارث بن حلزہ نے کہا:

مالک عندی ان نآیت و قلاء [4]

ترجمہ:۔ اگر تو۔ (مجھ سے) دور جائے تو میری طرف سے کوئی نفرت نہیں ہو گی۔

محل استدلال:۔

پہلے شعر میں "قالی" اسم فاعل کا صیغہ ہے "قلی یقلی قلاء" سے اصل لفظ "قال" ہے۔ شاعر کہتا ہے میں اپنے دوستوں سے بغض نہیں رکھتا۔ دوسرے شعر میں شاعر اپنی محبوبہ سے قربت و بعد کی ہر دو حالتوں میں اظہار محبت کرتا ہے۔ کہتا ہے اگر مجھ سے دور بھی چلی جائے تو میں تجھ سے کبھی بغض یا نفرت نہیں کروں گا گویا دونوں اشعار میں "قلی یقلی قلاء" کا معنی بغض رکھنا ہے۔

"فِی الۡغٰبِرِیۡنَ" کے معنیٰ کا شعر جاہلی سے استشہاد

1۔ الشعراء:168

2۔ الشوکانی، **فتح القدیر**، 4/138

3۔ امرؤالقیس، **دیوان امرءالقیس**، 1/138

4۔ تفسیر "**فتح القدیر**" کی تخریج میں یہ مصرع حارث بن حلزہ کی طرف منسوب کیا گیا ہے۔ لیکن حارث بن حلزہ کے دیوان میں یہ مصرع موجود نہیں ہے، دراصل یہ نصیب بن رباح کے شعر کا مصرع ہے جو عمر بن عبد العزیز کا غلام تھا اور عصر اموی کا مشہور شاعر تھا۔ اس شعر کا پہلا مصرع یہ ہے "**علیک السلام لا مللت قریب**" (نصیب بن رباح، **دیوان نصیب بن ابی رباح**، ص26)

حضرت لوط علیہ السلام نے اپنی قوم کے شر سے نجات کیلئے اللہ تعالیٰ سے دعا مانگی۔ اللہ تعالیٰ نے حضرت لوط اور ان کے گھر والوں کو نجات دی ماسوائے ان کی بیوی کے۔ اس کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿فَنَجَّیْنٰہُ وَ اَھْلَہٗٓ اَجْمَعِیْنَ 0 اِلَّا عَجُوْزًا فِی الْغٰبِرِیْنَ﴾ (1)

ترجمہ: سو ہم نے نجات دی اسے اور اس کے سب اہل کو سوائے ایک بڑھیا کے جو پیچھے رہنے والوں میں تھی۔

امام شوکانی لکھتے ہیں کہ "عجوزا" سے مراد لوط علیہ السلام کی بیوی ہے اور "من الغابرین" کا معنی ہے عذاب میں مبتلا ہونے کیلئے، باقی رہنے والی۔ ابو عبیدہ کہتے ہیں کہ بڑھاپے تک باقی رہنے والی۔ یعنی وہ زندہ رہی حتی کہ بڑھاپے تک پہنچ گئی۔ نحاس نے کہا: جانے والے کیلئے بھی "غابر" کا لفظ استعمال ہوتا ہے اور پیچھے رہنے والے کیلئے بھی۔ (2)

شعر جاہلی سے استنباط:

حارث بن حلزہ نے کہا:

لاتکسع الشول باغبارھا　　انک لاتدری من الناتج (3)

ترجمہ:۔ سر مستعد خادم کو بچی کچھی چیز کے ساتھ نہ دھتکار کہ تو نہیں جانتا کہ بدلہ دینے والا کون ہے۔

محل استشہاد:۔

اغبار سے مراد وہ چیز ہے جو کھانے کے بعد بچ جاتی ہے۔ حضرت لوط علیہ السلام کی بیوی کیلئے "غابر" کا لفظ استعمال ہوا کہ وہ اہل وعیال سے پیچھے رہ گئی تھی۔

"مَنْطِقَ الطَّیْرِ" کی مراد کا شعر جاہلی سے استشہاد

اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿وَوَرِثَ سُلَیْمٰنُ دَاوٗدَ وَقَالَ یٰٓاَیُّھَا النَّاسُ عُلِّمْنَا مَنْطِقَ الطَّیْرِ﴾ (4)

ترجمہ: اور جانشین بنے سلیمان، داؤد کے اور فرمایا: اے لوگو! ہمیں سکھائی گئی ہے پرندوں کی بولی۔

امام شوکانیؒ فرماتے ہیں کہ یہ بات حضرت سلیمان نے تحدیث نعمت کے طور پر کی۔ اور اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرنے کیلئے کہ اللہ تعالیٰ نے انہیں یہ خصوصیت عطا فرمائی اور اس فضیلت کو دیگر فضائل پر مقدم کرنے کی وجہ

1۔ الشعراء:170-171

2۔ الشوکانی، **فتح القدیر**، 4/138

3۔ حارث بن حلزہ، حارث بن حلزہ الیشکری، **دیوان حارث بن حلزہ الیشکری**، تحقیق: مروان الحطئیہ (دمشق: دارالامام النووی، طبع، 1415ھ)، ص 111

4۔ النمل:16

تخصیص ہے۔ اس خصوصیت میں وہاں حضرت سلیمان علیہ السلام کا کوئی شریک نہیں تھا اور ''منطق الطیر'' سے مراد پرندوں کا کلام ہے۔ ([1])

شعر جاہلی سے تائید:

حمید بن ثور نے کہا:

عجیب لھا ان یکون غناؤھا فصیحاً و لم تغفر بمنطقھا فما ([2])

ترجمہ: اس (کبوتری) کے فصاحت بھرے نغمے پہ حیرت ہوتی ہے کہ اس کی آواز نکلتے وقت منہ بھی نہیں کھلتا ہے۔

تجزیہ

تعریف کرتا ہے اور اس کے حلق کی آواز کو اس کا گانا قرار دیتا ہے نطق کی تعریف یہ ہے کہ ''**ھذہ الاصوات الکلامیۃ تحدث فی الفم و الانف و الحلق**'' ([3]) محض آواز کے نکلنے کو منطق کہا گیا کیونکہ کبوتری آواز نکالتے ہوئے منہ نہیں کھولتی اب عام انسان اس کے اس نطق کے فہم سے قاصر ہے۔ حضرت سلیمان کہتے ہیں کہ ہمیں اس نطق کا علم عطا کیا گیا ہے اور یہ اللہ کا احسان ہے۔

''رَدِفَ'' کے معنی کا سعر جاہلی سے استشہاد

امام شوکانیؒ فرماتے ہیں: سواری پر جو پیچھے بیٹھا ہو اس کیلئے ''**ردف**'' کا لفظ استعمال کیا جاتا ہے اگر سواری (اونٹ وغیرہ) پر مرد کے پیچھے عورت بیٹھی ہو تو کہا جاتا ہے کہ ''**ردفت الرجل**'' یعنی وہ عورت مرد کے پیچھے بیٹھی۔ اگر کوئی مرد پیچھے بیٹھا ہو تو کہا جاتا ہے ''**ردف الرجل**'' وہ مرد کے پیچھے بیٹھا۔ چونکہ وہ اس کے پیچھے بیٹھا ہوتا ہے اس لئے اس کیلئے ''**ردف**'' کا لفظ استعمال کرتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿**قُلْ عَسٰٓى اَنْ يَّكُوْنَ رَدِفَ لَكُمْ بَعْضُ الَّذِيْ تَسْتَعْجِلُوْنَ**﴾ ([4])

ترجمہ: آپ کہیے کہ جس چیز کو تم جلد طلب کر رہے ہو، ہو سکتا ہے کہ وہ تمہارے ساتھ لگ چکی ہو۔

چونکہ یہ عذاب آخرت کفار کے بالکل قریب ہی پیچھے ہے اس لئے ''**ردف**'' کا لفظ استعمال کیا گیا۔ ابن شجرہ نے بھی ''**ردف لکم**'' کا معنی ''**تبعکم**'' کیا ہے ([5])۔

1۔ الشوکانی، **فتح القدیر**، 157/4

2۔ حمید بن ثور الھلالی، **دیوان حمید بن ثور**، ص 27۔ دیوان میں عجیب کی جگہ "عجبتُ" واحد متکلم کا صیغہ مرقوم ہے۔

3۔ السعران، محمود السعران، **علم اللغۃ**، 110/1

4۔ النمل: 72

5۔ الشوکانی، **فتح القدیر**، 181/4

شعر جاہلی سے استدلال:

امام شوکانیؒ نے مذکورہ معنی کا استشہاد کعب بن زہیر کے شعر سے کیا ہے لیکن اس شعر کا انتساب ابو ذویب الھذلی کی طرف کیا ہے جو کہ غلط ہے اصل میں یہ شعر کعب بن زہیر کا ہے۔ کعب بن زہیر کہتے ہیں:

عاد السواد بیاضا فی مفارقه   لا مرحبا ببیاض الشیب اذا ردفا(1)

ترجمہ:۔ اس کی مانگ میں سیاہی، سفیدی بن کے لوٹ آئی۔ بڑھاپے کی سفیدی کو خوش آمدید نہیں ہے جب وہ اس کے بعد آئے۔

وجہ استشہاد:۔

جوانی کے سیاہ بالوں کے بعد بڑھاپے کی نشانی کے طور پر بالوں میں سفیدی آتی ہے چونکہ سفیدی، سیاہی کے بعد لاحق ہوتی ہے اس لئے شاعر نے ”ردف“ کا لفظ استعمال کیا ہے گویا ”ردف“ کا لفظ ”تبع“ کے معنی میں استعمال ہوا۔ امام شوکانیؒ جوہری کا قول نقل کرتے ہیں کہ ”ردف“ کو ”اردف“ بھی پڑھا جاتا ہے معنی ایک ہی ہے(2) یعنی ”ثلاثی مجرد“ کو ”ثلاثی مزید فیه“ میں باب افعال کے ساتھ پڑھا جاتا ہے تو اس لفظ کے معنی میں تبدیلی واقع نہیں ہوتی۔

شعر جاہلی سے تائید:

اس کی دلیل امام شوکانیؒ خزیمہ بن مالک بن نہد کے اس شعر سے دیتے ہیں۔

اذا الجوزاء اردفت الثریا   ظننت بآل فاطمة الظنونا(3)

ترجمہ:۔ جب جوزاء ستارہ، ثریا کو پیچھے سے آکر ملا تو میں آل فاطمہ (4) کے بارے میں شکوک و شبہات کا شکار ہو گیا۔

وجہ استشہاد:۔

یہاں ”ردف“ کی جگہ شاعر نے ”اردف“ کا لفظ استعمال کیا لیکن معنی ایک ہی ہے۔

”فَبَصُرَتْ بِهٖ عَنْ جُنُبٍ“ کے معنی کا شعر جاہلی سے استشہاد

1۔ کعب بن زہیر، **دیوان کعب بن زهیر**، تحقیق: ابو السعید السکری (الریاض: دار الشواف للنشر والطباعة، طبع، 1410ھ)، ص 88۔ دیوان میں "بیاض الشیب اذا" کی جگہ "ھابذا اللون الذی" کے الفاظ ہیں، ھا حرف تنبیہ کے طور پر آیا ہے

2۔ الشوکانی، **فتح القدیر**، 181/4

3۔ ابو الفرج الاصفہانی نے "الاغانی" میں اس شعر کا انتساب خزیمہ بن مالک بن نہد کی طرف کیا ہے۔ (الاصفہانی، **الاغانی**، 435/3)

4۔ آل فاطمہ سے مراد فاطمہ بنت یذکر بن غنزہ ہے۔ خزیمہ اس فاطمہ کے عشق میں مبتلا ہوا اور اس کے متعلق شعر کہتا رہا۔ (الاصفہانی، **الاغانی**، 435/3)

سورۃ القصص کی ابتداء میں اللہ تعالیٰ نے جب موسیٰ علیہ السلام کی ولادت کا واقعہ بیان کیا تو والدہ کو حکم دیا کہ جب آپ کو فرعونیوں کی آمد کا خوف محسوس ہو تو موسیٰ علیہ السلام کو دریا میں ڈال دینا۔ موسیٰ علیہ السلام کو لکڑی کے تابوت میں ڈال کر دریا میں ڈال دیا گیا۔ تابوت پانی میں تیرتے پڑتے فرعون کے گھر والوں کے قریب آیا۔ انہوں نے اسے اٹھایا موسیٰ علیہ السلام کی والدہ نے اپنی بیٹی کو ساتھ بھیجا کہ دیکھتی جاؤ کہ تابوت کہاں جاتا ہے وہ دور سے اسے دیکھتی رہیں۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿وَقَالَتْ لِأُخْتِهِ قُصِّيهِ فَبَصُرَتْ بِهِ عَنْ جُنُبٍ وَهُمْ لَا يَشْعُرُونَ﴾ ([1])

ترجمہ: اور اس نے کہا موسیٰ کی بہن سے کہ اس کے پیچھے پیچھے ہولے پس وہ اسے دیکھتی رہی دور سے اور وہ اس (حقیقت کو) سمجھتے نہ تھے۔

''فَبَصُرَتْ بِهٖ عَنْ جُنُبٍ'' کا معنی امام شوکانیؒ کرتے ہیں کہ اس نے انہیں دور سے دیکھا اور ''عَنْ جُنُبٍ'' اصل میں ''عن مکان جنب'' ہے۔ اجنبی کا لفظ بھی ''جنب'' سے ہی نکلا ہے ([2])۔

شعر جاہلی سے استشہاد:

امام شوکانیؒ نے مذکورہ معنی کی دلیل جاہلیت کے اس شعر سے دی۔

فلا تحرمنی نائلا عن جنابة فانی امرو وسط الدیار غریب ([3])

ترجمہ:۔ دوری کی وجہ سے مجھے عطیہ سے محروم نہ کرنا کہ میں (مختلف) گھروں کے درمیان رہنے والا اجنبی ہوں۔

وجہ استشہاد:۔

شعر میں ''جنابة'' کا لفظ دور ہونے کے معنی میں استعمال ہوا۔ ''فبصرت به عن جنب'' کا یہی معنی ہے کہ موسیٰ علیہ السلام کی بہن نے ان کے احوال کا مشاہدہ دور سے کیا۔

''يَأْتَمِرُونَ بِكَ'' کے معنیٰ کا شعر جاہلی سے استشہاد

جب اس بنی اسرائیل کے شخص نے دوسری بار موسیٰ علیہ السلام سے طلب معونت کی تو آپ نے اسے جھڑکا اور اسے پکڑ کر زجر و توبیخ کا ارادہ کیا تو وہ بولا کہ اے موسیٰ! تم مجھے آج اسی طرح قتل کرو گے جیسے کل ایک بندے کو قتل کر دیا تھا اس شخص کی اس بات پر راز کھل گیا کہ کل جو شخص مرا اسے موسیٰ علیہ السلام نے قتل کیا جب یہ خبر شہر

1۔ القصص: 11

2۔ الشوکانی، **فتح القدیر**، 4/194

3۔ علقمہ الفحل، **دیوان علقمة بن عبدة الفحل**، ص 31۔ دیوان میں "وسط الدیار" کی جگہ "وسط القباب" کے الفاظ ہیں۔

میں پہلی تو فرعونیوں نے مشورہ کیا کہ اب کیا کیا جائے فیصلہ یہ ہوا کہ موسیٰ علیہ السلام کو بدلے میں قتل کیا جائے ان کے مشورہ کرنے کے عمل کو قرآن نے یوں بیان کیا:

﴿وَ جَآءَ رَجُلٌ مِّنۡ اَقۡصَا الۡمَدِیۡنَۃِ یَسۡعٰی۔ قَالَ یٰمُوۡسٰۤی اِنَّ الۡمَلَاَ یَاۡتَمِرُوۡنَ بِکَ لِیَقۡتُلُوۡکَ فَاخۡرُجۡ اِنِّیۡ لَکَ مِنَ النّٰصِحِیۡنَ﴾ (1)

ترجمہ: اور آیا ایک آدمی شہر کے آخر گوشہ سے دوڑتا ہوا اس نے (آکر) بتایا اے موسیٰ! سردار لوگ مشورہ کر رہے ہیں کہ آپ کو قتل کر ڈالیں اس لئے نکل جایئے (یہاں سے) بے شک میں آپ کا خیر خواہ ہوں۔

آیت میں مذکور "یاتمرون بک لیقتلوک" کے الفاظ کا معنی بیان کرتے ہوئے امام شوکانیؒ فرماتے ہیں کہ وہ آپ کے قتل کے بارے میں مشورہ کر رہے ہیں اور آپ کے متعلق ایک دوسرے کو حکم دے رہے ہیں۔(2)

شعر جاہلی سے استشہاد:

نمر بن تولب نے کہا: **آری الناس قد احدثوا شیمة وفی کل حادثة یؤتمر** (3)

ترجمہ:۔ میں دیکھتا ہوں لوگوں کو کہ انہوں نے عادت ہی بنالی ہے کہ ہر بات پہ مشورہ طلب کرنے لگ جاتے ہیں۔

محل استشہاد:۔

یؤتمر کا لفظ مشورہ طلب کرنے کیلئے استعمال کیا گیا ہے۔ گویا آیت میں "یاتمرون بک" کا معنی متعین ہو گیا کہ فرعونی حضرت موسیٰ علیہ السلام کے قتل کے متعلق مشاورت کر رہے تھے۔

"وَرَدَ" کے معنی کی تعیین میں شعر جاہلی سے استشہاد

موسیٰ علیہ السلام کو جب شہر کے دوسرے کونے سے آئے شخص نے کہا کہ یہاں سے نکل جائیں لوگ آپ کو قتل کرنے کیلئے آرہے ہیں تو آپ مصر سے نکلے اور مدین آگئے۔ مدین پہنچ کر آپ ایک کنویں کے پاس پہنچے جہاں سے لوگ اپنے جانوروں کو پانی پلا رہے تھے آپ کے وہاں پہنچنے کا ذکر قرآن نے یوں کیا:

﴿وَلَمَّا وَرَدَ مَآءَ مَدۡیَنَ وَجَدَ عَلَیۡہِ اُمَّۃً مِّنَ النَّاسِ یَسۡقُوۡنَ﴾ (4)

ترجمہ: اور جب آپ مدین کے پانی پر پہنچے تو دیکھا کہ وہاں پر لوگوں کا ایک انبوہ ہے۔

1۔ القصص:20

2۔ الشوکانی، **فتح القدیر**، 4/199

3۔ العکلی، نمر بن تولب العکلی، **دیوان نمر بن تولب العکلی**، تحقیق: دکتور محمد نبیل طریفی (بیروت: دار صادر، طبع، 2000م)، ص64

4۔ القصص:23

امام شوکانیؒ "ورد ماء" کا معنی کرتے ہیں کہ وہ (حضرت موسیٰ علیہ السلام) پانی تک پہنچے۔ "ورد" کا لفظ کبھی کبھار جہاں پہنچا جائے اس میں داخل ہونے کیلئے بولا جاتا ہے اور کبھی صرف اس تک پہنچنے کیلئے استعمال ہوتا ہے۔ اگرچہ اس میں داخل نہ بھی ہوا جائے یہاں یہی دوسرا معنی مراد ہے۔([1])

شعر جاہلی سے استشہاد:

امام شوکانیؒ نے "ورود" کے مذکورہ معنی کی دلیل کے طور پر زہیر بن ابی سلمٰی کا یہ شعر بیان کیا:

فلماوردن الماءزرقاجمامة([2])

ترجمہ:۔ جب وہ (محبوبہ اور اس کی سہیلیاں) اس چشمہ پر وارد ہوئیں جن کا لبالب پانی آسمان کے رنگ جیسا نظر آرہا تھا۔

تجزیہ

شاعر تخیلات میں اپنی محبوبہ کو اس کی سہیلیوں کے ہمراہ چشمہ کے پاس جاتے دیکھتا ہے۔ پانی کی گہرائی زیادہ ہے جس کا اظہار حمام کے لفظ سے ہوتا ہے۔ تولامحالہ وہ لڑکیاں وہاں پانی کے اندر نہیں گئیں بلکہ چشمہ کے قریب گئیں اور شاعر نے اس کیلئے "وردن الماء" کا لفظ استعمال کیا۔ گویا "مورد" میں داخلہ نہ ہونے کے باوجود بھی "وردن " کا لفظ استعمال کیا جاسکتا ہے۔ آیت میں یہی معنی مراد ہے۔

"وَمَا كُنتَ ثَاوِيًا" کے معنی کا شعر جاہلی سے استشہاد

اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿وَلٰكِنَّآ اَنْشَاْنَا قُرُوْنًا فَتَطَاوَلَ عَلَيْهِمُ الْعُمُرُ۔ وَمَا كُنْتَ ثَاوِيًا فِيْٓ اَهْلِ مَدْيَنَ تَتْلُوْا عَلَيْهِمْ اٰيٰتِنَا وَلٰكِنَّا كُنَّا مُرْسِلِيْنَ﴾([3])

ترجمہ: لیکن ہم نے بہت سی قومیں پیدا کیں سو ان پر طویل زمانہ گزر گیا اور نہ آپ اہل مدین میں رہتے تھے کہ آپ ان پر ہماری آیتیں تلاوت کرتے اور البتہ ہم ہی (آپ کو) رسول بنا کر بھیجنے والے ہیں۔

آیت میں مذکور "ثاویا" کا لفظ "ثوی، یثوی، ثویا" سے اسم فاعل کا صیغہ ہے۔ "ثاویا" کا معنی امام شوکانیؒ نے "مقیما" کیا ہے یعنی آپ اہل مدین میں اقامت پذیر نہیں تھے([4])۔

1۔ الشوکانی، **فتح القدیر**، 199/4

2۔ یہ شعر کا پہلا مصرعہ ہے دوسرا مصرع یوں ہے: وضعن غصی الحاضر المتحیم۔ زہیر بن ابی سلمٰی، **دیوان زهیر بن ابی السلمی**، ص66)

3۔ القصص:45

4۔ الشوکانی، **فتح القدیر**، 212/4

شعر جاہلی سے استشہاد:

امام شوکانیؒ نے مذکورہ معنی کی تائید میں عنترہ کے شعر کا پہلا مصرع ذکر کیا ہے۔

عنترہ بن شداد العبسی کہتا ہے: **طال الثواء علی رسوم المنزل**[1]

ترجمہ:۔ گھر کے نقش و نگار کے پاس قیام طویل ہو گیا ہے۔

تجزیہ

شعر میں مکان کے نقش و نگار کے پاس رکنے کیلئے "ثواء" کا لفظ استعمال کیا گیا۔ اسی سے آیت کا لفظ "ثاویا" بنا ہے جس کا معنی اشعار کے تناظر میں یہی بنتا ہے کہ آپ اہل مدین کے پاس قیام پذیر نہیں تھے کہ آپ ان پر ہماری آیتیں تلاوت کرتے۔

"رجاء" کے معنی کا شعر جاہلی سے استشہاد

اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿مَنْ كَانَ يَرْجُوْا لِقَآءَ اللّٰهِ فَاِنَّ اَجَلَ اللّٰهِ لَاٰتٍ ۔ وَهُوَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ﴾[2]

ترجمہ: جو شخص امید رکھتا ہے اللہ تعالیٰ سے ملنے کی تو (وہ سن لے) کہ اللہ کی ملاقات کا وقت ضرور آنے والا ہے اور وہی ہر بات سننے والا ہر چیز کا جاننے والا ہے۔

"رجاء" کا معنی ہے طمع، جبکہ سعید بن جبیر کہتے ہیں کہ یہاں "رجاء" کا معنی خوف ہے یعنی جو شخص اللہ سے، ملنے کا خوف رکھتا ہے اور بقول امام قرطبی کے اہل تفسیر کا اجماع ہے اس بات پر کہ یہاں معنی یہ ہے کہ جو شخص موت سے ڈرتا ہے تو وہ سن لے کہ اللہ کی ملاقات کا وقت آنے والا ہے۔[3]

شعر جاہلی سے استشہاد:

ابو ذویب الہذلی کہتا ہے: **اذا لسعته النحل لم یرج لسعها**[4]

ترجمہ:۔ جب اسے شہد کی مکھیاں کاٹتی ہیں تو وہ ان کے ڈسنے سے ڈرتا نہیں ہے۔

وجہ استشہاد:۔

1۔ عنترہ کا شعر ہے۔ یہ شعر کا پہلا مصرع ہے دوسرا مصرع یوں ہے: بین الکلیل و بین ذات الحرمل (عنترہ، **دیوان عنتر**، ص67)۔ دیوان میں "طال الثوا" کی جگہ "طال الوقوف" کے الفاظ مذکور ہیں۔

2۔ العنکبوت: 5

3۔ الشوکانی، **فتح القدیر**، 4/231

4۔ ابو ذؤیب الہذلی، ابو ذؤیب خالد بن خالد الہذلی، **ابو ذؤیب الهذلی حیاته وشعره**، تحقیق: نورة الشملان (الریاض: عمادة شؤون المکتبات، ط1400ھ)، ص99۔ عجز البیت یہ ہے "وحالفها فی بیت نوب عوامل"

شعر میں "لم یرج" کے لفظ کا مادہ "رجاء" ہے۔ شاعر نے "رجاء" کا معنی خوف کیا ہے چونکہ شہد اتارنے والا شہد کی مکھیوں کے ڈسنے سے ڈرتا نہیں ہے اس لئے "لم یرج" کا معنی "لم یخف" ہوگا۔ آیت میں بھی "رجاء" سے خوف ہی مراد ہے۔ زجاج نے "رجاء" کا ایک معنی "امل" (امید رکھنا) بھی کیا ہے۔

"رَوْضَةٍ" کے لفظ کے مصداق کا شعر جاہلی سے استشہاد

اللہ تعالیٰ نے ایمان لانے اور اعمال صالحہ کرنے والوں کیلئے اجر بیان کرتے ہوئے فرمایا:

﴿فَاَمَّا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ فَهُمْ فِيْ رَوْضَةٍ يُّحْبَرُوْنَ﴾[1]

ترجمہ: تو وہ جو ایمان لائے تھے اور نیک عمل کرتے رہے تھے وہ باغ میں مسرور ہوں گے۔

روضہ کے لفظ پر بحث کرتے ہوئے امام شوکانی فرماتے ہیں کہ ہر وہ زمین جس پر نباتات اگی ہو اسے روضہ کہا جاتا ہے۔ مفسرین کے بقول یہاں روضہ سے مراد جنت ہے۔ ابو عبید نے کہا کہ جو باغ زیریں زمین میں ہو اسے روضہ کہتے ہیں اور جو بلند جگہ پر ہو اسے "ترعۃ" کہتے ہیں لیکن ایک قول یہ ہے کہ بہترین روضہ (باغ) وہ ہے جو بلند جگہ پر واقع ہو۔[2]

شعر جاہلی سے استشہاد

اعشیٰ نے کہا: ماروضة من رياض الحزن معشبة   خضراء جاد عليها مسبل هطل[3]

ترجمہ مقام حزن کے باغات سے بڑھ کر کوئی باغ سرسبز و شاداب نہیں ہے ہرے بھرے رہتے ہیں ان پر موسلا دھار بارش برستی رہتی ہے۔

تجزیہ

حزن قبیلہ بنی اسد اور بنی یربوع کی سرزمین کا نام ہے۔ یہ جگہ بلند تھی یہاں باغات ہرے بھرے ہوتے تھے بلند مقام پر واقع ہونے والے باغ کیلئے شاعر نے روضہ کا لفظ استعمال کیا ہے۔ گویا بنیادی طور پر روضہ ایسے باغ کو کہتے ہیں کہ جو بلندی پر واقع ہو۔ اصطلاحاً یہ لفظ جنت کیلئے استعمال کیا گیا جیسا کہ امام شوکانی نے مفسرین کے حوالے سے بیان کیا ہے۔

"مُنِيْبِيْنَ اِلَيْهِ" کے معنی کا شعر جاہلی سے استشہاد

1۔ الروم:15

2۔ الشوکانی، **فتح القدير**، 4/262

3۔ اعشیٰ، **ديوان الاعشى الكبير**، ص57

اللہ تعالیٰ نے دلائل وبراہین بیان کرنے کے بعد ہر باطل سے منہ موڑ کر اللہ کی طرف متوجہ ہونے کا حکم دیا۔ پہلے ارشاد فرمایا:

﴿**فَاَقِمْ وَجْهَكَ لِلدِّيْنِ حَنِيْفًا**﴾[1]

ترجمہ: پس آپ اپنا رخ پوری یکسوئی سے دین اسلام کی طرف کر لیں۔

پھر یکسوئی کی کیفیت بیان کرتے ہوئے فرمایا:

﴿**مُنِيْبِيْنَ اِلَيْهِ وَاتَّقُوْهُ وَاَقِيْمُوا الصَّلٰوةَ وَلَا تَكُوْنُوْا مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ**﴾[2]

ترجمہ: اللہ کی طرف رجوع کرتے ہوئے اور ڈرو اس سے اور نماز قائم کرو۔

مُنِيْبِيْنَ کا لفظ باب افعال سے اسم فاعل کا صیغہ ہے۔ حالت نصبی میں ہونے کی وجہ اس کا حال واقع ہونا ہے۔ اَقِمْ وَجْهَكَ میں انت ضمیر ذوالحال ہے اور مُنِيْبِيْنَ حال بن رہا ہے۔ اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ "اقم" واحد مذکر مخاطب کا صیغہ ہے جس میں انت ضمیر ذوالحال ہے جبکہ مُنِيْبِيْنَ جمع مذکر کا صیغہ ہے۔ ذوالحال واحد ہے تو حال جمع کیونکر ہو سکتا ہے؟ اس کا جواب امام شوکانی نے یہ دیا کہ بقول فراء کے اصل عبارت یوں ہے۔ **اقم وجهک و من معک منيبين** اب اعتراض رفع ہو گیا۔

منيبين اليه کا معنی امام شوکانی بیان کرتے ہیں کہ توبہ اور اخلاص سے اللہ کی طرف رجوع کرنا، اور اس کے اوامر ونواہی کی اطاعت کرنا۔[3]

شعر جاہلی سے استشہاد

انابۃ بمعنی رجوع کی دلیل امام شوکانی نے اس شعر سے دی:

وان تابوا فان بنی سلیم   وقومهم هوازن قد انابوا[4]

ترجمہ اگر وہ توبہ کر لیں تو بنو سلیم اور ان کی قوم ہوازن پہلے ہی رجوع کر چکے ہیں۔

محل استشہاد

1۔ الروم:30

2۔ الروم:31

3۔ الشوکانی، **فتح القدیر**، 4/269

4۔ صیفی الاسلت، ابو قیس صیفی بن الاسلت، **دیوان ابی قیس صیفی بن الاسلت**، تحقیق: دکتور حسن محمد باجوہ (قاہرہ: داراحیا التراث، ط 1391ھ)، ص 46۔ "وقومهم" کی بجائے "واخواتهم" کے الفاظ ہیں۔

انابوا کے لفظ سے شاعر نے رجوع کرنے کا معنی لیا ہے۔ آیت میں بھی منیبین کا یہی معنی ہے کہ سب سے ہٹ کر اللہ کی طرف رجوع کر لو۔ تدبر القرآن میں بھی اس لفظ کا یہی ترجمہ کیا گیا ہے۔ "اسی کی طرف متوجہ ہو کر"[1]

"سَلَقُوْکُمْ" کے معنی کا شعر جاہلی سے استشہاد

منافقین کا حال جنگ کے وقت یوں ہوتا ہے کہ پہلے تو وہ جنگ میں جانے سے گریزاں ہوتے ہیں اگر کبھی جانا پڑ ہی جائے تو خوف سے ان کی آنکھیں باہر کو آرہی ہوتی ہیں اور جب جنگ ختم ہو جاتی ہے تو زبان درازی پر اتر آتے ہیں۔ خود بھڑکیں مارتے ہیں اور مال غنیمت کی لالچ میں اپنی دلیری کی جھوٹی داستانیں سنانے لگتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿فَاِذَا ذَهَبَ الْخَوْفُ سَلَقُوْكُمْ بِاَلْسِنَةٍ حِدَادٍ اَشِحَّةً عَلَى الْخَيْرِ﴾[2]

ترجمہ: جب خوف چھائے تو آپ انہیں ملاحظہ فرمائیں گے وہ آپ کی طرف یوں دیکھنے لگتے ہیں کہ ان کی آنکھیں چکرا رہی ہوتی ہیں۔ اس شخص کی مانند جس پر موت کی غشی طاری ہو پھر جب خوف دور ہو جائے تو تمہیں سخت اذیت پہنچاتے ہیں۔ اپنی تیز زبانوں سے۔

آیت میں موجود سَلَقُوْكُمْ کے لفظ پر بحث کرتے ہوئے امام شوکانی فرماتے ہیں کہ جب کوئی شخص بلند آواز سے کسی پر زبان درازی کرے تو "سلق فلان فلانا بلسانه" کے الفاظ بولے جاتے ہیں۔ خطیب مسلاق یا خطیب مصلاق کے الفاظ فصیح و بلیغ خطیب کیلئے بولے جاتے ہیں۔[3]

شعر جاہلی سے تائید

اعشیٰ نے اپنے قبیلے کی مدح میں قصیدہ لکھتے ہوئے کہا:

فیھم المجد و السماحة و النج ۔۔۔ دة فیھم و الخاطب السلاق[4]

ترجمہ ان میں بزرگی، سخاوت اور شرافت ہے اور فصیح و بلیغ خطیب (بھی)۔

وجہ استشہاد

1۔ اصلاحی، **تدبر قرآن**، 6/92

2۔ الاحزاب: 19

3۔ الشوکانی، **فتح القدیر**، 4/324

4۔ اعشیٰ، **دیوان الاعشی الکبیر**، ص220۔ دیوان میں "السلاق" کی بجائے "المصلاق" کا لفظ ہے۔

شعر میں خاطب کی صفت مسلاق بیان کی گئی ہے۔ اس کا مادہ مجرد ''سلق'' ہی ہے۔ خطیب میں فصاحت و بلاغت موجود ہے اور زبان کی تیزی کی وجہ سے مسلاق کی صفت ذکر کی گئی ہے۔ آیت میں منافقین کی زبان درازی کیلئے یہی لفظ بیان کیا گیا ہے۔ امام قرطبی نے بھی اس لفظ کا یہی مفہوم بیان کیا۔

"فَمِنۡهُمۡ مَّنۡ قَضٰى نَحۡبَهٗ" کے معنی کا شعر جاہلی سے استشہاد

جہاد کا حکم نازل ہونے کے بعد چند صحابہ نے، جن میں امیر حمزہ، مصعب بن عمیر، عثمان غنی اور انس بن نضر جیسے لوگ بھی شامل تھے، نے نذر مانی کہ اگر کفار سے ہمارا مقابلہ ہوا تو ہم دلیری سے لڑیں گے یا تو شہادت پائیں گے یا پھر اللہ ہمیں ان پر فتح عطا فرمائے گا۔ ان میں سے چند نے شہادت پائی [1] اور جب یہ آیت نازل ہوئی تو اس وقت کچھ زندہ تھے اور وہ اپنے عہد پر قائم تھے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿مِنَ الۡمُؤۡمِنِيۡنَ رِجَالٌ صَدَقُوۡا مَا عَاهَدُوا اللّٰهَ عَلَيۡهِ‌ۚ فَمِنۡهُمۡ مَّنۡ قَضٰى نَحۡبَهٗ وَمِنۡهُمۡ مَّنۡ يَّنۡتَظِرُ‌ۖ وَمَا بَدَّلُوۡا تَبۡدِيۡلًا﴾ [2]

ترجمہ: اہل ایمان میں سے ایسے جوانمرد ہیں جنہوں نے سچا کر دکھایا جو وعدہ انہوں نے اللہ کے ساتھ کیا تھا۔ ان جوانمردوں میں سے کچھ تو اپنی نذر پوری کر چکے ہیں اور بعض (اس ساعت سعید کا) انتظار کر رہے ہیں ان کے رویے میں ذرا تبدیلی نہیں ہوئی۔

نحب کے لفظ کی وضاحت کرتے ہوئے امام شوکانی فرماتے ہیں کہ نحب ایسے کام کو کہتے ہیں جو انسان اپنے اوپر خود لازم کر لے اور اسے پورا کرنے کا پختہ تہیہ کرے۔ اسی طرح نحب کا لفظ نذر ماننے، قتل اور موت کیلئے بھی استعمال کیا جاتا ہے۔ نحب کا ایک معنی عہد بھی ہے اور حاجت اور خواہش کے حصول کیلئے بھی یہ لفظ بولا جاتا ہے [3]۔ امام شوکانی نے موخر الذکر معنی کی تائید میں زمانہ جاہلیت کا شعر ذکر کیا۔

شعر جاہلی سے استشہاد

لبید بن ربیعہ نے کہا: انحب فیقضی ام ضلال و باطل [4]

ترجمہ کیا کوئی حاجت ہے جسے پورا کیا جائے گا یا گمراہی اور باطل ہے۔

تجزیہ

1۔ الازہری، محمد کرم شاہ، **ضیاء النبی**، 3/420

2۔ الاحزاب: 23

3۔ الشوکانی، **فتح القدیر**، 4/326

4۔ لبید کے شعر کا یہ دوسرا مصرع ہے شعر کا پہلا مصرع یہ ہے: الاتسآلان المرء ماذا یحاول۔ (لبید، **دیوان لبید بن ابی ربیعہ**، ص 144)

امام شوکانی نے نحب کا معنی حاجت کرتے ہوئے دلیل میں یہ شعر ذکر کیا جبکہ امام جلال الدین سیوطی نے نافع بن ازرق کے حضرت ابن عباس سے سوال کرنے کے ضمن میں نحب کا معنی مقررہ وقت کرتے ہوئے دلیل کے طور پر یہ شعر ذکر کیا[1]۔ شعر کا سیاق وسباق مقررہ وقت کے معنی کی تائید کرتا ہے۔ لبید بن ربیعہ نے کہا:

الاتسالان المرء ماذا یحاول   انحب فیقضی ام ضلال و باطل

ترجمہ کیا تم دو آدمی اس شخص سے نہیں پوچھوگے کہ اس نے کس چیز کا ارادہ کیا ہے۔ کیا اس کے ارادہ کا وقت مقررہ پورا ہو چکا ہے یا (اس کا ارادہ) محض گمراہی اور باطل ہے۔

جب نافع بن ازرق کے قضیٰ نحبہ کے سوال کے جواب میں ابن عباس نے وقت مقررہ معنی بیان کر دیا ہے اور اس کی تائید میں مذکورہ شعر بھی بیان کیا ہے تو اب اس شعر کو کسی اور معنی سے خاص کرنا مناسب معلوم نہیں ہوتا۔

"صَیَاصِیۡهِمۡ" کے معنی کا شعر جاہلی سے استشہاد

غزوہ احزاب میں بنی قریظہ نے مسلمانوں کے ساتھ عہد شکنی کی اور کفار مکہ کا ساتھ دیا جب کفار مکہ بھاگ گئے تو نبی علیہ السلام بنو قریظہ کی طرف آئے۔ بنو قریظہ نے اپنے آپ کو قلعہ بند کر لیا۔ اور بعد میں حضرت سعد کے منصف بنائے جانے پر ہتھیار ڈال دیئے۔ حضرت سعد نے ان کے جوانوں کے قتل اور عورتوں اور بچوں کو لونڈی اور غلام بنانے کا فیصلہ کیا اور ان کا مال، مال غنیمت کے طور پر تقسیم ہوا[2]۔ اس بات کا ذکر اللہ کریم نے یوں فرمایا:

﴿وَاَنۡزَلَ الَّذِيۡنَ ظَاهَرُوۡهُمۡ مِّنۡ اَهۡلِ الۡكِتٰبِ مِنۡ صَيَاصِيۡهِمۡ وَقَذَفَ فِىۡ قُلُوۡبِهِمُ الرُّعۡبَ فَرِيۡقًا تَقۡتُلُوۡنَ وَتَاۡسِرُوۡنَ فَرِيۡقًا﴾[3]

ترجمہ: اہل کتاب سے جن لوگوں نے کفار کی امداد کی تھی۔ اللہ تعالیٰ نے انہیں ان کے قلعوں سے اتار لیا اور ان کے دلوں میں رعب ڈال دیا ایک گروہ کو تم قتل کر رہے ہو اور دوسرے گروہ کو قیدی بنا رہے ہو۔

صیاصی، صیصۃ کی جمع ہے۔ صیاصی، قلعوں کو کہا جاتا ہے ہر وہ چیز جس سے اپنی حفاظت کی جائے اسے صیصۃ کہا جاتا ہے۔ مرغ پاؤں میں جو نوک دار کیلیں ہوتی ہیں انہیں صیصۃ الدیک کہا جاتا ہے۔ گائے کے سینگوں کو صیاصی البقر کہا جاتا ہے۔ اور جولاہے کا کانٹا، جس سے وہ کپڑے کے تانے بانے درست کرتا ہے، کو صیصۃ کہا جاتا ہے[4]۔

شعر جاہلی سے استشہاد

1۔ السیوطی، **الدر المنشور**، 6/586

2۔ ابن ھشام، ابو محمد عبد الملک بن ھشام، **السیرۃ النبویۃ** (مصر: مطبعہ مصطفیٰ البابی الحلبی، طبع 1375ھ)، 2/250

3۔ احزاب: 26

4۔ الشوکانی، **فتح القدیر**، 4/329

جاہلی شاعر درید بن صمۃ نے اس لفظ کو موخر الذکر معنی میں یوں استعمال کیا:

فجئت الیہ و الرماح تنوشہ   کوقع الصیاصی فی النسیج الممدد[1]

ترجمہ میں اس کی طرف آیا اس حالت میں کہ نیزے اس (کے جسم) میں پیوست ہو رہے تھے جس طرح (جولاہے کے) کانٹے، بنے جانے والے کپڑے میں پڑے ہوتے ہیں۔

تجزیہ

یہ شعر درین بن صمہ نے اپنے بھائی عبد اللہ کے مرثیہ میں لکھا اسے بنو غطفان نے قتل کر دیا تھا۔ تیروں کے جسم میں پیوست ہونے کو جولاہے کے کانٹوں سے تشبیہ دی گئی ہے اور ان کیلئے صیاصی کا لفظ استعمال کیا۔ آیت میں صیاصی کا لفظ بنو قریظہ کے قلعوں کیلئے استعمال ہوا ہے۔ امام سیوطی نے بھی صیاصی کا معنی قلع ہی کیا ہے[2]۔

"وَ الْمُرْجِفُوْنَ فِی الْمَدِیْنَۃِ" کے معنی کا شعر جاہلی سے استشہاد

اللہ تعالیٰ نے مدینہ کے منافقین، فاسقین اور جھوٹی افواہیں پھیلانے والوں کو تنبیہ کرتے ہوئے فرمایا:

﴿لَئِنْ لَّمْ یَنْتَہِ الْمُنٰفِقُوْنَ وَ الَّذِیْنَ فِیْ قُلُوْبِہِمْ مَّرَضٌ وَّ الْمُرْجِفُوْنَ فِی الْمَدِیْنَۃِ لَنُغْرِیَنَّکَ بِہِمْ ثُمَّ لَا یُجَاوِرُوْنَکَ فِیْہَآ اِلَّا قَلِیْلًا﴾[3]

ترجمہ: اگر (اپنی حرکتوں سے) باز نہ آئے منافق اور جن کے دلوں میں بیماری ہے اور شہر میں جھوٹی افواہیں اڑانے والے تو ہم آپ کو ان پر مسلط کر دیں گے پھر وہ نہ ٹھہر سکیں گے آپ کے پاس مدینہ طیبہ میں مگر چند روز۔

مدینہ منورہ میں کچھ لوگ ایسے تھے جو جھوٹی اور من گھڑت خبریں پھیلاتے تھے جن کا مقصد مسلمانوں کو پریشان کرنا اور ان کے حوصلوں کو پست کرنا تھا۔ قرآن نے ان کیلئے المرجفون کا لفظ استعمال کیا۔ یہ "ارجاف" باب افعال سے اسم فاعل کا جمع مذکر کا صیغہ ہے ارجف القوم کا معنی صاحب السان العرب نے یوں بیان کیا۔

ارجف القوم اذا خاضوا فی الاخبار السیئۃ و ذکر الفتن[4]

یعنی بری خبریں پھیلانا اور فتنہ پروری کی باتیں کرنا۔

امام شوکانی ارجاف کا لغوی معنی بیان کرتے ہیں:

اشاعۃ الکذب و الباطل۔ یعنی جھوٹی اور بے بنیاد باتیں پھیلانا۔ الرجفۃ زلزلہ کو کہا جاتا ہے۔

1۔ درید بن الصمۃ، درید بن معاویہ بن الحارث، **دیوان درید بن الصمۃ** تحقیق: الدکتور عمر عبد الرسول (دار المعارف، ط، 2009م)، ص 63۔ دیوان میں موجود پہلے مصرع کے الفاظ مختلف ہیں۔ دیوان میں "غداۃ دعانی و الرماح ینشہ" کے الفاظ ہیں

2۔ السیوطی، **الدر المنثور**، 6/591

3۔ احزاب: 60

4۔ ابن منظور، **لسان العرب**، 9/113

چونکہ زلزلہ آکر چلا جاتا ہے اس کو دوام حاصل نہیں ہوتا اسی طرح جھوٹی بات کا بھی مستقل وجود نہیں ہوتا۔ اسی طرح چونکہ زلزلہ زمین ہلا کر رکھ دیتا ہے اور جھوٹی بات اور افواہیں بھی لوگوں میں اضطراب پیدا کر دیتی ہیں اس لئے ارجاف کا لفظ ہی دونوں کیلئے بولا جاتا ہے۔ اسی طرح سمندر کو بھی رجاف کہا جاتا ہے کیونکہ اس کی لہروں میں اضطراب موجود رہتا ہے۔[1]

شعر جاہلی سے استشہاد

رجاف بمعنی سمندر کی تائید میں امام شوکانی نے یہ شعر ذکر کیا:

المطعمین اللحم کل عشیة حتی تغیب الشمس فی الرجاف[2]

ترجمہ وہ ہر شام گوشت کھلاتے ہیں یہاں تک کہ سورج سمندر میں ڈوب جاتا ہے۔

تجزیہ:

ابن الزبعری نے یہ شعر ال عبد مناف کی مدح کے قصیدے میں لکھا۔ ان کی سخاوت کا تذکرہ کیا کہ وہ کھانا کھلانے والے لوگ ہیں شعر میں رجاف کا لفظ سمندر کیلئے استعمال ہوا ہے۔ سورج کا سمندر میں ڈوبنا حقیقی نہیں ہے بلکہ تصوراتی ہے جیسے کوئی شخص سمندر کے کنارے کھڑا ہو تو وہ سمجھتا ہے کہ اسی سمندر کے پانی میں سورج ڈوب رہا ہے حالانکہ فی الواقع ایسا نہیں ہوتا۔ البتہ آیت میں " الْمُرْجِفُوْنَ "کا لفظ افواہیں پھیلانے والوں کیلئے استعمال ہوا۔ چونکہ ان کی باتوں سے ہلچل مچ جاتی تھی اس لئے رجفۃ کا لفظ استعمال ہوا جس کا معنی زلزلہ ہے۔ اسی ارتعاش شدید کی وجہ سے یہ لفظ سمندر کیلئے بھی استعمال کیا جاتا ہے۔ رجفۃ کا لفظ زلزلہ کیلئے استعمال ہونا حقیقی ہے لیکن افواہوں کیلئے استعمال استعارہ کے طور پر ہے کیونکہ جھوٹی افواہوں سے ماحول میں ہلچل مچ جاتی ہے۔

"اَوِّبِیْ" کے معنی کا شعر جاہلی سے استشہاد

اللہ تعالیٰ نے پہاڑوں کو حکم دیا: ﴿یٰجِبَالُ اَوِّبِیْ مَعَهٗ﴾[3]

ترجمہ: اے پہاڑو! تم داؤد کے ساتھ تسبیح کرو۔

امام شوکانی فرماتے ہیں کہ یہاں یا جبال سے پہلے قلنا کا فعل محذوف ہے تقدیری عبارت یوں ہے "قلنا یا جبال اوبی" تاویب کا ایک معنی ہے تسبیح بیان کرنا۔ اس معنی کی تائید اس آیت سے ہوتی ہے:

1۔ الشوکانی، **فتح القدیر**، 365/4

2۔ مطرود بن کعب الخزاعی کا شعر ہے۔ امام شوکانی نے پہلے مصرع کے الفاظ میں تبدیلی کی اصل مصرع یوں ہے: "والمطعمون اذا الریاح تناوحت" (ابن منظور، **لسان العرب**، 114/9)

3۔ سبأ: 10

﴿اِنَّا سَخَّرْنَا الْجِبَالَ مَعَهٗ يُسَبِّحْنَ بِالْعَشِيِّ وَالْاِشْرَاقِ﴾ [1]

ترجمہ: ہم نے پہاڑوں کو ان کے تابع کر دیا تھا کہ وہ ان کے ساتھ تسبیح پڑھیں۔

گویا "اوبی" کا معنی تسبیح پڑھو متحقق ہو گیا۔ اہل حبشہ کی زبان میں تاویب کا معنی تسبیح ہے۔ یہ قول ابو میسرہ کا ہے جبکہ "تاویب" کا ایک معنی پورا دن سفر کرتے رہنا بھی ہے۔ [2]

شعر جاہلی سے تائید

تاویب کا معنی پورا دن سفر کرنا شعر میں یوں مذکور ہے:

لحقنا بحي أو بوا السير بعدما   دفعنا شعاع الشمس و الطرف مجنح [3]

ترجمہ ہم ایسے قبیلے سے جا ملے جو سارا دن چلتے رہے۔ بعد اس کے کہ سورج کی شعاعیں ہمیں دھکیل رہی تھیں اور پلک جھک رہی تھی۔

تجزیہ

اوبوا السیر کا لفظ دن بھر چلنے کے معنی میں استعمال ہوا۔ شام کے وقت سورج کی شعاعیں سامنے سے آنکھوں میں پڑ رہی تھیں اور پلکیں جھک رہی تھیں شعاع الشمس کے دھکیلنے سے معلوم ہوتا ہے کہ سفر دن بھر جاری رہا۔ اب سورج ڈوبتے ہوئے لوگ چلنے سے قاصر ہیں۔ تاویب کا لفظ اگر چلنے کے معنی میں استعمال ہو تو آیت کا معنی یہ ہو گا کہ ہم نے پہاڑوں سے کہا کہ اے پہاڑو! داؤد کے ساتھ چلو۔ اردو مفسرین نے چلنے کی بجائے تسبیح کرنے کا معنی اختیار کیا ہے۔ [4]

"وَقَدِّرْ فِي السَّرْدِ" کے معنی کا شعر جاہلی سے استشہاد

اللہ تعالیٰ نے داؤد علیہ السلام کیلئے لوہا نرم کر دیا اور حکم دیا:

﴿اَنِ اعْمَلْ سٰبِغٰتٍ وَّقَدِّرْ فِي السَّرْدِ وَاعْمَلُوْا صَالِحًا﴾ [5]

ترجمہ: (اور حکم دیا) کہ کشادہ زرہیں بناؤ اور (ان کے) حلقے جوڑنے میں اندازے کا خیال رکھو۔

السرد کا لغوی معنی ہے سوراخ [6]۔ امام شوکانی اس کا معنی بیان کرتے ہیں زرہ کے حلقے بنانا۔ سرد اور زرد دونوں لفظ بولے جاتے ہیں (زاء کو سین سے بدلا گیا ہے)۔ زرہ بنانے والے کو سراد اور زراد کے نام دیئے جاتے ہیں۔

1۔ ص:18

2۔ الشوکانی، **فتح القدیر**، 4/377

3۔ ابن مقبل، تمیم بن ابی ابن مقبل، **دیوان ابن مقبل**، تحقیق: الدکتور عزة حسن (دمشق: دار احیاء التراث القدیم، طبع، 1381ھ)، ص 404

4۔ سعیدی، **تبیان القرآن**، 10/48

5۔ سبا: 11

6۔ الاصفہانی، ابو القاسم الحسین بن محمد، **المفردات فی غریب القرآن** (بیروت: دار القلم، طبع، 1412ھ)، 1/406

اس کا ایک معنی سوراخ کرنا بھی ہے۔ سرد الکلام کا لفظ تب بولا جاتا ہے جب کوئی تسلسل سے گفتگو کرے۔ اسی سے حدیث ہے حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں:

((لم یکن النبی ﷺ یسرد الحدیث کسرد کم))[1]

سیبویہ کے بقول سرید کا لفظ بھی اسی سے بنا ہے اور سرد الدروع کے الفاظ تب بولے جاتے ہیں جب زرہیں پختہ بنائی جائیں اور ان کے حلقے ایسے منظم انداز میں ہوں کہ ایک دوسرے سے مختلف نہ ہوں۔[2]

شعر جاہلی سے تائید

موخر الذکر معنی کی تائید میں امام شوکانی نے دو جاہلی شعراء کے اشعار ذکر کئے۔ پہلا شعر لبید کا ہے:

سرد الدروع مضاعفا أسراده   لينال طول العيش غير مروم[3]

ترجمہ اس نے زرہیں بنائیں ان کے حلقوں کو تہہ در تہہ بنایا۔ تاکہ لمبی عمر پائے اور کوئی (قتل کیلئے اس کا) ارادہ نہ کرے۔

دوسرا شعر ابو ذویب الھذلی کا ہے:

وعليهما مسرودتان قضاهما   داؤد او صنع السوابغ تبع[4]

ترجمہ دونوں پر ایسی (مضبوط) زرہیں ہیں کہ ایسا لگتا ہے کہ انہیں داؤد علیہ السلام نے بنایا ہے یا تبع بادشاہ کی بنائی ہوئی ہے۔

تجزیہ

پہلے شعر میں اسراد کا لفظ سرد کی جمع ہے۔ زرہ کی پختگی اس حال میں ہے کہ اس کے حلقے تہہ در تہہ بنائے گئے ہیں ان میں مکمل برابری ہے۔ کوئی حلقہ دوسرے سے مختلف نہیں ہے۔

دوسرے شعر میں ابو ذویب الھذلی اپنے بیٹوں کا مرثیہ لکھتے ہوئے کہتا ہے کہ ان دونوں پر ایسی مضبوط زرہیں تھیں کہ لگتا تھا جیسے داؤد علیہ السلام یا تبع بادشاہ نے بنائی ہیں۔ ان کی پختگی کے بیان کیلئے ان شخصیات کی طرف انتساب کیا گیا۔ اور مضبوط زرہوں کیلئے مسرودۃ کا لفظ استعمال کیا گیا۔ گویا سرد کا لفظ زرہ کی مضبوطی کیلئے استعمال ہوا

1۔ عروہ بن زبیر حضرت عائشہؓ سے روایت کرتے ہیں کہ ایک مرتبہ حضرت ابو ہریرہؓ حجرہ عائشہ میں تشریف لائے اور احادیث بیان کرنا شروع کر دیں۔ ان کے بیان میں روانی اور تسلسل تھا۔ حضرت عائشہؓ نوافل ادا کر رہی تھیں۔ نماز ختم کی تو ابو ہریرہ جا چکے تھے حضرت عائشہؓ نے تب یہ جملہ بولا اور فرمایا کہ اگر میں انہیں پا لیتی تو ان کا رد کرتی۔ نبی علیہ السلام تمہاری طرح تسلسل سے کلام نہیں کیا کرتے تھے۔ (احمد بن حنبل، **مسند احمد بن حنبل**، حدیث نمبر: 3729)

2۔ الشوکانی، **فتح القدیر**، 4/377

3۔ لبید، دیوان لبید بن ابی ربیعہ، ص 244۔ دیوان میں پہلے مصرع کے الفاظ میں اختلاف ہے دیوان میں الفاظ یہ ہیں "ضع الحديد لحفظها سراده"

4۔ ابو ذویب الھذلی، **دیوان ابی ذویب الھذلی، حیاته و شعره**، ص 99

ہے اور مضبوطی حلقوں کی ترتیب اور مناسبت سے ہوتی تھی۔ صاحب تفہیم القرآن نے آیت کا ترجمہ اسی مفہوم کو مد نظر رکھ کر کیا "اور ان کے حلقے ٹھیک اندازے پر رکھ"۔ (1)

محاریب سے کیا مراد ہے

اللہ تعالیٰ نے جناب کو حضرت سلیمان علیہ السلام کے تابع کیا تھا۔ جنات، حضرت سلیمان علیہ السلام کیلئے جو خدمات سرانجام دیتے تھے ان میں سے ایک تھی:

﴿يَعۡمَلُوۡنَ لَهٗ مَا يَشَآءُ مِنۡ مَّحَارِيۡبَ﴾ (2)

ترجمہ: وہ بناتے آپ کیلئے جو آپ چاہتے پختہ عمارتیں۔

محاریب لغوی طور پر بلند جگہ کو کہتے ہیں۔ بلند و بالا عمارت، بلند محلات۔ برد کے بقول ہر وہ جگہ جس پر سیڑھی لگا کر چڑھا جائے اسے محراب کہتے ہیں جس جگہ نماز پڑھی جائے اسے محراب اس لئے کہتے ہیں کہ وہ باقی جگہوں کی نسبت تھوڑی بلند ہوتی ہے۔ مجاہد نے کہا کہ محاریب محلات سے (سائز میں) تھوڑے چھوٹے ہوتے ہیں اور ابو عبیدہ نے کہا کہ گھر کا سب سے بہترین حصہ محراب کہلاتا ہے (جیسے بیٹھک ہوتی ہے)(3)

شعر جاہلی سے تائید

امرؤ القیس نے اپنے شعر میں محاریب کا لفظ بیٹھک کیلئے استعمال کیا:

وماذا علیہ ان ذکرت اوانسا   کغزلان رمل فی محاریب اقیال (4)

ترجمہ جب دوشیزائیں رئیسوں کے اعلیٰ کمروں میں ہوتی ہیں تب میں انہیں صحراء کے ہرنوں سے تشبیہ دیتا ہوں تو اس میں اسے کیا (تکلیف) ہے؟

تجزیہ

محاریب کا لفظ رئیسوں کے اعلیٰ کمروں کیلئے استعمال ہوا ہے شاعر دوشیزاؤں کی امراء کے اعلیٰ کمروں میں موجودگی کو ہرنوں سے تشبیہ دیتا ہے اور ناقد پر تنقید کرتا ہے۔ امراء کے اعلیٰ کمروں کیلئے محاریب کے لفظ کا استعمال

1۔ مودودی، **تفہیم القرآن**، 4/178

2۔ سبا: 13

3۔ الشوکانی، **فتح القدیر**، 4/378

4۔ امرؤ القیس، **دیوان امرء القیس**، 1/138

ابو عبیدہ کے قول کو ترجیح دیتا ہے۔ اردو مفسرین نے عمارت کی پختگی مراد لی ہے جیسے تبیان القرآن میں "قلعے" معنی کرنا[1] اور مولانا مودودی کا "اونچی عمارتیں" ترجمہ کرنے سے ظاہر ہوتا ہے۔[2]

آتش جہنم میں کفار کی حالت یہ ہو گی

﴿ وَهُمْ يَصْطَرِخُونَ فِيهَا ﴾[3]

ترجمہ: اور وہ اس پر چیختے چلاتے ہوں گے۔

امام شوکانی الصراخ کا معنی چیخ بیان کرتے ہیں۔ یعنی کفار آتش دوزخ میں بلند آواز سے پکار پکار کر مدد طلب کریں گے۔ صارخ کا لفظ مدد طلب کرنے والے کیلئے استعمال کیا جاتا ہے[4]۔

شعر جاہلی سے استشہاد

امام شوکانی نے مذکورہ معنی کا استشہاد اس شعر سے کیا:

كنا اذا ما اتانا صارخ فزع   كان الصراخ له قرع الطنابيب[5]

ترجمہ جب ہمارے پاس چیختا ہوا گھبرا کر کوئی مدد طلب کرنے کیلئے آتا ہے تو ہماری طرف سے اس کا جواب نیزوں کے ٹکرانے کی آواز ہوتا ہے۔

تجزیہ

سلامہ بن جندل کے اس شعر میں صارخ اسم فاعل کا صیغہ استعمال ہوا۔ پھر اسی کا مصدر صراخ بھی استعمال ہوا۔ صراخ، فریادی کی چیخ کو کہا جاتا ہے اور چیخ مارنے والے کو صارخ کہا جاتا ہے۔ شاعر اپنی اور اپنے قبیلے کی شجاعت بیان کرتے ہیں کہ مصیبت کا مارا آہ و فغاں کرتے ہوئے ہمارے پاس آتا ہے تو ہم اس کی دادرسی کرتے ہیں۔ صراخ کے لفظ سے باب افتعال کا صیغہ یصطرخون استعمال کیا گیا ہے۔ تاء افتعال کو طاء سے بدلا گیا ہے۔ شعری تناظر میں آیت کا یہی معنی یہی ہے کہ کفار دوزخ کی آگ میں چیخ و پکار کریں گے۔

پیر کرم شاہ نے یصطرخون کا ترجمہ کرتے ہوئے چیخ و پکار کا ہی معنی کیا ہے۔[6]

1۔ سعیدی، **تبیان القرآن**، 9/603

2۔ مودودی، **تفہیم القرآن**، 4/180

3۔ فاطر: 37

4۔ الشوکانی، **فتح القدیر**، 4/422

5۔ سلامۃ بن جندل، **دیوان سلامۃ بن جندل**، ص22

6۔ الازہری، محمد کرم شاہ، **ضیاء القرآن**، 4/158

"فَهُمۡ مُّقۡمَحُوۡنَ" کے معنی کا شعر جاہلی سے استشہاد

حق سے اعراض کرنے والوں کی مثال بیان کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿اِنَّا جَعَلۡنَا فِیۡۤ اَعۡنَاقِهِمۡ اَغۡلٰلًا فَهِیَ اِلَی الۡاَذۡقَانِ فَهُمۡ مُّقۡمَحُوۡنَ﴾ [1]

ترجمہ: ہم نے ڈال دیئے ہیں ان کی گردنوں میں طوق پس وہ ان کی ٹھوڑیوں تک پہنچے ہوئے ہیں اس لئے ان کے سر اوپر کو اٹھے ہوئے ہیں۔

"مُّقۡمَحُوۡنَ" باب افعال سے اسم مفعول، جمع مذکر کا صیغہ ہے۔ اقماح کا معنی امام شوکانی بیان کرتے ہیں کہ سر اٹھانا اور آنکھیں نیچی رکھنا کہا جاتا ہے۔ **اقمع البعير راسه** جب اونٹ اپنا سر اٹھالے اور مزید پانی نہ پیئے تو یہ جملہ بولا جاتا ہے۔[2]

شعر جاہلی سے استشہاد

بشر بن ابی حازم الاسدی کشتی میں سوار ہونے کی کیفیت بیان کرتے ہوئے کہتا ہے:

ونحن علی جوانبها قعود نغض الطرف کالابل القماح[3]

ترجمہ ہم اس (کشتی) کے ایک طرف میں بیٹھے ہوئے تھے ہم نے آنکھیں ایسے بند کی ہوئی تھیں جیسے اونٹ پانی پینے کے بعد بند کرلیتا ہے۔

تجزیہ

اونٹ جب پانی پی لے تو سر اوپر اٹھالیتا ہے اور اپنی پلکیں آنکھوں پر ڈال دیتا ہے۔ اونٹ کی اس حالت کو "**الابل القماح**" کے الفاظ سے بیان کیا جاتا ہے۔ گویا اقماح کا معنی ہے سر اٹھا ہوا ہو اور آنکھیں جھکی ہوئی ہوں اس تناظر میں آیت کا معنی یہ ہوگا کہ کفار گردنوں میں طوق ڈالے سر اٹھائے اور آنکھیں جھکائے معلوم ہوتے ہیں۔ اردو مترجمین نے ترجمہ کرتے ہوئے سر اٹھانے کا ترجمہ کیا لیکن آنکھیں جھکانے کا ذکر نہیں کیا۔ مولانا مودودی نے ترجمہ کیا "اس لئے وہ سر اٹھائے کھڑے ہیں"[4]۔ پیر کرم شاہ صاحب نے ترجمہ کیا اس لئے ان کے سر اوپر کو اٹھے ہوئے ہیں۔[5]

1۔ یٰس:8

2۔ الشوکانی، **فتح القدیر**، 4/430

3۔ بشر بن ابی حازم الاسدی، **دیوان بشر بن ابی حازم الاسدی**، تحقیق: مجید طراد (بیروت: دار الکتاب العربی، ط، 1415ھ)، ص 47

4۔ مودودی، **تفہیم القرآن**، 4/246

5۔ الازہری، محمد کرم شاہ، **ضیاء القرآن**، 4/168

اس کے بعد امام شوکانی فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے یہ مثال بیان فرمائی کہ یہ کفار ہدایت سے اس طرح رکے ہوئے ہیں جس طرح وہ شخص رکا ہوتا ہے جس کے گلے میں طوق لٹکایا گیا ہو۔

شعر جاہلی

یہ ایسے ہی ہے جیسے افوہ الاودی نے کہا: **لهم عن الرشد اغلال و اقیاد**[1]

ترجمہ ہدایت کے حصول سے انہیں طوق اور بیڑیاں لگی ہیں۔

تجزیہ

جس طرح شعر میں شاعر کہتا ہے کہ جب تک ایسے گروہ میں شامل ہو گا جو قبول حق سے ایسے ہی گریزاں ہوتا ہے جیسے طوق ڈلا اور بیڑیاں پہنا ہوا شخص دور ہوتا ہے تو کیسے تجھے ہدایت ملے گی۔ شاعر نے مثال بیان کرتے ہوئے راہ حق سے دور ہونے والوں کیلئے گلے میں طوق اور پاؤں میں بیڑیوں کا ذکر کیا۔ گویا آیت میں بھی اللہ نے "فِيْٓ اَعْنَاقِهِمْ اَغْلٰلًا" میں ایسے مثال کے طور پر طوق ڈالے جانے کا ذکر کیا ہے کہ کفار مثل طوق زدہ شخص کے حق سے دور ہیں۔

"سَدًّا" کے معنی کا شعر جاہلی سے استشہاد

اللہ تعالیٰ نے کفار کے بارے میں فرمایا:

﴿ وَجَعَلْنَا مِنْۢ بَيْنِ اَيْدِيْهِمْ سَدًّا وَّمِنْ خَلْفِهِمْ سَدًّا فَاَغْشَيْنٰهُمْ فَهُمْ لَا يُبْصِرُوْنَ ﴾ [2]

ترجمہ: ہم نے ایک دیوار ان کے آگے کھڑی کر دی اور ایک دیوار ان کے پیچھے کھڑی کر دی سو ہم نے ان کو ڈھانپ دیا پس وہ (کچھ) نہیں دیکھتے۔

جس طرح دیواریں کھڑی کر کے انسان کو قید کر دیا جاتا ہے وہ کسی جانب فرار اختیار نہیں کر سکتا اسی طرح کفار کے آگے اور پیچھے ایسے دیواریں بنا دی گئی ہیں جن سے ان کے فہم کی قوتیں مسلوب ہو چکی ہیں اب وہ سمجھ نہیں سکتے اور یہاں سے نکل کر ان کا ایمان کی طرف آنا ممکن نہیں رہا۔[3] اس معنی کی تائید اسود بن یعفر النہشلی کے اس شعر سے ہوتی ہے:

شعر جاہلی سے استشہاد

1۔ یہ شعر کا دوسرا مصرع ہے پہلا مصرع یوں ہے: **كيف الرشاد اذا ما كنت فى نفر**۔ (الاخوۃ الاودی، صلاءۃ بن عمرو بن مالک، **دیوان الاخوۃ الاودی**، تحقیق: الدکتور محمد التونجی (بیروت: دار صادر، طبع، 1998م)، ص67

2۔ یٰس: 9

3۔ الشوکانی، **فتح القدیر**، 4/431

ومن الحوادث لا ابالک اننی　　　ضربت علی الارض بالاسداد[1]

ترجمہ تیرا باپ نہ رہے! حادثات زمانہ میں سے یہ بھی ہوا کہ مجھ پر زمین پہاڑوں سمیت دے ماری گئی۔

تجزیہ

شعر میں ”اسداد“ کا لفظ ”سد“ کی جمع ہے۔ شعر میں شاعر اپنے اوپر غموں کے پہاڑ ٹوٹنے کیلئے ”**ضربت علی الارض بالاسداد**“ کے الفاظ استعمال کر رہا ہے۔ سد کا لفظ پہاڑ اور دیوار دونوں کیلئے بولا جاتا ہے جیسا کہ لسان العرب میں کہا گیا:

السد بالفتح و الضم: الردم و الجبل[2]

مراد یہ ہے کہ سد ایسی چیز کو کہتے ہیں جو دو چیزوں کے درمیان رکاوٹ ہو۔ وہ پہاڑ بھی ہو سکتا اور دیوار بھی۔ اس تناظر میں آیت کا معنی یہ ہے کہ کفار کے کفر پر ڈٹے رہنے کی وجہ سے اب ایسی دیواریں ان کے آگے پیچھے بنا دی گئی ہیں کہ اب ان کا راہ حق کی طرف آنا ممکن ہی نہیں رہا۔

"طِيْنٍ لَّازِبٍ" کے معنی کا شعر جاہلی سے استشہاد

اللہ تعالیٰ نے انسان کی تخلیق کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا:

﴿اِنَّا خَلَقْنٰهُمْ مِّنْ طِيْنٍ لَّازِبٍ﴾[3]

ترجمہ:۔ بے شک ہم نے ان کو لیس دار مٹی سے پیدا کیا۔

لازب کا لفظ لزب، یلزب لزوباً سے اسم فاعل کا صیغہ ہے اس لفظ کا معنی بیان کرتے ہوئے امام شوکانی فرماتے ہیں کہ جب کوئی چیز چمٹ جائے تو یہ لفظ استعمال کیا جاتا ہے۔ اہل عرب طین لازب اور طین لازم یعنی باء اور میم دونوں کے ساتھ پڑھتے ہیں۔

لازم کا ایک معنی ثابت بھی کیا گیا ہے جس طرح کہا جاتا ہے ”**صار الشیء ضربة لازب**“ فلاں چیز پکی چپک گئی ہے۔

شعر جاہلی سے استشہاد

یہ معنی نابغہ االذبیانی کے اس شعر میں ہے:

لاتحسبون الخیر لا شر بعده　　　ولاتحسبون الشر ضربة لازب[4]

1۔ النہشلی، اسود بن یعفر، **دیوان الاسود بن یعفر**، تحقیق: نوری الحمیدی القیسی (مصر: وزارۃ الثقافۃ والاعلام، ط، 1390ھ)، ص25

2۔ ابن منظور، **لسان العرب**، 3/207

3۔ الصافات: 11

4۔ الذبیانی، نابغہ الذبیانی، **دیوان نابغہ الذبیانی**، ص48

ترجمہ:۔ تم خیر کے بارے میں یہ خیال نہیں کرتے کہ اس کے بعد شر نہیں ہو گی اور نہ تم شر کو چمٹ جانے والی مصیبت خیال کرتے ہو۔

تجزیہ:

ایسی چیز جو کسی دوسری کے ساتھ ایسی مل جائے کہ اس سے جدا نہ ہو تو اسے ضربۃ لازب کہتے ہیں۔ شعر میں شاعر نے شر کو ضربۃ لازب یعنی ایسی مصیبت جو ہمیشہ ساتھ متصل رہتی ہے قرار دیا۔ مراد یہ ہے کہ شر کا بدلہ کسی نہ کسی صورت میں ظاہر ہو کر رہتا ہے۔ شعری تناظر میں آیت کا معنی یہ ہے کہ ہم نے انہیں ایسی مٹی سے بنایا جو چمٹ جانے والی ہے جو جدا نہیں ہوتی۔ تفسیر عثمانی میں ترجمہ اسی کے موافق کیا گیا کہ ہم نے ہی ان کو بنایا ہے ایک چپکتے گارے سے۔[1]

"یُنْزَفُوْنَ" کے معنی کا شعر جاہلی سے استشہاد

اہل جنت کو جنت میں جو شراب پلائی جائے گی اس کی ایک خوبی اللہ تعالیٰ نے یوں بیان فرمائی:

﴿لَا فِيهَا غَوْلٌ وَّلَا هُمْ عَنْهَا يُنْزَفُوْنَ﴾[2]

ترجمہ:۔ نہ اس سے درد سر ہو گا اور نہ وہ اس سے بہکیں گے۔

ینزفون کا معنی امام شوکانی یسکرون بیان کرتے ہیں جب شراب پی کر شرابی خمار زدہ ہو جائے اس کے قدم لڑکھڑانے لگیں تو اسے منزوف کہا جاتا ہے اس کیلئے نزیف کا لفظ بھی استعمال کیا جاتا ہے۔[3]

شعر جاہلی سے استشہاد

نزف بمعنی سکر کی تائید میں امام شوکانی نے دو اشعار بیان کئے دونوں امرؤالقیس کے ہیں:

واذاھی تمشی بمش النزیف   یصرعه بالکثیب البھر[4]

ترجمہ:۔ جب وہ مخمور شخص کے چلنے کی طرح چلتی ہے تو چھوٹے ٹیلے سے (بھی) ٹوٹتی سانسیں اسے گرا دیتی ہیں۔

پھر امرؤالقیس نے کہا: **نزیف اذا قامت لوجه تمایلت**[5]

1۔ عثمانی، شبیر احمد، **تفسیر عثمانی**، 3/230

2۔ الصافات:47

3۔ الشوکانی، **فتح القدیر**، 4/448

4۔ امرؤالقیس، **دیوان امرء القیس**، 1/106

5۔ یہ شعر کا ایک مصرع ہے دوسرا مصرع یہ ہے: تراشی الفؤاد الرخص الا تحقرا۔(امرؤالقیس، **دیوان امرء القیس**، 1/94)

اسے خمار چڑھا ہے جب کسی کام کیلئے کھڑی ہوتی ہے تو لڑکھڑا جاتی ہے۔

تجزیہ

دونوں اشعار میں "نزیف" سے مراد ایسا شخص ہے کہ خمار کی وجہ سے جس کی ٹانگیں لڑکھڑا رہی ہوتی ہیں۔ پہلے شعر میں شاعر اپنی محبوبہ کی چال کو شرابی کی چال سے تشبیہ دیتا ہے۔ اس کے مٹک مٹک کر چلنے کو شرابی کی چال جیسا قرار دیتا ہے دوسرے شعر میں بھی نزیف سے مراد مخمور شخص ہے۔ یعنی یہ شراب ایسی ہے کہ جس کو پینے کے بعد قدم لڑکھڑانے لگتے ہیں لیکن اہل جنت کو جو شراب پلائی جائے گی اس سے قدم نہیں لڑکھڑائیں گے بلکہ انسان اپنے ہوش وحواس برقرار رکھے گا۔ انسان کے دماغ کا اس کے جسم پر مکمل کنٹرول باقی رہے گا۔

مولانا مودودی نے ینزفون کا معنی عقل کی خرابی کیا ہے۔[1] یہ معنی شعری مراد سے موافقت رکھتا ہے۔

"قٰصِرٰتُ" اور "بَیۡضٌ" کے معنی کا شعر جاہلی سے استشہاد

اللہ تعالیٰ نے جنت کی حوروں کے اوصاف بیان کرتے ہوئے فرمایا:

﴿وَعِنۡدَهُمۡ قٰصِرٰتُ الطَّرۡفِ عِيۡنٌ۔ كَاَنَّهُنَّ بَيۡضٌ مَّكۡنُوۡنٌ﴾[2]

ترجمہ:۔ اور ان کے پاس نیچی نظر رکھنے والی، بڑی بڑی آنکھوں والی حوریں ہونگی گویا کہ وہ پوشیدہ انڈے ہیں۔

قاصرات الطرف کا معنی ہے کہ اپنی پلکیں اپنے شوہروں کے سامنے جھکا کے رکھیں گی قصر کا معنی ہے روک کے رکھنا۔[3]

شعر جاہلی سے استشہاد

امرؤالقیس نے کہا:

من القاصرات الطرف لو دب محول   من الذر فوق الاتب منها لاثرا[4]

ترجمہ:۔ وہ ان عورتوں میں سے (ایک) ہے جو اپنی نظریں جھکا کے رکھتی ہیں اگر گرد وغبار کا باریک ذرہ بھی اس کی چادر پر گرے تو وہ اس کا بھی احساس کرتی ہے۔

1۔ مودودی، **تفہیم القرآن**، 287/4

2۔ الصافات: 49-48

3۔ الشوکانی، **فتح القدیر**، 449/4

4۔ امرؤالقیس، **دیوان امرءالقیس**، 97/1

دوسری آیت میں حوروں کو ایسے انڈوں سے تشبیہ دی گئی ہے جو چھپائے گئے ہیں۔ امام شوکانی نے کہا کہ اس سے مراد شتر مرغ کے انڈے ہیں وہ ہوا اور گرد وغبار سے انڈوں کو بچانے کیلئے پروں سے ڈھانپ دیتا ہے۔ بیض، سفید رنگت اس لئے کہی گئی کہ زردی میں سفیدی ہی عورتوں کا اعلیٰ حسن ہوتا ہے۔ سعید بن جبیر اور سدی کے بقول حوروں کو انڈے کے اندرونی حصے سے تشبیہ دی گئی ہے جب اس کا چھلکا اتارا جائے اور ہاتھ بھی اسے مس نہ کریں۔[1]

شعر جاہلی سے تائید

امرؤالقیس نے اپنے معلقہ کے ایک شعر میں کہا:

وبیضة خدر لا یرام خباؤها　　　تمتعت من لهو بها غیر معجل[2]

ترجمہ:۔ بہت سے پردہ نشین خوبصورت عورتیں (ایسی) ہیں کہ جن کے خیمے کی طرف جانے کا بھی کسی نے ارادہ نہیں کیا (لیکن) میں کافی دیر تک ان کے ساتھ لہو ولعب کرتے ہوئے لطف اندوز ہوا۔

تجزیہ

امرؤالقیس نے پہلے شعر میں اپنی محبوبہ کی شرم و حیا اور حساس ہونے کی تعریف کی ہے۔ شرم و حیا کی تعریف کرتے ہوئے من القاصرات الطرف کے لفظ استعمال کرتا ہے کہ میری محبوبہ ان عورتوں میں سے ہے جو نگاہیں جھکا کے رکھتی ہیں اس کیلئے القاصرات الطرف کے الفاظ کا استعمال آیت کے یہ معنی متحقق کرتا ہے کہ حوریں ایسی شرم وحیا والی ہوں گی کہ نگاہیں جھکا کے رکھیں گی۔ صاحب تبیان القرآن نے یہی ترجمہ کیا ہے "نیچی نظر رکھنے والی"[3] بعد کی مثال محبوبہ کے حساس ہونے پر دلالت کرتی ہے۔

دوسرے شعر میں شاعر عورتوں کے حسن کی تعریف کیلئے بیضۃ کا لفظ استعمال کرتا ہے عورت خیمے کے اندر ہے۔ بیضۃ کا لفظ ذکر کر کے اس کے خیمے کو چھلکے سے تشبیہ دیتا ہے اور اندر کی سفیدی پر عورتوں کا حسن مراد لیتا ہے۔ گویا عورت کے حسن کو بیان کرنے کیلئے بیضۃ کا لفظ جاہلیت میں رائج تھا۔

"حِيْنَ مَنَاصٍ" کے معنی کا شعر جاہلی سے استشہاد

اللہ تعالیٰ نے سابقہ اقوام کی ہلاکت اور ہلاکت کے وقت ان کی فریاد کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا:

﴿كَمْ اَهْلَكْنَا مِنْ قَبْلِهِمْ مِّنْ قَرْنٍ فَنَادَوْا وَّلَاتَ حِيْنَ مَنَاصٍ﴾[4]

1۔ الشوکانی، **فتح القدیر**، 4/469-470

2۔ امرؤالقیس، **دیوان امرء القیس**، 1/135

3۔ سعیدی، **تبیان القرآن**، 9/874

4۔ ص:3

ترجمہ: بہت سی امتوں کو ہم نے ہلاک کر دیا پس وہ فریاد کرنے لگے اور نہیں تھا یہ وقت بچ نکلنے کا۔

آیت میں مناص کا لفظ ناص ینوص نوصا سے مشتق ہے۔ نوص کا معنی ہے پیچھے رہ جانا۔[1]

شعر جاہلی سے استشہاد

امرؤالقیس نے کہا: امن ذکر لیلیٰ اذناتک تنوص[2]

ترجمہ:۔ کیا تو لیلیٰ کو یاد کر کے (غمگین ہے) جب وہ تجھ سے اس حال میں دور ہوئی کہ تو (قافلے سے) پیچھے رہ گیا تھا۔

تجزیہ:

شعر میں تنوص کا لفظ پیچھے رہ جانے کے معنی میں استعمال ہوا ہے لیکن امام شوکانی یہ بھی بیان کرتے ہیں کہ بقول فراء کے نوص کا ایک معنی آگے بڑھنا بھی ہے۔ اگر یہ معنی بھی ہو تو پھر یہ اضداد کے قبیلہ سے ہوگا۔ تاخیر اور تقدم یعنی پیچھے رہ جانا اور آگے بڑھ جانا دونوں معانی کا جب لفظ احتمال رکھتا ہے تو ان معانی کی روشنی میں آیت کا معنی یہ ہوگا کہ نزول عذاب کے وقت انہوں نے فریاد تو کی لیکن نہ تو اس وقت وہ عذاب سے بچ کر پیچھے جا سکتے تھے اور نہ آگے بڑھ سکتے تھے۔ اردو مترجمین نے مطلقاً معنی بیان کر دیا کہ وہ وقت بچنے کا نہیں ہوتا[3]۔ اس معنی میں تقدیم و تاخیر کی دونوں صورتیں کنایۃً جمع ہو گئیں۔

اسباب کا معنی

اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿اَمْ لَهُمْ مُّلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَمَا بَيْنَهُمَا۔ فَلْيَرْتَقُوْا فِي الْاَسْبَابِ﴾[4]

ترجمہ:۔ کیا ان کیلئے ہے سلطنت آسمانوں اور زمینوں کی۔ اور جو کچھ ان کے درمیان ہے پس چاہیے کہ چڑھ جائیں (آسمانوں پر) اس کی راہوں سے۔

اسباب کے متعلق امام شوکانی فرماتے ہیں کہ مجاہد اور قتادہ کہتے ہیں کہ اسباب سے مراد آسمان کے دروازے ہیں۔[5]

1۔ الشوکانی، **فتح القدیر**، 500/4

2۔ امرؤالقیس، **دیوان امرءالقیس**، 117/1

3۔ مودودی، **تفہیم القرآن**، 319/4

4۔ ص: 10

5۔ الشوکانی، **فتح القدیر**، 502/4

شعر جاہلی سے استشہاد

امام شوکانی نے مذکورہ معنی کا استشہاد زہیر بن ابی سلمٰی کے اس شعر سے کیا ہے:

ولو رام اسباب السمآء بسلم[1] ترجمہ:۔ اگرچہ وہ سیڑھی کے ذریعے آسمان کے دروازوں کا قصد کرے۔

تجزیہ:

شعر میں اسباب السمآء سے مراد ابواب السمآء ہے۔ گویا اسباب کا معنی ابواب ہے۔ اسباب کا ایک معنی رسیاں بھی کیا گیا ہے۔ مولانا غلام رسوی سعیدی نے اسباب کا معنی "رسیاں" کیا ہے[2]۔ معارف القرآن میں بھی اسباب کا معنی رسیاں ہی کیا گیا ہے[3]۔ لیکن اہل لغت کے نزدیک ہر وہ چیز جس کے ذریعے مطلوب تک پہنچا جائے اسے سبب کہا جاتا ہے۔ اس کی جمع اسباب ہے۔ اس لحاظ سے آیت کا معنی یہ ہو گا کہ اگر آسمانوں اور زمینوں کی سلطنت کے وہ مالک ہیں تو اسباب اختیار کر کے چڑھ جائیں۔ دروازوں سے گزریں یا رسیاں لگائیں ان کی مرضی ہے دونوں مقصود تک پہنچنے کا ذریعہ ہیں اسی کا نام اسباب ہے۔

فواق کا معنی

کفار مکہ کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿وَمَا يَنظُرُ هٰؤُلَاءِ إِلَّا صَيْحَةً وَّاحِدَةً مَّا لَهَا مِن فَوَاقٍ﴾[4]

ترجمہ: اور نہیں انتظار کر رہے ہیں یہ کفار مکہ مگر ایک کڑک کا جس کے بعد کوئی مہلت نہیں ہو گی۔

"مَّا لَهَا مِن فَوَاقٍ" کا جملہ محل نصب میں ہے کیونکہ یہ صیحۃ کی صفت ہے اور صیحۃ کا لفظ استثناء کے بعد ینظر کا مفعول بن رہا ہے۔

فواق کے لفظ کا معنی بیان کرتے ہوئے امام شوکانی فرماتے ہیں کہ اونٹنی کا دودھ دوہنے کے دوران جو تھوڑا سا وقفہ کیا جاتا ہے اسے فواق کہا جاتا ہے۔ وقفہ کی وجہ یہ ہوتی ہے کہ اس دوران جانور کا بچہ آکر دودھ پیتا ہے تو مادہ اپنا باقی ماندہ دودھ بھی تھنوں میں لے آتی ہے جسے بچے کے تھوڑا سا پی لینے کے بعد دوبارہ دوہ لیا جاتا ہے۔[5]

1۔ یہ شعر کا دوسرا مصرع ہے پہلا مصرع یہ ہے: ومن ھاب اسباب المنایا ینلنہ۔ (زہیر بن ابی سلمٰی، **دیوان زھیر بن ابی سلمی**، ص70)۔ دیوان میں "ولو رام" کی جگہ "وان یرق" کے الفاظ ہیں۔

2۔ سعیدی، **تبیان القرآن**، 36/10

3۔ کاندھلوی، **معارف القرآن**، 38/7

4۔ ص:15

5۔ الشوکانی، **فتح القدیر**، 504/4

شعر جاہلی سے استشہاد

اعشیٰ گائے کی تعریف کرتے ہوئے کہتا ہے:

حتی اذا فیقة فی ضرعها اجتمعت   جاءت لترضع شق النفس لو رضعا[1]

ترجمہ:۔ یہاں تک کہ جب (دودھ دوہنے کے) تھوڑی دیر بعد اس کی کھیری میں دوبارہ دودھ جمع ہوا تو وہ (اپنے بچے کے پاس) آئی تا کہ ایک طرف سے اسے دودھ پلائے اگر وہ دودھ پینا چاہے تو۔

تجزیہ

شعر میں فیقة کا لفظ محل استدلال ہے۔ جانور کا دودھ دوہنے کے بعد تھوڑا سا وقفہ کیا گیا ہے جس سے تھنوں میں دودھ جمع ہوا ہے۔ اب جانور یہ دودھ اپنے بچے کو پلانا چاہتا ہے اس تھوڑے سے وقفے کے بعد دودھ دوبارہ دوھ لیا جاتا ہے اس مختصر وقفہ کے لئے استعمال ہونے والا لفظ آیت میں یہ معنی دیتا ہے کہ جب کفار مکہ کو کڑک آلے گی تو اتنا وقفہ بھی انہیں نہ ملے گا جتنا یہ وقفہ ہوتا ہے۔ فواق کے لفظ کا یہی معنی صاحب لسان العرب نے ان الفاظ میں بیان کیا:

الفواق والنواق: ما بین الحلبتین من الوقت لانها تحلب ثم تترک سویعة یرضعها الفصیل لتدر ثم تحلب[2]

"قِطَّنَا" کے معنی کا شعر جاہلی سے استشہاد

کفار مکہ بطور استہزاء کہنے لگے:

﴿وَقَالُوا رَبَّنَا عَجِّلْ لَّنَا قِطَّنَا قَبْلَ يَوْمِ الْحِسَابِ﴾[3]

ترجمہ:۔ اور انہوں نے کہا: اے ہمارے رب! جلدی دے دے ہمارے حصے کا عذاب یوم حساب سے پہلے۔

قط کا لغوی معنی ہے حصہ۔ دستاویز کیلئے بھی قط کا لفظ استعمال کیا جاتا ہے اور بقول ابو عبیدہ اور کسائی کے انعام کے طور پر ملنے والی کتاب کو بھی قط کہا جاتا ہے۔ اس کی جمع "قطوط" ہے۔[4]

شعر جاہلی سے استشہاد

اعشیٰ نے نعمان بن منذر کی تعریف میں لکھے قصیدہ میں کہا:

ولا الملک النعمان یوم لقیته   بغبطته یعطی القطوط ویأفق[5]

1۔ اعشیٰ، **دیوان الاعشیٰ الکبیر**، ص105

2۔ ابن منظور، **لسان العرب**، 10/317

3۔ ص:16

4۔ الشوکانی، **فتح القدیر**، 4/505

5۔ الاعشیٰ، **دیوان الاعشیٰ الکبیر**، ص222

ترجمہ:۔ نعمان (بن منذر) کی طرح کوئی بادشاہ نہیں کہ جس دن میں اس سے ملوں تو وہ خوشی سے انعام کے طور پر کتاب دیتا ہے اور (میری غربت کے احوال کی) اصلاح کر دیتا ہے۔

تجزیہ

شعر میں القطوط کا لفظ قط کی جمع ہے۔ نعمان بن منذر کی طرف سے دی جانے والی انعام کی کتب کیلئے اعشیٰ نے یہ لفظ استعمال کیا۔ اس معنی کی روشنی میں آیت کا معنی وہ ہو گا جو مقاتل نے بیان کیا کہ جب یہ آیات ﴿فَاَمَّا مَنْ اُوْتِیَ کِتٰبَهٗ بِیَمِیْنِهٖ ﴾[1] اور ﴿وَ اَمَّا مَنْ اُوْتِیَ کِتٰبَهٗ بِشِمَالِهٖ﴾[2] نازل ہوئیں تو اس پر قریش نے استہزاء کے طور پر کہا کہ اے محمد! آپ کا گمان ہے کہ ہمیں ہمارا اعمال نامہ بائیں ہاتھ میں دیا جائے گا تو جلدی کریں ہمارا نامہ اعمال قیامت کے دن سے پہلے یہاں ہی دلوا دیں۔ اعمال نامے کے لئے انہوں نے قط کا لفظ استعمال کیا۔ قط کے لفظ کے دیگر مصادیق میں دوزخ کا عذاب، جنت کی نعمتیں اور رزق کی فراہمی میں جلدی کی طالب بھی شامل ہیں[3] لیکن شعری تناظر میں پہلا معنی ہی مطابقت رکھتا ہے۔ تفہیم القرآن میں اس کا معنی مطلقاً کیا گیا ہے "ہمارا حصہ ہمیں جلدی دے دے[4]"۔ "ہمارا حصہ" میں بیان کردہ تمام احتمالات موجود ہیں۔

صافن، گھوڑے کی دو حالتیں

حضرت سلیمان علیہ السلام کے سامنے جب گھوڑے پیش کئے گئے تو ان کی کیفیت ان الفاظ میں بیان کی گئی:

﴿اِذْ عُرِضَ عَلَیْهِ بِالْعَشِیِّ الصّٰفِنٰتُ الْجِیَادُ﴾[5]

ترجمہ:۔ جب ان کے سامنے پچھلے پہر سدھے ہوئے تیز رفتار گھوڑے پیش کئے گئے۔

الصافنات، صافنۃ کی جمع ہے۔ صافن کے دو معنی بیان کئے گئے ایک گھوڑے کا کھڑا ہونا جبکہ دوسرا گھوڑے کا تین پاؤں پہ اس حال میں کھڑا ہونا کہ چوتھے پاؤں کا صرف سم زمین کے ساتھ لگا ہو۔ پہلا معنی قتیبی اور فراء کا بیان کردہ ہے جبکہ دوسرا معنی زجاج نے بیان کیا ہے۔[6]

شعر جاہلی سے استشہاد

دونوں معانی کا استشہاد امام شوکانی نے ایک ایک شعر جاہلی سے کیا۔ نابغہ نے کہا:

1۔ الحاقۃ:19

2۔ الحاقۃ:25

3۔ الشوکانی، **فتح القدیر**، 505/4

4۔ مودودی، **تفہیم القرآن**، 322/4

5۔ ص:31

6۔ الشوکانی، **فتح القدیر**، 512-513/4

لناقبة مضروبة بفنائها عتاق المهاری والجیاد الصوافن[1]

ترجمہ:۔ ہمارا ایک گنبد نما شامیانہ ہے جو اس کے صحن میں لگا ہوا ہے (وہاں) اعلیٰ نسل کے بچھڑے ہیں اور کھڑے رہنے والے اعلیٰ نسل کے گھوڑے۔

جبکہ عمرو بن کلثوم نے اپنے معلقہ میں کہا:

ترکنا الخیل عاکفة علیه مقلدة اعنتها صفونا[2]

ترجمہ:۔ ہم نے (اپنے) گھوڑوں کو ان کے (سروں پر) ایسے لا کھڑا کیا کہ ان (گھوڑوں) کی لگامیں ہی ان کے گلوں کا ہار بن گئیں اور وہ (گھوڑے ان کے سروں پر) تین پاؤں پر کھڑے ہو گئے۔

تجزیہ

امام شوکانی نے نابغہ کا شعر اس قول کی تائید میں ذکر کیا کہ گھوڑے کے کھڑا ہونے کیلئے صافن کا لفظ استعمال ہوتا ہے۔ جبکہ عمرو بن کلثوم کا شعر اس قول کی تائید میں ہے کہ "صافن" تین پاؤں پر کھڑا ہونا ہے۔ پہلے شعر پر غور کیا جائے تو اس میں کوئی ایسا قرینہ نہیں پایا جارہا کہ جو "صافن" کے تقابلی معنی کو واضح کرے۔ وہاں الصوافن کا لفظ استعمال کیا گیا اور اس سے دونوں معانی مراد لئے جاسکتے ہیں لیکن دوسرے شعر میں صفونا کا لفظ تین پاؤں پر کھڑا ہونے کیلئے استعمال ہوا ہے کیونکہ محض کھڑا ہونے کا معنی "عاکفۃ علیہ" کے لفظ سے مستفاد ہو گیا ہے۔ اب اس کھڑا ہونے کی اگلی حالت صفونا ہے جو لا محالہ پچھلی سے جدا ہے اور یہ وہ حالت ہے جس میں گھوڑا دو پچھلے اور ایک اگلے پاؤں پر مکمل کھڑا ہوتا ہے اور چوتھا پاؤں اٹھاتا ہے اور اس کا محض سم زمین سے مس ہو رہا ہوتا ہے۔ آیت میں گھوڑوں کے اسی حالت میں کھڑا ہونے کا تذکرہ ہے۔ صاحب ضیاء القرآن نے آیت کا ترجمہ اسی دوسرے معنی کو ملحوظ رکھ کر کیا کہ جب پیش کئے گئے آپ پر سہ پہر تین پاؤں پر کھڑے ہونے والے تیز رفتار گھوڑے۔[3]

سلیمان علیہ السلام کی جنات پر حکومت کا حال

جنات پر سلیمان علیہ السلام کی تسخیر کا حال بیان کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿وَالشَّيٰطِيْنَ كُلَّ بَنَّآءٍ وَّغَوَّاصٍ۔ وَّاٰخَرِيْنَ مُقَرَّنِيْنَ فِي الْاَصْفَادِ﴾[4]

1۔ اس شعر کو بعض مفسرین نے نابغہ کی طرف منسوب کیا ہے لیکن نابغہ الذبیانی اور نابغہ الجعدی دونوں کے دواوین میں یہ شعر مرقوم نہیں ہے صرف کتب تفاسیر میں منقول ہے۔ (الاندلسی، **البحر المحیط**، 9/143۔ /-الماوردی، **النکت والعیون**، 3/491)

2۔ عمرو بن کلثوم، **دیوان عمرو بن کلثوم**، ص72

3۔ الازھری، محمد کرم شاہ، **ضیاء القرآن**، 4/240

4۔ ص:38-37

ترجمہ:۔ اور قوی جنات کو ان کے تابع کر دیا۔ ہر معمار اور غوطہ خور کو، اور دوسرے جنات کو بھی جو زنجیروں میں جکڑے ہوئے رہتے تھے۔

اصفاد، صفد کی جمع ہے۔ اس سے مراد بیڑیاں ہیں زجاج کے بقول ہر وہ چیز کہ جس سے مضبوطی سے کسی کو باندھ دیا جائے اسے صفد کہتے ہیں جس شخص کو باندھا جائے اسے مصفد کہا جاتا ہے۔[1]

شعر جاہلی سے استشہاد

عمرو بن کلثوم نے اپنے معلقہ کے ایک شعر میں کہا:

فابوا بالنهاب وبالسبايا وأبنا بالملوک مصفدينا[2]

ترجمہ:۔ وہ اموال غنیمت اور قیدی لے کر (جنگ سے) لوٹے اور ہم بادشاہوں کو پابند سلاسل کر کے لائے۔

تجزیہ

عمرو بن کلثوم اپنی شان استغناء بیان کرتے ہوئے کہتا ہے کہ جنگ کے دوران جب لوگوں نے اموال غنیمت اور قیدیوں پر قبضہ کیا تو ہم نے اس مال و دولت کی طرف توجہ نہیں کی بلکہ ہماری جنگ میں ہمارا مقصود صرف بادشاہوں کو پابند سلاسل کر کے لانا ہوتا تھا۔ بادشاہوں کو بیڑیاں پہنانے کیلئے مصفدینا کا لفظ استعمال کیا گیا۔ یہ لفظ ''صفد'' سے بنا ہے۔ آیت میں اصفاد کا لفظ بھی اسی سے مشتق ہے۔ گویا شعری تناظر میں آیت کا معنی جنات کو زنجیروں میں جکڑ کر رکھنا متحقق ہوا۔ مولانا امین احسن اصلاحی نے آیت کا ترجمہ ''زنجیروں میں جکڑے ہوئے'' اسی کے مطابق کیا ہے۔[3]

"يَوْمَ الْاٰزِفَةِ" کے معنی کا شعر جاہلی سے استشہاد

اللہ تعالیٰ نے قیامت کا ذکر کرتے ہوئے ارشاد فرمایا:

﴿وَاَنْذِرْهُمْ يَوْمَ الْاٰزِفَةِ﴾[4]

ترجمہ:۔ اور آپ ڈرایئے انہیں قریب آنے والے دن سے۔

امام شوکانی اس آیت کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

1۔ الشوکانی، **فتح القدیر**، 4/516

2۔ عمرو بن کلثوم، **دیوان عمرو بن کلثوم**، ص83

3۔ اصلاحی، **تدبر قرآن**، 6/530

4۔ غافر:18

"أی یوم القیامة، سمیت بذلک لقربھا، یقال: أزف فلان أی قرب"[1]

ترجمہ:۔ یوم الازفة سے مراد قیامت کا دن ہے یہ نام اسے اس کے قرب کی وجہ سے دیا گیا ہے کہا جاتا ہے" أزف فلان "یعنی وہ قریب ہوا۔

امام شوکانی نے اپنے اس موقف کی تائید میں نابغہ الذبیانی کا یہ شعر نقل کیا ہے:

أزف الترحل غیر أن رکابنا　　لماتزل برکابنا وکأن قد[2]

ترجمہ:۔ کوچ کا وقت قریب آچکا گوکہ ہمارے سواروں نے ابھی تک اپنے سامان کے ساتھ جگہ نہیں چھوڑی لیکن معلوم ایسا ہوتا ہے کہ وہ چلے گئے (کیونکہ جدائی کا وقت قریب ہے)۔

وجہ استشہاد

نابغہ الذبیانی نے اس شعر میں اپنے محبوب کے قبیلے سے جدائی کے وقت کے قریب ہونے کے لئے ازف کا لفظ استعمال کیا ہے ازف کا لفظ اس شعر میں قریب کے معنی میں استعمال ہوا ہے گویا کہ آیت مقدسہ میں ﴿یَوْمَ الْاٰزِفَةِ﴾ سے مراد وہ دن ہے جو قریب آن پہنچا ہے۔ شعر کے آخر میں کان حرف تشبیہ ذکر کرنے کے بعد ضمیر شان حذف کی گئی ہے اور قد کے بعد فعل زالت محذوف ہے ماقبل شعر اس پر دلالت کر رہا ہے تقدیری عبارت یوں ہے:

"کانھا قدزالت بقرب موعد الفراق"[3]

علامہ الزمخشری نے بھی امام شوکانی کی طرح اس مقام پر "أزفة" کا معنی قریب کیا ہے آپ لکھتے ہیں:

"القیامة سمیت بذلک لأزومنھا أی لقربھا"[4]

ترجمہ:۔ قیامت کو یہ نام یعنی "أزفة" اس کے قرب کی وجہ سے دیا گیا ہے۔

ابن منظور الافریقی "أزفة" کا معنی بیان کرتے ہیں:

"أزف یأزف أزفاً وأزوفاً: اقترب وکل شئی اقترب فقد أزف أی دنا"[5]

ترجمہ:۔ اس کا مطلب ہونا قریب ہونا اور ہر وہ چیز جو قریب الوقوع ہو اسے کہتے ہیں "فقد أزف" یعنی وہ قریب ہے۔

1۔ الشوکانی، **فتح القدیر**، 4/485

2۔ الذبیانی، **دیوان نابغہ ذبیانی** ص89۔ دیوان میں برکابنا کی جگہ اصل میں "برحالنا" کے الفاظ ہیں۔

3۔ **شرح ابن عقیل الھمدانی**، 1/19

4۔ الزمخشری، **تفسیر انکشاف**، 4/157

5۔ ابن منظور، **لسان العرب**، 9/04

پیش کردہ عبارات کا امام شوکانی کے نقل کردہ موقف سے تجزیہ کرتے ہوئے یہی نتیجہ اخذ ہوتا ہے کہ ان کا نقطہ نظر بھی آپ کے موقف کے موافق و مطابق ہے۔

"مَمْنُوْنٍ" کے معنی کا شعر جاہلی سے استشہاد

اللہ تعالیٰ نے ایمان لانے اور عمل صالح کرنے والوں کے اجر کے متعلق فرمایا کہ ان کا نہ ختم ہونے والا اجر ہے اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں:

﴿اِنَّ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ لَهُمْ اَجْرٌ غَیْرُ مَمْنُوْنٍ﴾[1]

ترجمہ:۔ بے شک وہ لوگ جو ایمان لے آئے اور جنہوں نے نیک اعمال کئے ان کیلئے ایسا اجر ہے جو منقطع نہ ہو گا۔

امام شوکانی نے تفسیر کرتے ہوئے اس کے تین معانی بیان کئے ہیں اور ہر معنی کے استشہاد پر ایک ایک شعر بھی نقل کیا ہے آپ تحریر کرتے ہیں:

"أی غیر مقطوع عنهم' یقال مننت الحبل اذا قطعته"

ترجمہ:۔ یعنی ان سے ان کا اجر مقطوع (ختم) نہیں ہو گا کہا جاتا ہے کہ میں نے رسی کو کاٹ لیا (قطع کر لیا)۔

امام شوکانی اس ضمن میں ذوالاصبع العدوانی کا یہ شعر نقل کرتے ہیں:

انی لعمرک ما بابی بذی غلق   عن صدیق ولا خیر ممنون[2]

ترجمہ:۔ یعنی تیری زندگی کی قسم میرا دروازہ دوست پر کبھی بند نہیں ہوا اور نہ میرا احسان ختم ہوا۔

اس شعر میں "ممنون کا معنی مقطوع" ہے یعنی میرا احسان کبھی ختم نہ ہوا اس لحاظ سے آیت کا معنی ہو گا کہ ان کیلئے ایسا اجر ہو گا جو کبھی ختم نہ ہو گا۔ امام شوکانی نے "ممنون" کا دوسرا معنی "المنقوص" بیان کرتے ہوئے زہیر بن ابی سلمی کا شعر ذکر کیا ہے:۔

فضل الجیاد علی الخیل البطاء خلا   یعطی بذلک ممنوناً ولا نزقاً[3]

ترجمہ:۔ (ہرم بن سنان کی فضیلت لوگوں پر ایسی ہی ہے جیسے) عمدہ نسل کے گھوڑوں کی فضیلت عام گھوڑوں پر ہوتی ہے وہ نہ تو کسی کے حصے میں کمی کرتا ہے اور نہ ہی دینے کے بعد ہاتھ رکتا ہے۔

1۔ فصلت:8

2۔ ذوالاصبع العدوانی، پہلے مصرع میں غلطی ہے اصل میں ہے:"یا بابی بذی غلق"

3۔ زہیر بن ابی سلمٰی، **دیوان زهیر بن ابی سلمی**، ص38

اس شعر میں ''ممنون'' کا معنی ''منقوص'' ہے یعنی ہرم بن سنان کسی کے حصے میں کمی نہیں کرتا اس تناظر میں آیت کریمہ کا مفہوم ہو گا کہ ان کے حصے میں کمی نہیں کی جائے گی۔ امام شوکانی نے اس مقام پر تیسرا معنی بھی بیان کیا ہے ''**المن القطع**''[1] یعنی تسلسل میں انقطاع آ جانا اس معنی کی تائید میں امام شوکانی نے لبید بن ربیعہ کے معلقہ کا ایک شعر ذکر کیا ہے: **عبس کواسب یمن طعامها**

امام شوکانی نے صرف ایک مصرع لکھا ہے مکمل شعر یوں ہے:

لمعفر قهد تنازع شلوه　　　عبس کواسب لا یمن طعامها[2]

ترجمہ: اس وحشی گائے کا دوڑنا مٹی میں لت پت ہوئے اس چھوٹے بچے کی وجہ سے تھا جس کے اعضا کے ساتھ ایسے جا کستری رنگ کے بھیڑیوں نے چھینا جھپٹی کی تھی جن کی روزی کبھی منقطع نہیں ہوتی[3]

اس شعر میں **لا یمن** کا لفظ **یا ینقطع** کے معنی میں ہے۔ یعنی ان بھیڑیوں کی روزی میں کبھی انقطاع نہیں آتا اور وہ ایسے ہی اپنی روزی پوری کرتے ہیں۔ اس لحاظ سے آیت کا معنی یہ ہو گا کہ اہل ایمان کیلئے جو اجر ہو گا اس میں کبھی انقطاع نہیں آئے گا۔

ایذان کے معنی کا شعر جاہلی سے استشہاد

قیامت کے دن اللہ تعالیٰ جب مشرکوں سے شریکوں کے بارے میں سوال کرے گا تو ان کا جواب کچھ یوں ہو گا:

﴿وَيَوْمَ يُنَادِيهِمْ أَيْنَ شُرَكَآءِي قَالُوٓا آذَنّٰكَ مَا مِنَّا مِنْ شَهِيدٍ﴾[4]

ترجمہ:۔ اور جس روز وہ انہیں پکارے گا کہ کہاں ہیں میرے شریک؟ کہیں گے ہم (پہلے) بتا چکے ہیں کہ ہم میں سے کوئی بھی (اس پر) گواہی نہ دے گا۔

آیت میں موجود ''**اٰذَنّٰکَ**'' کا لفظ محل بحث ہے ''**اٰذَنَّا**'' باب افعال سے جمع متکلم کا صیغہ ہے۔ ک ضمیر منصوب متصل ہے۔ ''**اٰذَنَ' یُؤذِنُ اِیْذَانا**'' کا معنی امام شوکانی نے ''**اَعْلَمَ**'' کیا ہے[5]۔ یعنی مشرک جواب دیں گے کہ ہم بتا چکے ہیں۔ اس معنی کا استشہاد امام شوکانی نے اس شعر جاہلی سے کیا ہے:

آذنتنا ببينها أسماء　　　رب ثاو يمل منه الثواء[6]

1۔ الشوکانی، **فتح القدیر**، 4/601

2-لبید، **دیوان لبید بن ابی ربیعه**، ص218۔ دیوان میں "لا یمن" کی بجائے "ما یمن" کے الفاظ ہیں۔

3۔ ایضاً

4۔ فصلت:47

5۔ الشوکانی، **فتح القدیر**، 4/620

6۔ یہ شعر حارث بن حلزہ کے معلقہ کا پہلا شعر ہے۔ حارث بن حلزہ، **دیوان حارث بن حلزه**، ص66

ترجمہ:۔ اسماء نے ہمیں اپنی جدائی کے بارے میں بتایا بہت سے مقیم ایسے ہوتے ہیں کہ ان کے قیام سے اکتاہٹ ہوتی ہے (لیکن اسماء ایسی نہ تھی)۔

تجزیہ

حارث بن حلزہ، اپنی محبوبہ جس کا نام اسماء ہے کے بارے میں کہتا ہے کہ اس نے کوچ کرنے کے بارے میں خبر دی، بہت سے مقیم ایسے ہوتے ہیں کہ ان کے قیام سے میزبان تنگ ہو جاتا ہے لیکن اسماء کا قیام ہر گز ایسا نہ تھا بلکہ دل اس کے قیام کا مشتاق تھا۔ گویا" اٰذَنَ" کا لفظ جاہلیت میں آگاہ کرنے کے معانی میں مستعمل تھا۔ صاحب لسان العرب نے یہی معنی ان الفاظ میں بیان کیا: آذنہ الامر و آذنہ بہ: اَعْلَمَہ[1]

"نَأٰی" کے معنی کا شعر جاہلی سے استشہاد

انسان کے ناشکرا ہونے کی کیفیت بیان کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿وَاِذَآ اَنۡعَمۡنَا عَلَى الۡاِنۡسَانِ اَعۡرَضَ وَنَاٰ بِجَانِبِهٖ‌ۚ وَاِذَا مَسَّهُ الشَّرُّ فَذُوۡ دُعَآءٍ عَرِيۡضٍ﴾[2]

ترجمہ:۔ اور ہم جب احسان فرماتے ہیں انسان پر تو وہ (تکبر سے) منہ پھیر لیتا ہے اور پہلو تہی کرنے لگتا ہے اور جب اسے تکلیف پہنچتی ہے تو لمبی چوڑی دعائیں کرنے لگتا ہے۔ "نَأٰی بِجَانِبِہٖ" کے الفاظ کا معنی امام شوکانی بیان کرتے ہیں حق کے قبول کرنے سے دور ہونا۔ تکبر و غرور میں مبتلا ہونا۔ نایت و تنائیت یعنی ثلاثی مجرد اور باب تفاعل دونوں میں اس کا معنی کسی سے دور ہونا ہے۔ اور "منتأی" کا لفظ دور کی جگہ کیلئے استعمال کیا جاتا ہے۔[3]

امام شوکانی نے مذکورہ معنی کا استشہاد نابغہ الذبیانی کے اس شعر سے کیا:

فانک کالیل الذی ھو مدرکی   و ان خلت ان المتنأی عنک واسع[4]

ترجمہ:۔ تو اس رات کی طرح ہے جو مجھے پانے والی ہے اگرچہ میں سوچتا تھا کہ تجھ سے دوری بہت وسیع ہے۔

تجزیہ

یہ شعر نابغہ نے نعمان بن منذر سے عذر خواہی کیلئے لکھے گئے قصیدے میں کہا۔ نابغہ عرصہ دراز تک نعمان بن منذر کا مدح خواں رہا لیکن پھر حاسدین نے بادشاہ نعمان سے نابغہ کی شکایتیں کیں اور کہا کہ بادشاہ کی بیوی کے متعلق نابغہ محبت کے جذبات رکھتا ہے۔ بادشاہ کی بدگمانی کی وجہ سے نابغہ نعمان کو چھوڑ کر اس کے دشمنوں یعنی

1۔ ابن منظور، **لسان العرب**، 13/09

2۔ فصلت: 51

3۔ الشوکانی، **فتح القدیر**، 4/621

4۔ نابغہ الذبیانی، **دیوان نابغہ الذبیانی**، ص38

غسانیوں کے پاس چلا گیا۔ کافی عرصہ وہاں رہا لیکن جب نابغہ کو بادشاہ نعمان کی علالت کی خبر ملی تو اس نے نعمان کی شان میں قصیدہ لکھا اور اس سے معذرت کی یہ شعر اسی قصیدہ کا ہے۔ نابغہ کہتا ہے کہ اے نعمان! تو میرے لئے رات کی طرح ہے جو ہر حال میں انسان کو پہنچ کے رہتی ہے اگر چہ میں تجھ سے بہت دور چلا گیا تھا لیکن تو ہمیشہ میرے قریب رہا۔ دوری کیلئے نابغہ نے ''متنأی'' کا لفظ استعمال کیا۔ اس لفظ کا مادہ مجرد (ن۔ أ۔ ی) ہے۔ آیت میں ''نأی'' کا لفظ فعل ماضی کا مادہ بھی یہی ہے۔ گویا شعر میں جو دوری کا لفظ مستعمل ہوا اس مناسبت سے آیت کا معنی حق سے دور ہنا متحقق ہوتا ہے چونکہ ''نأی'' کے ساتھ ''جانب'' کا لفظ آیا ہے اور ''جنب'' کا لفظ پہلو کے معنی میں استعمال ہوتا ہے تو ''نأی بجانبہ'' کیلئے اردو کا محاورہ پہلو تہی کرنا زیادہ مناسب ہے۔ صاحب ضیاء القرآن نے یہی معنی اختیار کیا ہے۔(1)

"اُمَّةٍ" کے معنی کا شعر جاہلی سے استشہاد

کفار کو جب عقیدہ توحید کی دعوت دی جاتی تو وہ جواب دیتے:

﴿بَلْ قَالُوْٓا اِنَّا وَجَدْنَآ اٰبَآءَنَا عَلٰٓى اُمَّةٍ وَّاِنَّا عَلٰٓى اٰثٰرِهِمْ مُّهْتَدُوْنَ﴾(2)

ترجمہ:۔ بلکہ وہ خود کہتے ہیں: ہم نے پایا اپنے باپ دادا کو ایک طریقہ پر اور ہم ان کے نقوش پر چل رہے تھے۔

امام شوکانی ''عَلٰٓى اُمَّةٍ'' کا معنی بیان کرتے ہیں علی طریقة، علیٰ مذهب۔ اس کے علاوہ امۃ کے دیگر معانی، دین، قبلہ، استقامت اور نعمت بھی کئے گئے ہیں۔ امام شوکانی نے دو معانی کا استشہاد اشعار جاہلیہ سے کیا ہے۔ قیس بن خطیم نے کہا:

کنا علی امة آبائنا　　　ونقتدی بالاول الاول(3)

ترجمہ:۔ ہم اپنے آباء واجداد کے دین پر ہیں ہم میں سے پہلا اپنے سے پہلے والے کی پیروی کرتا ہے۔

امۃ کا ایک معنی استقامت ہے اس کی دلیل نابغہ ذبیانی کا یہ شعر ہے:

حلفت فلم اترک لنفسک ریبة　　　وهل یأثمن ذو امة وهو طائع(4)

ترجمہ:۔ میں نے قسم کھائی اور تیرے من کیلئے کوئی شک نہ چھوڑا۔ کیا وہ شخص گناہ کر سکتا ہے جو استقامت والا ہو اور وہ اطاعت شعار (بھی) ہو۔

1۔ الازہری، محمد کرم شاہ، **ضیاء القرآن**، 4/354

2۔ الزخرف:22

3۔ امام شوکانی نے دیگر مفسرین کی طرح اس شعر کو قیس بن خطیم کی طرف منسوب کیا ہے، لیکن یہ شعر آپ کے دیوان میں مذکور نہیں ہے۔ مفسرین نے اسے مذکورہ آیت کی تفسیر کے تحت نقل کیا ہے۔ (المراغی، **تفسیر المراغی**، 7/79۔/۔ القرطبی، **الجامع لاحکام القرآن**، 8/125)

4۔ نابغہ الذبیانی، **دیوان نابغہ الذبیانی**، ص35

تجزیہ

پہلے شعر میں قیس بن خطیہ نے "**کنا علی امة آبائنا**" کا لفظ استعمال کیا اور شعر کے دوسرے مصرع میں اس کی اقتداء کی بات کی۔ اب امة کا معنی طریقہ اور دین قرار پاتا ہے جس کی اقتداء کی جاتی ہے۔ اس شعری تناظر میں آیت میں "**علی امة**" کا معنی دین یا طریقہ متحقق ہوتا ہے۔

دوسرے شعر میں نابغہ ذبیانی، نعمان بن منذر کے سامنے اپنی صفائی پیش کرتا ہے کہ میں نے قسم کھائی تا کہ تمہارے من میں میرے لئے جو کدورت ہے وہ زائل ہو جائے۔ نابغہ اپنی استقامت کے بیان کیلئے ذوامة کا لفظ استعمال کرتا ہے یہی محل استشہاد ہے۔ شعر میں شاعر کہتا ہے کہ میں آپ کا اطاعت شعار رہا اور مجھ جیسا استقامت رکھنے والا شخص کیسے گناہ کر سکتا ہے؟ شعر میں امة کا لفظ استقامت کے معنی میں استعمال ہوا۔ تدبر القرآن [1] میں امین احسن اصلاحی اور ضیاء القرآن [2] میں پیر کرم شاہ الازہری نے پہلا معنی ہی اختیار کیا ہے۔

"وَمَنۡ یَّعۡشُ" کے معنی کا شعر جاہلی سے استشہاد

اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿وَمَنۡ یَّعۡشُ عَنۡ ذِکۡرِ الرَّحۡمٰنِ نُقَیِّضۡ لَهٗ شَیۡطٰنًا فَهُوَ لَهٗ قَرِیۡنٌ﴾ [3]

ترجمہ:۔ اور جو شخص دانستہ اندھا بنتا ہے رحمان کے ذکر سے تو ہم مقرر کر دیتے ہیں اس کیلئے ایک شیطان پس ہر وقت اس کا رفیق رہتا ہے۔

امام شوکانی عشا، یعشو کا معنی بیان کرتے ہیں کہ "**عشوت الی النار**" کا معنی ہے میں نے آگ کا قصد کیا اور "**عشوت عنها**" کا معنی ہے میں نے اس سے منہ موڑا۔ یعنی اگر عشا، یعشو، عشوا کے ساتھ الی حرف جر کا صلہ آئے تو معنی ہے اس چیز کا قصد کرنا اور اگر عن حرف جر کا صلہ آئے تو اعراض کرنے کا معنی ہو گا گویا "**ومن یعش عن ذکر الرحمٰن**" کا معنی ہے جو شخص رحمٰن کے ذکر یعنی قرآن سے منہ موڑتا ہے۔ امام شوکانی کہتے ہیں کہ خلیل کے نزدیک عشو کا معنی ہے کمزور نظری، خلیل کا متدل دو اشعار جاہلیہ ہیں لیکن امام شوکانی نے دونوں کا رد کیا ہے۔ خلیل کا پہلا متدل امرؤالقیس کا یہ شعر ہے جسے امام شوکانی نے بغیر انتساب کے ذکر کیا ہے:

لنعم الفتیٰ تعشو الیٰ ضوء ناره   اذا الریح هبت والمکان جدیب [4]

1۔ اصلاحی، امین احسن، **تدبر القرآن**، 7/221

2۔ الازہری، محمد کرم شاہ، **ضیاء القرآن**، 4/408

3۔ الزخرف: 36

4۔ امرؤالقیس کے دیوان میں اس شعر کا دوسرا مصرع یہ ہے: طریف بن مال لیلة الجوع والخصر۔ (امرءالقیس، **دیوان امرء القیس**، 1/103)

ترجمہ:۔ وہ بہت اچھا نوجوان ہے تو اس کی آگ کی روشنی کا قصد کرتا ہے جبکہ ہوا چل رہی ہے اور مکان چٹیل ہے۔

دوسرا شعر حطیئہ کا ہے:

متی تاتہ تعشو الیٰ ضوء نارہ تجد خیر نار عندھا خیر موقد[1]

ترجمہ:۔ جب بھی تو اس کے پاس آئے گا تو اس کی (لگائی ہوئی) آگ کی روشنی کا قصد کرے گا تو دیکھے گا کہ اس روشنی کے پاس بہت اچھی آگ ہے اور جلانے والا (بھی بہت) اچھا ہے۔

تجزیہ

پہلا شعر امرؤالقیس نے طریف بن مالک کی مدح میں لکھا ہے یہ شعر خلیل نحوی نے عشو کے معنی کمزور نظری کے معنی کے استشہاد کے طور پر پیش کیا لیکن شعر میں کوئی ایسا قرینہ نہیں پایا جاتا جو مذکورہ معنی پر دلالت کرے بلکہ جو معنی امام شوکانی نے بیان کیا "قصد کرنا" یہ شعر اس پر دلالت کر رہا ہے کہ طریف بن مالک بہت اچھا نوجوان ہے وہ جو مسافروں کیلئے آگ جلا کے رکھتا ہے تو اس آگ کی روشنی کا قصد کرتا ہے۔ یہاں "تعشو الی" کا معنی ہے قصد کرنا یا ارادہ کرنا یہاں ضعیف نظری کا معنی مستفاد نہیں ہوتا۔

اسی طرح دوسرا شعر میں جو خطیئہ کا ہے اور وہ بقول صاحب شرح ابن عقیل کے بغیض بن عامر کی مدح میں لکھا گیا ہے[2] یہاں بھی "تعشو الی" کا معنی قصد کرنا ہی ہے۔ دونوں اشعار کے پہلے مصرعوں میں قدرے مماثلت ہے دونوں میں چونکہ الیٰ حرف جر کا ذکر ہے اس لئے قصد کرنا کا معنی ہی لیا جانا قرین قیاس ہے۔

البتہ امام شوکانی نے جو آخری قرأت ابن عباس کی بیان کی ہے "یَعْشُ" میں شین کے فتحہ کی یہاں عشی الرجل کا معنی آدمی کا اندھا ہونا بیان کیا۔ اس معنی کا استشہاد اعشیٰ کے اس شعر سے کیا:

رایت رجلاً غایب الوافدین مختلف الخلق اعشیٰ ضریراً[3]

ترجمہ:۔ میں نے ایسا مرد دیکھا جس کے ساتھی جا چکے تھے عجیب الخلقت، اندھا تھا۔

شعر میں اعشیٰ کا لفظ اندھے کیلئے استعمال ہوا۔ پیر کرم شاہ الازہری نے اسی معنی کا اعتبار کرتے ہوئے "وَمَنۡ یَّعۡشُ عَنۡ ذِکۡرِ الرَّحۡمٰنِ" کا ترجمہ کیا ہے اور جو شخص دانستہ اندھا بنتا ہے رحمٰن کے ذکر سے[4]۔

1۔ حطیئہ، **دیوان الحطیئہ**، ص70

2۔ ابن عقیل، **شرح ابن عقیل**، 2/365

3۔ اعشیٰ، **دیوان الاعشیٰ الکبیر**، ص95

4۔ الازھری، محمد کرم شاہ، **ضیاء القرآن**، 4/414

" فَتَوَلّٰى بِرُكْنِهٖ" کے معنی کا شعر جاہلی سے استشہاد

موسیٰ علیہ السلام کی تبلیغ کے جواب میں فرعون کا رد عمل اللہ تعالیٰ نے بیان کرتے ہوئے فرمایا:

﴿فَتَوَلّٰى بِرُكْنِهٖ وَقَالَ سٰحِرٌ اَوْ مَجْنُوْنٌ﴾[1]

ترجمہ:۔ پس اس نے روگردانی کی اپنی قوت کے بل بوتے پر اور کہنے لگا: یہ شخص جادوگر ہے یا دیوانہ۔

آیت میں "رکن" کے لفظ کی مراد واضح کرتے ہوئے امام شوکانی نے اس کے مختلف محامل بیان کئے ہیں۔ رکن سے مراد کسی شے کی طاقت ور جانب ہوتی ہے[2]۔ آیت میں رکن سے متعلق ایک قول یہ بیان کیا گیا کہ اس سے مراد فرعون کا لشکر تھا جو اس کی قوت کا سبب بنتا تھا۔ ایک قول یہ ہے کہ اس سے مراد فرعون کی اپنی قوت و طاقت ہے[3]۔ آخری معنی کا استشہاد امام شوکانی نے عنترہ کے اس شعر سے کیا:

فما اوهى مراس الحرب ركني   ولكن ماتقادم من زماني[4]

ترجمہ:۔ جنگ کی شدت نے میری طاقت کو کمزور نہیں کیا البتہ میرا وقت موعود (جنگ نہ کرنے کے معاہدہ کا وقت) ابھی مکمل نہیں ہوا۔

تجزیہ

اس شعر میں شاعر اپنی شجاعت بیان کرتا ہے کہ جنگوں کی شدت اور سختی کے باوجود میری قوت و طاقت میں کمی نہیں آئی۔ عنترہ نے قوت و طاقت کیلئے رکن کا لفظ استعمال کیا۔ شاعر نے رکن سے اپنی قوت و طاقت مراد لی ہے۔ اپنی قوت کے بیان پر قرینہ اس کلام کا پہلا شعر ہے:

ومكروب كشفت الكرب عنه   بضربة فيصل لما دعاني

ترجمہ:۔ عنترہ کہتا ہے کہ مصیبت کے وقت پکارنے والے نے جب مجھے پکارا تو ایک ہی ضرب سے میں نے اس کی تکلیف دور کر دی۔ لہٰذا "رکن" سے مراد شاعر کی اپنی طاقت ہے۔ اس شعری تناظر میں "فَتَوَلّٰى بِرُكْنِهٖ" سے

1۔ الذاریات:39

2۔ جوہری، **الصحاح**، 6/404۔ "ركن الشئى جانبه الاقوىٰ"

3۔ الشوکانی، **فتح القدیر**، 5/109

4۔ عنترہ، **دیوان عنتر**، ص90

مراد یہ ہے کہ فرعون نے اپنی طاقت کے بل بوتے پر منہ موڑا۔ صاحب ضیاء القرآن نے یہی معنی اختیار کیا ہے [1]لیکن امام احمد رضا خان بریلوی نے لشکر کا معنی اختیار کیا[2]۔

"وَمَاغَوٰی" کے معنی کا شعر جاہلی سے استشہاد

اللہ تعالیٰ نے حضور ﷺ کے متعلق فرمایا:

﴿مَاضَلَّ صَاحِبُكُمْ وَمَاغَوٰى﴾[3]

ترجمہ:۔ تمہارا ساتھی نہ راہ حق سے بھٹکا اور نہ بہکا۔

غی، رشد کا متضاد ہے۔ ماغویٰ کا معنی ہے کہ نہ وہ بہکے اور نہ کبھی انہوں نے باطل پر مبنی کلام کیا۔ ایک قول یہ ہے کہ غی کا ایک معنی ہے کہ جو انہوں نے طلب کیا وہ اس کے حصول میں کبھی ناکام نہ ہوئے اور غی کا ایک معنی نقصان ہے۔[4]

اخیر الذکر معنی کی دلیل میں امام شوکانی نے جاہلی شاعر المرقش الاصغر کا شعر بغیر انتساب کے ذکر کیا:

فمن یلق خیر ایحمد الناس امرہ　　ومن یغو لا یعدم علی الغی لائما[5]

ترجمہ:۔ جو شخص مال حاصل کرتا ہے لوگ اس کے اچھے کام کی تعریف کرتے ہیں اور جو نقصان اٹھاتا ہے تو ملامت کرنے والا اس کے نقصان پر ہمیشہ ملامت کرتا ہے۔

تجزیہ

شاعر نے "یلق غیرا" کے مقابلے میں "یغو" کا لفظ ذکر کیا ہے۔ "یلق خیرا" سے مراد مال کمانا ہے تو مقابلے میں مال کا ضیاع مراد ہوگا۔ غی کا یہی معنی محل بحث ہے اردو مترجمین نے غویٰ کا یہ معنی اختیار نہیں کیا بلکہ انہوں نے رشد کی ضد کے طور پر اس کا معنی ذکر کیا ہے۔[6]

" اِذَا تُمْنٰى" کے معنی کا شعر جاہلی سے استشہاد

تخلیق انسانی کا تذکرہ کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

1۔ الازہری، محمد کرم شاہ، **ضیاء القرآن**، 4/635

2۔ بریلوی، محمد احمد رضا خان، **کنز الایمان** (کراچی: تاج کمپنی لمیٹڈ پاکستان، طبع، 2002م)، ص755

3۔ النجم: 2

4۔ الشوکانی، **فتح القدیر**، 5/126

5۔ المرقش الاصغر، عمرو بن حرملہ بن مالک، **دیوان المرقشین**، تحقیق: کارین صادر (بیروت: دار صادر، ط، 1998م)، ص100

6۔ کاندھلوی، **معارف القرآن**، 7/561۔ "بہکا نہیں تمہارا رفیق اور بے راہ نہیں چلا"

﴿ وَ اَنَّهٗ خَلَقَ الزَّوْجَیْنِ الذَّكَرَ وَ الْاُنْثٰى 0 مِنْ نُّطْفَةٍ اِذَا تُمْنٰى ﴾[1]

ترجمہ:۔ اور یہ کہ اس نے پیدا فرمائیں دونوں قسمیں نر اور مادہ وہ بھی ایک بوند سے جب ٹپکتی ہے۔

امام شوکانی "﴿مِنْ نُّطْفَةٍ اِذَا تُمْنٰى﴾" کے معنی کی وضاحت کرتے ہیں کہ اس سے مراد ہے نطفہ کا رحم میں ٹپکایا جانا۔ جب نطفہ، عورت کے رحم تک پہنچ جائے تو اس وقت "تمنیٰ" کا لفظ استعمال کیا جاتا ہے۔ "منی الرجل و امنیٰ" کا معنی ہے آدمی نے منی کو رحم تک پہنچا دیا۔ ایک اور معنی بھی "تمنیٰ" کا کیا گیا ہے "تقدر" مقدر کیا گیا۔ منیت الشئ کا لفظ تب بولا جاتا ہے جب کوئی شے کسی کو دے دی جائے۔ "منیٰ لہ" یعنی قدر لہ (یہ شے اس کیلئے مقدر کر دی گئی)۔[2] موخر الذکر معنی کی تائید میں امام شوکانی نے ابو قلابہ الھذلی کے شعر کا ایک مصرع ذکر کیا:

حتی تلاقی مایمنیٰ لک المانی[3]

ترجمہ:۔ یہاں تک کہ تو اسے پالے جو قادر (مطلق) نے تیرے حق میں مقدر کیا ہے۔

تجزیہ

شعر میں یمنی فعل مضارع معروف اور المانی اسم فاعل کا صیغہ دونوں کا مادہ مجرد (م۔ن۔ی) ہے۔ آیت میں مذکور تمنی کا لفظ بھی اسی سے مضارع مجہول کا واحد مونث غائب کا صیغہ ہے۔ شعر میں یمنی کا معنی یقدر ہے۔ یعنی جو المانی یعنی مقدر کرنے والے رب نے تیرے حق میں مقدر کیا ہے گویا دور جاہلی میں "منی" کا لفظ تقدیر کے معنی میں مستعمل تھا۔ معجم کبیر میں روایت ہے کہ نبی علیہ السلام کے سامنے سوید بن عامر کے یہ اشعار پڑھے گئے:

لاتامنن و ان امسیت فی حرم　　ان المنایا بجنبی کل انسان
و اسلک طریقک تمشی غیر مختشع　　حتی تلاقی مایمنی لک المانی

اشعار سن کر نبی علیہ السلام نے فرمایا: **((لو ادرکنی ھذا لا سلم))**[4]

ترجمہ:۔ اگر یہ میرا زمانہ پالیتا تو ضرور اسلام قبول کر لیتا۔

1۔ النجم:45-46

2۔ الشوکانی، **فتح القدیر**، 5/140

3۔ الھذلی، ابو قلابہ حارث بن صعصہ بن حباشہ الھذلی، دیوان الھذلیین (قاہرہ: دار القومیہ، ط، 1385ھ)، 3/39۔ پہلا مصرع یہ ہے "**ولا تقولن لشئی سوف افعلہ**"

4۔ طبرانی، ابو القاسم سلیمان بن احمد، **المعجم الکبیر**، (مکتبۃ العلوم والحکم، ط، 1404ھ)، 19/432۔ اس مصرع کا انتساب سوید بن عامر کی طرف محل نظر ہے کیونکہ یہ ابو قلابہ الھذلی کی طرف بھی منسوب کیا گیا ہے البتہ انتساب کے دوران پہلے مصرع میں اختلاف ہے۔ "**دیوان الھذلیین**" میں پہلا مصرع یوں ہے "**ولا تقولن لشئی سوف افعلہ**" جب کہ امام طبرانی نے پہلا مصرع الگ ذکر کیا ہے۔

"وَالْحَبُّ ذُو الْعَصْفِ" کے معنی کا شعر جاہلی سے استشہاد

اللہ تعالیٰ نے زمین میں انسانوں کی منفعت کیلئے جو چیزیں بنائیں ان میں سے دو یہ ہیں:

﴿وَالْحَبُّ ذُو الْعَصْفِ وَالرَّيْحَانُ﴾[1]

ترجمہ:۔(زمین میں) اناج، بھوسہ والا اور خوشبودار پھول (ہیں)۔

عصف کے مصداق میں اختلاف بیان کرتے ہوئے امام شوکانی کہتے ہیں کہ سدی اور فراء کے بقول کھیتی کے ابتدائی اگنے کے مرحلے میں جو ٹہنی نکلتی ہے اسے عصف کہتے ہیں۔ ابن کیسان کے بقول جو پہلا پتا نکلتا ہے وہ عصف ہے۔ حسن بصری کے نزدیک بھوسہ کو عصف کہتے ہیں۔ اہل عرب کہتے ہیں " **قد اعصف الزرع**"" **مکان معصف**"۔ یہ الفاظ کھیتی کی کثرت کیلئے استعمال کئے جاتے ہیں۔

اس معنی کا استشہاد امام شوکانی نے احیحہ بن الجلاح کے شعر سے کیا ہے۔ امام شوکانی نے اس کا انتساب ابو قیس بن الاسلت کی طرف کیا لیکن یہ شعر بیک وقت دونوں کی طرف منسوب ہے:

اذا جمادی منعت قطرها زان جنانی عطن معصف[2]

ترجمہ:۔ جب جمادی (کے مہینے نے) اپنی بارش روک لی تو گھنے کھیت والے باڑے نے میرے باغ کو مزین کر دیا۔

تجزیہ

امام شوکانی نے عصف کے "گھنی کھیتی" کے معنی کی تائید کیلئے مذکورہ شعر ذکر کیا۔ "معصف" کا لفظ محل استشہاد ہے۔ اس کا مادہ مجرد "عصف" ہے۔ شاعر اپنے کھجوروں کے باغ کی تعریف کرتا ہے جب کھجور کی فصل تیاری کے مراحل میں آجائے تو بارش نقصان دہ ہوتی ہے۔ جمادی کے دونوں مہینوں میں بارش رکتی ہے۔ شاعر کہتا ہے جب جمادی کے مہینے میں بارش رک گئی تو کھجوروں کے گھنے درختوں نے میرے باغ کی خوبصورتی کو چار چاند لگا دیئے[3]۔ اب شعر میں معصف کا لفظ کھجوروں کے درختوں کے پھلوں سے لدے ہونے کیلئے استعمال کیا گیا ہے۔

مفسرین کے نزدیک مذکورہ تمام معانی میں سے "بھوسہ" کا معنی زیادہ راجح ہے۔ اردو مترجمین میں سے لگ بھگ تمام نے ہی عصف کا معنی بھوسہ کیا ہے۔[4]

1۔ الرحمٰن:12

2۔ امام ہروی نے اس شعر کا انتساب احیحہ بن جلاح کی طرف کیا ہے۔ (الھروی، **تهذيب اللغة**،8/55)

3۔ المرزوقی، **كتاب الازمنة والامكنة**، ص205

4۔ اصلاحی، **تدبر القرآن**،8/126

"مُّخَلَّدُونَ "کے معنی کا شعر جاہلی سے استشہاد

اللہ تعالیٰ نے اہل جنت کے خدمت گار لڑکوں کا تذکرہ کرتے ہوئے فرمایا:

﴿ وَيَطُوفُ عَلَيْهِمْ وِلْدَانٌ مُّخَلَّدُونَ ﴾[1]

ترجمہ:۔ گردش کرتے ہوں گے ان کے ارد گرد نوخیز لڑکے جو ہمیشہ ایک جیسے رہیں گے۔

آیت میں ولدان کی صفت مخلدون ذکر کی گئی ہے۔ مخلدون کا ایک معنی یہ ہے کہ لڑکے ہمیشہ جوان رہیں گے بڑھاپا ان پر طاری نہیں ہو گا۔ مجاہد کے بقول مخلدون کا معنی ہے انہیں موت نہیں آئے گی۔ فراء نے کہا کہ اہل عرب مخلد اس شخص کو کہتے تھے جس کی عمر زیادہ ہوگئی ہو لیکن اس پر بڑھاپے کے اثرات یعنی بالوں کی سفیدی وغیرہ ظاہر نہ ہو۔ کان کے بالیوں کے لئے بھی خلدۃ کا لفظ استعمال کیا جاتا ہے۔ کہا جاتا ہے" **خلد جاريته**"اس نے اپنی باندی کو بالی پہنائی۔ عکرمہ کے بقول مخلدون کا معنی ہے منعمون۔[2]

یعنی جنت کی نعمتیں فراہم کرنے والے۔ دلیل کے طور پر امام شوکانی نے امرؤالقیس کا یہ شعر بیان کیا:

وهل ينعمن الا سعيد مخلد　　قليل الهموم مايبيت باوجال[3]

ترجمہ:۔ کیا وہ عورتیں (مجھ جیسے) سعادت مند اور نعمتیں فراہم کرنے والے شخص سے کبھی فیض یاب ہوں گی جس کے غم کم ہیں (اور) وہ ڈر کر رات نہیں گزارتا۔

تجزیہ

امام شوکانی نے یہ شعر عکرمہ کے موخر الذکر قول کی تائید میں ذکر کیا۔ امام شوکانی نے مخلد کا معنی منعم کیا ہے لیکن اس معنی پر دلالت کا کوئی قرینہ شعر میں موجود نہیں ہے۔ امرؤالقیس، عورتوں کے سامنے اپنی تعریف کرتا ہے۔ ینعمن کا لفظ اس نے ھل استفہامیہ کے بعد بیان کر دیا ہے اس کے بعد وہ اپنی خوبیاں بیان کرتا ہے۔ ایک سعید اور دوسری مخلد دو خوبیاں بیان کرتا ہے۔ اب مخلد کا لفظ یہاں اس معنی میں زیادہ مناسب معلوم ہوتا ہے کہ اہل عرب زیادہ عمر کے باوجود بڑھاپے کے آثار ظاہر نہ ہونے کیلئے جو استعمال کرتے تھے یعنی امرؤالقیس عورتوں سے اپنے متعلق کہتا ہے کہ میں سعادت مند ہوں اور جوانی بھی برقرار ہے۔ بہر حال اگر مخلد کا معنی منعم کیا جائے تو شعر کا معنی ہو گا کہ میں آسائشیں فراہم کر سکتا ہوں اور اگر زیادہ عمر کے باوجود جوان رہنے کی بات ہو تو فراء کے معنی کی

1۔ الواقعہ:17

2۔ الشوکانی، **فتح القدير**، 5/178

3۔ امرؤالقیس، **ديوان امرء القيس**، 1/135

تائید ہوگی۔ شعر میں ایسا واضح قرینہ موجود نہیں ہے جو کسی ایک معنی کی تعیین کر سکے۔ بیان القرآن میں جوان رہنے کا ہی معنی کیا گیا ہے۔[1]

"وَمَتَاعًا لِّلْمُقْوِينَ" کے معنی کا شعر جاہلی سے استشہاد

اللہ تعالیٰ نے آگ کو اپنی نعمت قرار دے کر فرمایا کہ کیا تم نے اس کے درخت پیدا کئے یا ہم نے؟ اس کے بعد فرمایا:

﴿ نَحْنُ جَعَلْنَاهَا تَذْكِرَةً وَمَتَاعًا لِّلْمُقْوِينَ ﴾[2]

ترجمہ:۔ ہم نے ہی بنایا ہے اس کو نصیحت اور فائدہ مند مسافروں کیلئے۔

یعنی یہ آگ مسافروں کیلئے فائدہ مند ہے جو لوگ اجڑے مکانات میں سفر کے دوران قیام کرتے ہیں انہیں مقوین کہتے ہیں۔ ارض قواء غیر آباد، ویران زمین کو کہتے ہیں۔[3] ایسا مکان کہ جہاں لوگوں نے سکونت اختیار کرنا ترک کر دیا۔ اس معنی کی دلیل میں امام شوکانی نے دو اشعار جاہلیہ کا تذکرہ کیا۔ پہلا نابغہ الذبیانی کے معلقہ کا پہلا شعر ہے جبکہ دوسرا عنترہ کے معلقہ کا ہے۔ نابغہ نے کہا:

یا دار میة بالعلیاء فالسند   اقوت وطال علیها سالف الامد[4]

ترجمہ:۔ اے بلند جگہ پر واقع میۃ کے گھر! وادی اب مکمل طور پر غیر آباد پڑی ہے اسے اجڑے ہوئے لمبا عرصہ بیت چکا ہے۔

جبکہ عنترہ نے کہا:

حییت من طلل تقادم عهده   اقوی واقفر بعد ام الهیثم[5]

ترجمہ:۔ اے (میری محبوبہ کے گھر کے) ٹیلے! تو سلامت رہے۔ اسے اپنے اہل سے ملے ہوئے عرصہ ہو گیا (اور) وہ ام الہیثم کے سفر کے بعد غیر آباد اور ویران ہو گیا۔

تجزیہ

1۔ تھانوی، **بیان القرآن**، 3/501

2۔ الواقعہ: 73

3۔ الشوکانی، **فتح القدیر**، 5/189

4۔ نابغہ الذبیانی، **دیوان نابغہ الذبیانی**، ص14

5۔ عنترہ، **دیوان عنتر**، ص80

پہلے شعر میں اقوت کا لفظ اور دوسرے شعر میں اقوی کا لفظ محل استشہاد ہے۔ اقوت کا معنی محمد علی طه الدرۃ نے اپنی کتاب فتح الکبیر المتعال میں بیان کیا "اقوت: خلت من سکانها و اهلها"[1]۔ یعنی ایسا مکان کہ جس میں لوگوں نے سکونت اختیار کرنا ترک کر دیا۔ غیر آباد، اجڑا ہوا مکان۔ دوسرے شعر میں عنترہ محبوبہ کے کوچ کے بعد مکان کے ویران اور غیر آباد ہونے کیلئے اقویٰ کا لفظ استعمال کرتا ہے۔ اسی سے مقوین کا لفظ بھی بنا ہے۔ یعنی غیر آباد اور کھنڈرات میں بسیرا کرنے والے مسافر۔

"فَلَوۡلَآ اِنۡ كُنۡتُمۡ غَيۡرَ مَدِيۡنِيۡنَ" کے معنی کا شعر جاہلی سے استشہاد

اللہ تعالیٰ نے کفار کو چیلنج کرتے ہوئے فرمایا:

﴿فَلَوۡلَآ اِنۡ كُنۡتُمۡ غَيۡرَ مَدِيۡنِيۡنَ ۝ تَرۡجِعُوۡنَهَآ اِنۡ كُنۡتُمۡ صٰدِقِيۡنَ﴾[2]

ترجمہ:۔ اگر تم کسی کے حکم کے پابند نہیں ہو تو کیوں نہیں لوٹا دیتے (مرنے والے کی روح) اگر تم سچے ہو۔

مدینین، دان، یدین، دینا سے اسم مفعول کا صیغہ ہے۔ غیر کا مصاف الیہ ہونے کی وجہ سے حالت جری میں ہے۔ اس کا معنی بیان کرتے ہوئے امام شوکانی کہتے ہیں کہ "دان السلطان رعیته" کے الفاظ تب بولے جاتے ہیں جب بادشاہ، لوگوں کا حکمران بنے اور انہیں اپنا غلام بنالے۔ فراء کے بقول "دنته" کا معنی ہے "ملکته" یعنی تو اس کا مالک ہو گیا۔[3] اس معنی کی تائید میں امام شوکانی نے حطیئہ کا یہ شعر بیان کیا:

لقد دنت امر بنیک حتی　　　ترکتهم ادق من الطحین[4]

ترجمہ:۔ تیرے بیٹوں کے معاملات تیرے سپرد کئے گئے حتی کہ تو نے انہیں آٹے سے بھی زیادہ باریک کر کے چھوڑ دیا۔

مدینین کا ایک معنی مجزیین بھی کیا گیا ہے یعنی جزاء دی جائے گی، بدلہ دیا جائیگا۔[5]

اس معنی کی تائید میں امام شوکانی نے فند الزمانی کا شعر ذکر کیا جو اس نے جنگ بسوس کے دوران کہا:

و لم یبق سوی العدوان　　　دناهم کما دانوا

ترجمہ:۔ اور دشمنی کے سوا کوئی چارہ کار نہ رہا تو ہم نے انہیں ایسا ہی بدلہ دیا جیسا انہوں نے کیا۔

1۔ محمد علی طه الدرۃ، **فتح الکبیر المتعال اعراب المعلقات العشر الطوال**، (الناشر: مکتبۃ السوادی، طباعت: 1989ھ)، 2/445

2۔ الواقعہ: 86-87

3۔ الشوکانی، **فتح القدیر**، 5/193

4۔ ابن منظور، "**لسان العرب**" میں یہ شعر حطیئہ کی طرف منسوب کیا گیا ہے۔/ حطیئہ، دیوان الحطیئہ، ص 187۔ دیوان میں "دنت" کی جگہ "سوست" کا لفظ مرقوم ہے۔

5۔ الشوکانی، **فتح القدیر**، 5/193

تجزیہ

پہلے شعر میں دنت کا معنی ملکت ہے یعنی تجھے تیرے بیٹوں کے حکم کا مالک بنایا گیا۔ اس معنی کے لحاظ سے آیت کا مفہوم یہ ہے کہ اگر تم پر اللہ کی ملکیت نہیں ہے تو پھر مرنے کے بعد روح کو واپس لوٹا دو اگر تم سچے ہو تو۔ دوسرا شعر فند الزمانی نے جنگ بسوس کے دوران کہا اس سے پہلے شعر میں شاعر نے کہا:

فلما صرح الشر وامسیٰ وھو عریان

کہ جب جنگ مکمل طور پر ظاہر ہو گئی تو ہم نے بھی انہیں ویسا ہی بدلہ دیا جیسے انہوں نے کیا۔[1] شعر میں دنا کا لفظ جزاء کے معنی میں استعمال ہوا۔ اس معنی کی مناسبت سے آیت کا مفہوم یہ ہے کہ اگر تمہیں تمہارے اعمال کی جزاء نہیں دی جائے گی تو پھر کیوں نہیں روح کو لوٹا دیتے اگر تم سچے ہو تو۔ امام بیضاوی نے **ملک یوم الدین**[2] کی تفسیر میں یہی شعر جزاء کے معنی کی دلیل کے طور پر بیان کیا۔[3]

دونوں معانی میں سے پہلا معنی آیت کے سیاق وسباق کے لحاظ سے زیادہ قرین قیاس ہے۔ مولانا مودودی نے اس کا معنی محکوم کیا ہے[4] جو ملکیت کے معنی سے مماثلت رکھتا ہے۔

"الْمُؤْمِنُ" کے معنی کا شعر جاہلی سے استشہاد

اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿هُوَ اللّٰهُ الَّذِیْ لَاۤ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ۚ اَلْمَلِكُ الْقُدُّوْسُ السَّلٰمُ الْمُؤْمِنُ الْمُهَیْمِنُ الْعَزِیْزُ الْجَبَّارُ الْمُتَكَبِّرُ ؕ سُبْحٰنَ اللّٰهِ عَمَّا یُشْرِكُوْنَ﴾[5]

ترجمہ:۔ اللہ وہی تو ہے جس کے سوا کوئی معبود نہیں۔ سب کا بادشاہ، نہایت مقدس، سلامتی بخشنے والا، نگہبان، عزت والا، ٹوٹے دلوں کو جوڑنے والا، متکبر ہے۔ پاک ہے اللہ تعالیٰ اس شرک سے جو لوگ کر رہے ہیں۔

آیت میں "**المؤمن**" کے لفظ کی تفسیر بیان کرتے ہوئے امام شوکانی فرماتے ہیں کہ "**المؤمن**" وہ ذات ہے جو اپنے بندوں کو عذاب سے امن عطا کرنے والی ہے۔ ایک قول یہ ہے کہ مومن سے مراد وہ ذات ہے جو معجزات

1۔ محمد بن محمد حسن، **شرح شواھد الشعریه**، 231/3

2۔ الفاتحہ: 3

3۔ البیضاوی، ناصر الدین ابو السعید عبد اللہ بن عمر، **انوار التنزیل و اسرار التاویل** (بیروت: دار احیا التراث العربی، ط، 1418ھ)، 28/1

4۔ مودودی، **تفہیم القرآن**، 295/5

5۔ الحشر: 23

کے اظہار سے اپنے رسولوں کی تصدیق کرنے والی ہے۔ ایک قول یہ ہے کہ جو مومنین کو وعدہ کے مطابق اجر اور کفار کو وعدہ کے مطابق عذاب دینے والی ذات ہے اسے مومن کہا جاتا ہے یہ ''امن'' سے مشتق ہے اور ''خوف'' کی ضد ہے[1]۔ امن کے ضد خوف ہونے کی تائید امام شوکانی نے نابغہ کے اس شعر سے کی:

والمؤمن العائذات الطير يسحها ركبان مكة بين الغيل والسند[2]

ترجمہ:۔ اس اللہ کی قسم کھاتا ہوں جو مکہ کے سواروں پر پرندوں کا شکار حرام کرکے پناہ مانگنے والے پرندے کو امن عطا فرمانے والا ہے (اور لوگ) مقام فیل اور سند کے درمیان (ان کا شکار نہیں کرتے)۔

تجزیہ

شعر میں المؤمن سے پہلے واؤ قسمیہ ہے۔ شاعر اللہ کی قسم کھاتا ہے اور اس کی صفات میں سے ''المؤمن'' کی صفت ذکر کرتا ہے یہی محل استشہاد ہے۔ العائذات سے مراد پناہ مانگنے والے ہیں۔ پناہ لامحالہ خوف کے وقت مانگی جاتی ہے اب میں خوف کے وقت جو ذات امن عطا کرنے والی ہے وہ ''المؤمن'' ہے۔ یہی شاعر کی مراد ہے اور آیت کا مفہوم بھی یہی ہے مولانا مودودی نے المؤمن کا معنی امن دینے والا کیا ہے[3]۔

"هَلُوْعًا" کے معنی کا شعر جاہلی سے استشہاد

اللہ تعالیٰ نے انسان کی تخلیق کے متعلق فرمایا:

﴿اِنَّ الْاِنْسَانَ خُلِقَ هَلُوْعًا۔اِذَا مَسَّهُ الشَّرُّ جَزُوْعًا۔وَّاِذَا مَسَّهُ الْخَيْرُ مَنُوْعًا﴾[4]

ترجمہ:۔ بے شک انسان بہت لالچی پیدا ہوا ہے جب اسے تکلیف پہنچے تو سخت گھبرا جانے والا اور جب اسے دولت ملے تو حد درجہ بخیل۔

هلوعا کی تفسیر اللہ تعالیٰ نے خود بیان فرمائی کہ جب انسان کو تکلیف پہنچے تو بہت زیادہ جزع و فزع کرنے لگتا ہے اور جب دولت ملے تو بخیل ہو جاتا ہے اور اپنا مال لوگوں سے روک لیتا ہے اسی کیفیت کا نام هلوعاً ہے۔ اہل عرب میں جب تیز چلنے والی اونٹنی اپنی رفتار آہستہ کر لیتی تھی تو اسے ''ناقة هلوع'' یا ''ناقة هلواع'' کہا جاتا تھا[5]۔

1۔ الشوکانی، **فتح القدیر**، 5/247

2۔ نابغہ الذبیانی، **دیوان نابغہ الذبیانی**، ص 25

3۔ مودودی، **تفہیم القرآن**، 5/414

4۔ المعارج: 21-19

5۔ الشوکانی، **فتح القدیر**، 5/348

عربوں کے اس قول کی تائید اس شعر سے ہوتی ہے:

صکاءذعلبۃاذااستدبرتھا　　　حرج اذااستقبلتھاھلواع[1]

ترجمہ:۔ (ایسی اونٹنی ہے جو) تیز چلنے والی، ایڑیوں کو رگڑنے والی، جب تو اس کے پیچھے آئے تو تنگی محسوس کرے اور جب تو اس کے آگے آئے تو وہ آہستہ ہو جائے۔

تجزیہ

شعر میں مسیب بن علس نے اونٹنی کو شتر مرغ سے تشبیہ دی ہے کیونکہ صکاء کا لفظ شتر مرغ کی چال کیلئے مستعمل ہے یہ لفظ اونٹنی کیلئے استعمال نہیں ہوتا[2]۔ شعر میں ھلواع کا لفظ محل استشہاد ہے۔ شاعر اونٹنی کی تعریف کرتا ہے کہ جب تو اونٹنی کے پیچھے چلے تو وہ نازک مزاجی کی وجہ سے تنگی محسوس کرتی ہے اور جب تو اس کے آگے چلے تو وہ آہستہ ہو جاتی ہے۔ اونٹنی کے آہستہ ہونے کیلئے شاعر نے ھلواع کا لفظ استعمال کیا ہے۔ امام شوکانی نے شعر کا ذکر محض اس کے قول عرب کے ایک معنی کے اظہار کیلئے کیا جو لغوی طور پر مستعمل تھا۔ اردو مفسرین نے اس کے اصطلاحی معنی کا ہی اعتبار کیا جسے امام شوکانی نے پہلے بیان کیا۔ غلام رسول سعیدیؒ نے ترجمہ کیا: ”بے شک انسان کم حوصلہ پیدا کیا گیا ہے“[3]۔ لغوی معنی کا اصطلاحی معنی سے یوں ربط ہے کہ دونوں کسی شے کے کم ہو جانے کے معنی پر دلالت کرتے ہیں۔

"عِزِیْنَ" کے معنی کا شعر جاہلی سے استشہاد

کفار کے نبی کریم ﷺ کے ارد گرد بیٹھنے کی صورت بیان کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿عَنِ الْیَمِیْنِ وَعَنِ الشِّمَالِ عِزِیْنَ﴾[4]

ترجمہ:۔ عزین، عزۃ کی جمع ہے لوگوں کی ایک جماعت کو عزۃ کہا جاتا ہے[5]۔

امام شوکانی نے مذکورہ معنی کی دلیل کے طور پر عنترہ کا یہ شعر ذکر کیا:

1۔ صاحب لسان العرب نے اس شعر کا انتساب مسیب بن علس کی طرف کیا ہے۔ (ابن منظور، **لسان العرب**، 8/375)

2۔ ابن منظور، **لسان العرب**، 8/375

3۔ سعیدی، **تبیان القرآن**، 12/221

4۔ المعارج:37

5۔ الشوکانی، **فتح القدیر**، 5/349

وقرن قدتر کت لدی ولی　　علیه الطیر کالعصب العزینا[1]

ترجمہ:۔ مجھ پر ایک زمانہ ایسا بھی گزرا ہے کہ پرندہ بھی اس (میرے دشمن کے لشکر) پر ایسے غالب آیا جیسے طاقتور گروہ ہو۔

تجزیہ

شعر میں العزینا کا لفظ محل استشہاد ہے۔ شاعر جنگ میں اپنی شجاعت بیان کرتا ہے کہ میں نے دشمن کے لشکر کو اس حال میں چھوڑا کہ پرندہ ان کے مردہ گوشت کھانے کیلئے اس قوت سے آتا ہے کہ جیسے طاقتوروں کا گروہ ہو۔ شاعر لشکر کی کمال بے بسی بیان کرتا ہے کہ جب ایک پرندہ بھی آتے ہوئے خوف نہیں کھاتا۔ وہ طاقتور گروہ کی طرح حملہ کرتا ہے۔ العزینا کے آخر میں "الف" ضرورت شعری کی بناء پر لایا گیا ہے۔ تدبر القرآن میں عزین کا معنی گروہ در گروہ ہی کیا گیا ہے۔[2]

"وَ تَبَتَّلْ اِلَیْهِ تَبْتِیْلًا" کے معنی کا شعر جاہلی سے استشہاد

اللہ تعالیٰ نے نبی کریم ﷺ کو حکم دیا:

﴿وَ اذْكُرِ اسْمَ رَبِّكَ وَ تَبَتَّلْ اِلَیْهِ تَبْتِیْلًا﴾[3]

ترجمہ:۔ اور آپ اپنے رب کے نام کا ذکر کرتے رہیں اور سب سے منقطع ہو کر اسی کے ہو رہیں۔

تبتل کا معنی انقطاع ہے۔ تبلت الشئ کا لفظ اس وقت بولا جاتا ہے جب کوئی شخص کسی چیز کو کاٹ کر دوسری سے الگ کر دے۔ آیت کا معنی ہے اللہ کی عبادت میں مشغولیت کیلئے ہر ایک سے کٹ کر الگ ہو جائیں۔ صدقۃ بتلۃ کا لفظ تب بولتے جب مالدار کے مال سے صدقہ کا مال الگ کر دیا جائے۔ اسی طرح راہب کو متبتل کہا جاتا ہے کیونکہ وہ لوگوں سے الگ تھلگ ہو کر عبادت میں مشغول ہو جاتا ہے۔[4]

"راہب متبتل" کے الفاظ کی تائید میں امام شوکانی نے یہ شعر بغیر انتساب کے ذکر کیا۔ شعر امرؤالقیس کے معلقہ کا ہے: تضیئ الظلام بالعشاء کانها　　منارة ممسی راهب متبتل[5]

1۔ اس شعر کا انتساب امام شوکانی نے عنترہ کی طرف کیا ہے لیکن عنترہ کے دیوان میں یہ شعر الفاظ کے معمولی اختلاف کے ساتھ آیا ہے۔ دیوان میں الفاظ یہ ہیں۔ وقرن قدتر کت لدی مکر　　علیه سبائبا کالارجوان؛ یہ شعر عنترہ نے جنگ کی شجاعت کے باب میں کہا: (**دیوان عنتر**، ص90)

2۔ اصلاحی، **تدبر قرآن**، 8/564

3۔ المزمل: 8

4۔ الشوکانی، **فتح القدیر**، 5/377

5۔ امرؤالقیس، **دیوان امرء القیس**، 1/46

ترجمہ:۔(اس کا چہرہ)شام کے وقت تاریکی کو روشن کر دیتا ہے گویا کہ وہ تارک الدنیا راہب کا شام کا چراغ ہے۔

تجزیہ

امرؤالقیس اپنی محبوبہ کے چہرے کو راہب کے چراغ سے تشبیہ دیتا ہے۔اس زمانے میں راہب لوگ بلند جگہوں پر شام کے وقت چراغ روشن کرتے تھے تا کہ مسافروں کی رہنمائی ہو سکے۔ شعر میں راہب کا لفظ موصوف ہے اور متبتل صفت ہے۔مسافروں کو رہنمائی کی ضرورت انجان جگہوں پر ہوتی تھی۔وہاں ہی راہبوں کا ڈیرا ہوتا تھا۔ راہب لوگوں سے الگ تھلگ ہو کر یادالٰہی میں مستغرق ہوتے تھے۔راہب کی صفت متبتل ذکر کرنے سے ان کے انقطاع عن الناس ہونے کا پہلو سامنے آتا ہے۔بیان القرآن میں مولانا اشرف علی تھانوی نے آیت کا ترجمہ اسی کے موافق کیا"اور سب سے قطع کر کے اسی کی طرف متوجہ رہو"[1]

"فَقُتِلَ كَيْفَ قَدَّرَ"کے معنی کا شعر جاہلی سے استشہاد

ولید بن مغیرہ کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿فَقُتِلَ كَيْفَ قَدَّرَ﴾[2]

ترجمہ:۔اس پر اللہ کی مار ہو اس نے کیسا فیصلہ کیا۔

امام شوکانی نے "قتل" کا معنی کیا ہے "لعن وعذب" اس پر لعنت ہو اور اللہ کا عذاب ہو کہ اس نے کیسا کلام کیا۔اہل عرب میں کہا جاتا ہے کہ لاضربنه' كيف اصنع۔میں اسے ضرور ماروں گا اس نے کیسا کام کیا۔ قتل کا ایک معنی "قهر وغلب" بھی کیا گیا ہے۔یعنی اس پر اللہ کا قہر نازل ہو اور وہ مغلوب ہو کہ کیسا اس نے قول کرنے کا تہیہ کیا[3]۔اس معنی کی تائید میں امام شوکانی نے بغیر انتساب کے امرؤالقیس کا شعر ذکر کیا ہے یہ شعر اس کے معلقہ کا ہے:

وماذرفت عيناك الا لتضربى بسهميك فى اعشار قلب مقتل[4]

ترجمہ:۔تیری آنکھیں محض اس لئے بہنے لگیں کہ تو اپنی دونوں (نگاہوں کے) تیر، میرے قتل کئے گئے دل کے پردوں پر مارے۔

تجزیہ

1۔تھانوی،**بیان القرآن**،595/3

2۔المدثر:19

3۔الشوکانی،**فتح القدير**،387/5

4۔امرؤالقیس،**ديوان امرءالقيس**،34/1

اس شعر کی تفسیر میں دو اقوال ہیں پہلا یہ کہ سھم سے مراد نظروں کے تیر ہیں۔ یہ ذکر استعارہ کے طور پر ہے جس طرح تیر، بدن کو زخمی کرتے ہیں اسی طرح شاعر کا دل محبوبہ کی نظروں سے زخمی ہو گیا ہے اسی سے نبی ﷺ کا فرمان ہے: ((ان النظرۃ سھم من سھام ابلیس مسموم))[1]۔ ترجمہ:۔ یعنی نظر' شیطان کے زہر آلود تیروں میں سے ایک تیر ہے۔ امام شوکانی نے اسی تفسیر کے تحت شعر ذکر کیا۔

دوسرا قول یہ ہے کہ زمانہ جاہلیت میں رواج تھا کہ دس لوگ مل کر ایک اونٹ خریدتے ذبح کرنے کے بعد گوشت دس حصوں میں تقسیم کیا جاتا پھر جوئے کے تیروں کے ذریعے تقسیم کرتے۔ کل سات تیر ہوتے۔ الفذ، التوءم، الرقیب، الحلس، النافس، المسبل اور المعلی۔ ناموں کی اسی ترتیب پر ایک دو تین سے لے کر سات تک حصوں کی تقسیم ہوتی۔ جس کا تیر الفذ ہوتا وہ ایک حصہ لیتا اور المعلی والے کو سات حصے ملتے۔ امرؤالقیس اپنی محبوبہ سے کہتا ہے کہ میرا دل اونٹ کی طرح قتل ہوا پڑا ہے اور تونے دو تیروں رقیب اور معلی کے ذریعے پورا دل اپنے قبضے میں کر لیا ہے[2]۔ سھمیک میں مضاف تثنیہ کا صیغہ حالت جری میں ہے دو تیروں سے مراد رقیب اور معلی ہیں۔ امام شوکانی نے پہلے قول کے تحت اس شعر کا ذکر کیا۔ قلب مقتل سے مراد وہ دل ہے جو مغلوب ہو چکا۔ شکستہ ہو گیا ہے اس معنی کے تناظر میں "فقتل" کا معنی ہو گا کہ ولید بن مغیرہ مغلوب و مقہور ہو کیسی بات کا اس نے تہیہ کیا ہے۔ تدبر القرآن میں ترجمہ کیا گیا "پس ہلاک ہو کیسی بات بتائی"۔[3]

" قٰدِرِیْنَ عَلٰۤى اَنْ نُّسَوِّیَ بَنَانَهٗ " کے مفہوم کا شعر جاہلی سے استشہاد

کفار کہتے تھے کہ جب انسان مر کے مٹی ہو جاتا ہے تو پھر اس کو کوئی طاقت دوبارہ زندہ نہیں کر سکتی ان کی اس بات کے جواب میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿بَلٰى قٰدِرِیْنَ عَلٰۤى اَنْ نُّسَوِّیَ بَنَانَهٗ﴾[4]

ترجمہ:۔ (انسان کی بکھری ہڈیوں کو اکٹھا) ضرور کریں گے ہم اس بات پر قادر ہیں کہ اس کی پور پور درست کریں۔

"نسویٰ بنانہ" کا ایک معنی یہ ہے کہ جب ہم انگلیوں کے چھوٹے چھوٹے پور جمع کرنے کی طاقت رکھتے ہیں تو بڑے اعضاء کا کیا ہیں؟ انہیں کیوں نہیں جمع کر پائیں گے؟ یہاں اللہ تعالیٰ نے پوروں کے ساتھ جسم کے بقیہ بڑے اعضاء پر تنبیہ فرمائی ہے کہ انہیں دوبارہ بنانے کی قدرت بدرجہ اولیٰ ہے۔ جمہور مفسرین نے معنی یہ کیا ہے کہ ہم ان کی انگلیوں کو ایک چیز کی طرح بالکل سیدھا کر دیں گے جیسے اونٹ کے پاؤں یا گدھے کے کھر ہوتے ہیں انگلیوں کے

1۔ طبرانی، **المعجم الکبیر**، 10/173، ۔الحاکم، **المستدرک**، 4/349

2۔ محمد علی طہٰ الدرۃ، **فتح الکبیر المتعال**، 1/77

3۔ اصلاحی، **تدبر القرآن**، 9/41

4۔ القیامۃ:4

درمیان فاصلے کو مٹادیں گے انگلیوں میں ٹیڑھا ہونے کی صلاحیت ختم کردیں گے جس کی وجہ سے ہاتھوں سے منفعت حاصل کرنے کی صلاحیت تقریباً ختم ہو جائے گی۔ ایک معنی یہ بھی کیا گیا ہے کہ ہم انسانوں کو چوپایوں کی صورت میں لوٹادیں گے۔ امام شوکانی نے یہ تین مفاہم بیان کرنے کے بعد راجح قول پہلا قرار دیا ہے[1]۔ اسی کی دلیل میں عنترہ کا یہ شعر بیان کیا: وان الموت طوع یدی اذاما   وصلت بنانہا بالھندوان[2]

ترجمہ:۔ بے شک موت میری دسترس میں ہوگئی جب میں مہند (ہند کی بنی) تلوار لے کر ان کے پوروں تک جا پہنچا۔

تجزیہ

شاعر بنو عبس کے مقابلے میں اپنی شجاعت کا تذکرہ کرتا ہے۔ شعر میں بنانہا کا لفظ محل استدلال ہے۔ شاعر اپنی کمال شجاعت کا تذکرہ کرتا ہے کہ میں نے دشمن کے بڑے اعضاء کو چھوڑ کر انگلیوں کے پوروں تک کو قابو میں کر لیا۔ جب پورے بھی میرے قابو میں تھے تو بڑے اعضاء پر بدرجہ اولیٰ میرا قبضہ تھا اور موت اس وقت میرے حکم کے تابع تھی۔ شعری تناظر میں آیت کا مفہوم یہ بنتا ہے کہ انسان یہ گمان کرتا ہے کہ ہم ہڈیوں کو جمع نہیں کر سکیں گے خوب جان لو! ہم تو اس کے پوروں تک کو سیدھا کرنے کی طاقت رکھتے ہیں یہ بڑے اعضاء کیا چیز ہیں۔ ان کی جمع آوری کون سا مشکل کام ہے؟ امام قرطبی نے بھی یہی مفہوم بیان کرکے مذکورہ شعر کو اپنا مستدل بنایا ہے۔[3]

"كَلَّا لَا وَزَرَ" میں وزر کے معنی کا شعر جاہلی سے استشہاد

قیامت کے دن جب کافر شخص گھبرا کر جائے پناہ کی تلاش میں بھاگے گا تو اسے زجر و توبیخ کے ساتھ جواب دیا جائیگا۔ ﴿كَلَّا لَا وَزَرَ﴾[4] ترجمہ:۔ بے شک کہیں پناہ نہیں۔

لغوی طور پر "وزر" ایسی جگہ کو کہتے ہیں جہاں انسان پناہ لیتا ہے وہ کوئی قلعہ ہو سکتا ہے یا پہاڑ یا کوئی بھی اور چیز۔ اس معنی کے تناظر میں آیت کا معنی یہ ہے کہ کافر کو قیامت کے دن اللہ تعالیٰ کے عذاب سے نہ پہاڑ، نہ قلعہ اور نہ کوئی اور چیز پناہ دے سکے گی[5]۔

طرفہ بن عبد البکری نے کہا:

1۔ الشوکانی، **فتح القدیر**، 5/399-398

2۔ عنترہ، **دیوان عنتر**، ص19

3۔ قرطبی، **الجامع لاحکام القرآن**، 19/94

4۔ القیامۃ: 11

5۔ الشوکانی، **فتح القدیر**، 5/400

ولقدتعلم بکر اننا   فاضلو الرأی وفی الروع وزر [1]

ترجمہ:۔ بنو بکر یہ بات خوب جانتے ہیں کہ ہم اچھے رائے رکھنے والے اور گھبراہٹ میں پناہ گاہ ہیں۔

تجزیہ

اس شعر میں طرفہ اپنے قبیلے کی مدح کرتے ہوئے کہتا ہے کہ ہم اچھی آراء کے حامل لوگ ہیں اور اگر کوئی شخص گھبرا کر کہیں پناہ تلاش کرتا ہے تو اس کی پناہ گاہ بھی ہم ہی ہیں۔ گھبراہٹ میں پناہ گاہ کے لئے ''وزر'' کا لفظ شعر میں استعمال کیا گیا ہے۔ یہی محل استشہاد ہے۔ المفردات میں وزر کا معنی یہ بیان کیا گیا۔

الوزر: الملجأ الذی یلتجأ الیہ من الجبل [2]

''کَاْسٍ" اور "مِزَاجُهَا" کے معنی'' کا شعر جاہلی سے استشہاد

اللہ تعالیٰ نے نیکوکاروں کیلیئے جنت کی ایک نعمت کا تذکرہ کرتے ہوئے فرمایا:

﴿اِنَّ الْاَبْرَارَ یَشْرَبُوْنَ مِنْ کَاْسٍ کَانَ مِزَاجُهَا کَافُوْرًا﴾ [3]

ترجمہ:۔ جو نیکوکار ہیں وہ ایسا مشروب نوش جان کریں گے جس میں کافور کی آمیزش ہوگی۔

''کأس'' لغوی طور پر ایسے برتن کو کہتے ہیں جس میں شراب ہو۔ اگر برتن میں شراب نہ ہو تو اسے کأس نہیں کہتے۔ یہ شیشے، سونے، چاندی یا چینی کا بھی ہو سکتا ہے۔

﴿کَانَ مِزَاجُهَا کَافُوْرًا﴾ کا معنی ہے **یخالطها و تمزج به** یعنی شراب میں کافور ملا ہوگا۔ اس کی آمیزش ہوگی۔ مزجہ، یمزجہ، مزجاً کا معنی ہے خلطہ، یخلطہ، خلطاً مل جانا اکٹھا ہو جانا'' [4]۔

عمرو بن کلثوم نے اپنے معلقہ میں کہا:

صددت الکأس عنا ام عمرو   و کان الکأس مجراها الیمینا

مشعشعة کان الخص فیها   اذا ما الماء خالطها سخینا [5]

ترجمہ:۔ اے ام عمرو! تونے شراب کا پیالہ ہم سے پھیر دیا۔ حالانکہ (دستور کے مطابق) دور داہنی جانب سے چلنا تھا۔

1۔ البکری، طرفہ بن عبد، **دیوان طرفة بن عبد**، ص44

2۔ الاصفہانی، **المفردات**، 1/ 867

3۔ الدھر:5

4۔ الشوکانی، **فتح القدیر**، 5/ 410

5۔ عمرو بن کلثوم، **دیوان عمرو بن کلثوم**، ص64-65

(اے ساقی! ہمیں) پانی ملی ہوئی (شراب پلا) جب اس میں گرم پانی ملے تو ایسا معلوم ہو جیسے زعفران ملی ہے۔

تجزیہ

امام شوکانی نے مذکورہ آیت کی توضیح میں عمرو بن کلثوم کے معلقہ کے دو اشعار ذکر کئے۔ پہلے شعر میں ”الکأس“ کا لفظ محل استشہاد ہے۔ شاعر اپنی محبوبہ سے شکوہ کناں ہے کہ دستور کے مطابق تجھے شراب کا پیالہ داہنی طرف سے دینا چاہیے تھا لیکن داہنی طرف میں بیٹھا تھا تو تو نے مجھے محروم کرنے کیلئے بائیں طرف سے دینا شروع کر دیا۔ اب شعر میں ”الکأس“ کا لفظ شراب کے پیالے کیلئے استعمال کیا گیا یہ شعر اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ جب پیالے میں شراب موجود ہو تو اس کیلئے ”کأس“ کا لفظ استعمال ہوتا ہے۔

دوسرے شعر میں استشہاد معنوی ہے۔ ”مزج“ کا معنی ”خلط“ بیان کرتے ہوئے امام شوکانی نے مزج کے لفظ کا حامل شعر ذکر نہیں کیا بلکہ اس کا معنی ”خالطھا“ ذکر کیا۔ پانی کے شراب کے ساتھ ملنے کیلئے ”خالطھا“ کا لفظ ذکر کیا گیا ہے۔ گویا جنت میں شراب میں کافور کے ملنے اور شعر میں گرم پانی کے شراب کے ساتھ ملنے کا معنی ایک ہی ہے۔

صاحب لسان العرب نے مزج کا معنی ان الفاظ میں بیان کیا:

المزج: خلط المزاج بالشئی۔ و مزج الشراب: خلطه بغیره[1]

”قُلُوْبٌ يَّوْمَئِذٍ وَّاجِفَةٌ“ میں واجفة کے معنی کا شعر جاہلی سے استشہاد

قیامت کی ہولناکیاں بیان کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿قُلُوْبٌ يَّوْمَئِذٍ وَّاجِفَةٌ﴾[2] ترجمہ:۔ کتنے دل اس روز (خوف سے) کانپ رہے ہوں گے۔

”واجفة“ کا معنی ہے قیامت کی ہولناکیاں دیکھ کر دل مضطرب اور پریشان ہوں گے۔ جمہور مفسرین نے واجفۃ کا معنی ”خائفة وجلة“ کیا ہے خوف زدہ، ڈرنے والے۔ سدی نے کہا کہ اس کے معنی ہے اپنی جگہوں سے ہٹنے والے۔ مؤرج کے بقول بے چین اور اچھلنے والے۔ مبرد نے ”مضطرب“ معنی کیا ہے۔ دل کے دھڑکنے کیلئے وجف یجف، وجیفا کا لفظ استعمال ہوتا ہے۔ ایجاف کا لفظ تیز چلنے کیلئے بھی بولا جاتا ہے لیکن وجیف کا اصل معنی ”دل کا اضطراب“ ہی ہے“۔[3] قیس بن خطیم نے کہا:

1۔ الافریقی، **لسان العرب**، 2/366

2۔ النازعات: 08

3۔ الشوکانی، **فتح القدیر**، 5/442

ان بنی جحجبی و قومهم　　اکبادنا من ورائهم تجف[1]

ترجمہ:۔ بے شک ہمارے جگر، بنی جحجب اور ان کی قوم کیلئے دھڑکتے ہیں۔

تجزیہ

شعر میں جگر کے بے قرار ہونے کیلئے تجف کا لفظ استعمال کیا گیا ہے۔ یہ ''وَجَفَ'یجِفُ'وَجْفاً'' سے فعل مضارع معروف کا واحد مونث غائب کا صیغہ ہے۔ ہی ضمیر ''اکباد'' کی طرف لوٹ رہی ہے۔ شاعر بنی جحجب کیلئے اپنی قلبی اضطراب کے بیان کیلئے ''تجف'' کا لفظ استعمال کرتا ہے۔ القاموس میں کہا گیا وجف، یجف، وجفا وجیفاً ووجوفاً: اضطرب[2]

''وَالْاَرْضَ بَعْدَ ذٰلِکَ دَحٰهَا'' کے معنی کا شعر جاہلی سے استشہاد

اللہ تعالیٰ نے آسمان کی تخلیق کے تذکرہ کے بعد فرمایا:

﴿وَالْاَرْضَ بَعْدَ ذٰلِکَ دَحٰهَا﴾[3]

ترجمہ:۔ اور اس کے بعد زمین کو پھیلا دیا۔

''دحاھا'' کا معنی ہے ''بسطھا''۔ یعنی اس نے زمین کو پھیلا دیا۔ دحوت الشیٔ ادحوہ کا لفظ تب بولا جاتا ہے جب کسی شے کو پھیلا دیا جائے۔ شتر مرغ کے گھونسلے کو بھی ادحی کہا جاتا ہے کیونکہ وہ زمین پر بچھا ہوا ہوتا ہے''[4]۔

زید بن عمرو بن نفیل نے کہا:

واسلمت وجهی لمن اسلمت　　له الارض تحمل صخرا ثقالا

دحاها فلما استوت شدها　　بایدوارسی علیها الجبالا

ترجمہ:۔ اور میں نے اپنے آپ کو اس ذات کا فرمانبردار کر لیا جس کے آگے وہ زمین بھی فرمانبردار ہے جس نے بھاری پتھر اٹھائے ہیں اس (ذات) نے اسے بچھایا۔ جب وہ برابر ہو گئی تو اسے (اپنے) ہاتھوں سے مضبوط کیا اور (پھر) اس پر پہاڑ گاڑ دیئے۔

1۔ امام شوکانی نے دو اشعار کے ایک ایک مصرع کو جمع کر دیا پہلا شعر یوں ہے: **ابلغ بن جحجبی و قومهم　خطمة انا ورائهم انف**۔ جبکہ دوسرا شعر یوں ہے: **انا و لو قدموا الذی علموا　اکبادنا من ورائهم تجف**۔ امام شوکانی نے پہلے شعر کے صدر کو دوسرے کے عجز کے ساتھ جوڑ دیا۔ (قیس بن خطیم، **دیوان قیس بن خطیم**، ص 41-42)

2۔ فیروزآبادی، ابو طاہر محمد بن یعقوب، **القاموس المحیط** (بیروت: مؤسسۃ الرسالۃ، ط، 2005م)، 1/859

3۔ النازعات: 30

4۔ الشوکانی، **فتح القدیر**، 5/447

تجزیہ

دوسرے شعر کا پہلا لفظ محل استشہاد ہے۔ ''دحاھا'' کا معنی ہے اس نے زمین کو بچھا دیا۔ اس معنی پر قرینہ شعر کے اگلے الفاظ ہیں فلما استوت سے مراد زمین کا برابر ہونا ہے یعنی زمین بچھائی گئی اتنی بچھائی گئی کہ اس کی سطح برابر ہو گئی۔ گویا دحا کا معنی زمانہ جاہلیت میں پھیلانا مستعمل ہے۔ تفہیم القرآن میں ترجمہ اسی سے مناسبت کے ساتھ کیا گیا ''اس کے بعد زمین کو اس نے بچھایا''[1]۔

''وَالَّيۡلِ اِذَا عَسۡعَسَ'' کے معنی کا شعر جاہلی سے استشہاد

اللہ تعالیٰ نے رات کی قسم ارشاد فرماتے ہوئے کہا:

﴿وَالَّيۡلِ اِذَا عَسۡعَسَ﴾[2]

ترجمہ:۔ اور رات کی قسم جب وہ رخصت ہونے لگے۔

''عسعس کا لفظ اہل لغت کے ہاں اضداد کے قبیلہ سے ہے جب رات آئے تو کہتے ہیں ''عسعس اللیل'' اور جب رات گزر جائے تو بھی عسعس اللیل کہتے ہیں۔ یہاں رات کا جانا مراد ہے کیونکہ اگلی آیت ''وَالصُّبۡحِ اِذَا تَنَفَّسَ ''[3] رات کے جانے اور صبح کے آنے پر دلالت کرتی ہے۔ فراء نے کہا کہ مفسرین کا اس بات پر اجماع ہے کہ عَسۡعَسَ کا معنی رات کا جانا ہے حسن نے کہا: رات اپنے اندھیرے کے ساتھ آ گئی۔ فراء نے یہ بھی کہا کہ اہل عرب رات کے آنے اور جانے دونوں کے لئے عَسۡعَسَ کا لفظ استعمال کرتے ہیں لیکن یہ قول ما قبل ذکر کردہ قول کے منافی نہیں ہے کیونکہ اگرچہ یہ لفظ آنے اور جانے کے معانی میں مشترک ہے لیکن مفسرین کے ہاں اس کے معنی رات کے جانے کے ہیں۔ مبرد نے کہا: یہ اضداد میں سے ہے دونوں معانی کا اشتراک اس صورت میں ہے کہ جب اندھیرے کا آغاز ہو یا اندھیرے کا اختتام ہو۔ اس صورت کے لئے عَسۡعَسَ کا لفظ مستعمل ہوتا ہے ''[4]۔

امام شوکانی نے عَسۡعَسَ کے معنی کی تائید کیلئے دو اشعار جاہلیہ کا ذکر کیا دونوں امرؤالقیس کے ہیں:

عسعس حتی لو یشآء ادنا کانا لنا من نارہ مقتبس[5]

1۔ مودودی، **تفہیم القرآن**، 6/244

2۔ التکویر: 17

3۔ التکویر: 18

4۔ الشوکانی، **فتح القدیر**، 5/362-361

5۔ ابن الانباری، **الاضداد**، ص 27۔ امام قرطبی نے بھی اس شعر کا انتساب امرؤالقیس کی طرف کیا لیکن دیوان امرؤالقیس میں یہ شعر مذکور نہیں ہے۔ قرطبی کی تخریج میں اس شعر کو مصنوعی قرار دیا گیا ہے۔ (القرطبی، **الجامع لاحکام القرآن**، 19/239)

ترجمہ:۔ اس نے رات تاخیر کر دی۔ یہاں تک کہ اگر وہ چاہتا تو وہ ہم سے قریب ہوتا اور ہمیں اس کی آگ سے شعلہ حاصل ہوتا۔ دوسرے مقام پر امرؤالقیس نے کہا:

الماعلی الربع القدیم بعسعسا[1]

ترجمہ:۔ تم دونوں عَسعَس کے مقام پر (اس) پرانے محلے کے پاس رکو!۔

تجزیہ

پہلے شعر میں عسعس کا لفظ رات کے اخیر وقت کیلئے بولا گیا۔ اس پر قرینہ یہ ہے کہ شاعر فرد کے قریب ہونے کی حسرت کرتا ہے کہ اگر یہ رات کے وقت ہمارے قریب ہوتا تو ہم اس سے آگ لے لیتے۔ مفہوم مخالف سے یہ بات متعین ہوتی ہے کہ اب رات گزرنے کو ہے اندھیرا چھٹ رہا ہے اب آگ کی ضرورت نہیں ہے رات کے گزرنے کے آخری وقت کیلئے شاعر نے عسعس کا لفظ استعمال کیا۔ اردو مترجمین میں صاحب تبیان القرآن[2] نے اور مولانا مودودی[3] نے رات کے جانے کا ہی معنی کیا۔

دوسرے شعر کے ذکر کردہ مصرع میں کوئی معنوی دلالت موجود نہیں ہے۔ امرؤالقیس نے بعسعسا میں عسعس کا لفظ جگہ کے نام کے طور پر استعمال کیا ہے۔ امام شوکانی نے ماقبل میں ذکر نہیں کیا کہ عسعس کا لفظ جگہ کے نام کے طور پر بھی استعمال ہوتا ہے اگر یہ بات ذکر کرتے تو شعر کا ذکر کرنا مناسب ہوتا۔ عسعس کی مذکورہ بحث سے شعر کا ارتباط نہیں ہے۔

"کِتٰبٌ مَّرْقُوْمٌ" کے معنی کا شعر جاہلی سے استشہاد

بدکاروں کے نامہ اعمال کا مقام اللہ تعالیٰ نے سجین بیان فرمایا اور نیکوکاروں کے اعمال نامہ کا مقام علییون ذکر کیا لیکن دونوں کے متعلق ایک بات مشترکہ طور پر بیان فرمائی:

﴿کِتٰبٌ مَّرْقُوْمٌ﴾[4]

ترجمہ:۔ یہ ایک کتاب ہے لکھی ہوئی۔

کتب مرقوم موصوف صفت ہیں۔ یہاں جملہ بنانے کیلئے امام شوکانی نے ھو ضمیر محذوف مانی ہے ھو ضمیر محذوف مبتدا ہے اور کتاب مرقوم موصوف صفت خبر شمار ہوں گے مرقوم کا معنی مسطور ہے یعنی یہ نامہ اعمال لکھی

1۔ امرء القیس، **دیوان امرؤ القیس**، 1/111۔ امام شوکانی نے صدر البیت ذکر کیا عجز البیت یہ ہے "کانی انادیا او اکلم اخرسا"

2۔ سعیدی **تبیان القرآن**، 12/585۔ "اور رات کی (قسم) جب جانے لگے"

3۔ مودودی، **تفہیم القرآن**، 6/268۔ "اور رات کی (قسم) جب وہ رخصت ہوئی"

4۔ المطففین:09

ہوئی شکل میں تمام سجین اور علیین میں کتابی شکل میں موجود ہیں ضحاک نے کہا کہ مرقوم کا لفظ حمیر قبیلہ کی لغت میں مختوم (سر بمہر) کے معنی میں استعمال ہوتا ہے لیکن رقم کا اصل معنی کتابت ہی ہے[1]۔

رقم کے مذکورہ معنی کی دلیل میں امام شوکانی نے اوس بن حجر کا شعر بغیر انتساب کے ذکر کیا:

سأرقم بالماء القراح الیکم　　　علی بعدکم ان کان للماء راقم[2]

ترجمہ:۔ اگر پانی پر لکھنے والا کوئی ہوا تو تم سے دور ہونے کے بعد میں خالص پانی پر تمہارے لئے (محبت کے جذبات) لکھوں گا۔

تجزیہ

اہل عرب میں ضرب المثل ہے **ھو یرقم الماء**۔ جو شخص ذہانت و فطانت میں حد درجہ پر ہو اس کیلئے یہ لفظ بولا جاتا ہے۔

ھو یرقم الماء: ای قد بلغ من حذقہ انہ یرقم حیث لا یثبت الرقم[3]

یعنی وہ وہاں بھی کتابت کر سکتا ہے جہاں عموماً کتابت نہیں کی جاسکتی۔ شعر میں رقم کا لفظ کتابت کے معنی میں استعمال ہوا ہے۔ **ان کان للماء راقم**۔ اگر پانی پر کوئی لکھنے والا ہوا تو "سارقم" عنقریب میں لکھوں گا۔ علامہ زبیدی نے تاج العروس میں رقم کا معنی کتابت کیا ہے۔

رقم یرقم رقما: کتب[4]

"وَاللّٰہُ اَعۡلَمُ بِمَا یُوۡعُوۡنَ" کے معنی کا شعر جاہلی سے استشہاد

اللہ تعالیٰ نے کفار کے متعلق فرمایا:

﴿وَاللّٰہُ اَعۡلَمُ بِمَا یُوۡعُوۡنَ﴾[5]

ترجمہ:۔ اور اللہ خوب جانتا ہے جو ان کے دلوں میں بھرا ہوا ہے۔

1۔ الشوکانی، **فتح القدیر**، 5/473-472

2۔ اوس بن حجر، **دیوان اوس بن حجر**، ص116۔ دیوان میں "علی بعدکم" کی بجائے "علی نایکم" کے الفاظ ہیں۔

3۔ البکری، ابوعبید عبداللہ بن عبدالعزیز بن محمد البکری الاندلسی (م0487)، **فصل المقال فی شرح کتاب الامثال**، (بیروت، لبنان: موسسۃ الرسالۃ، ط1971،م)، 1/307

4۔ الزبیدی، **تاج العروس**، 16/297

5۔ الانشقاق:23

یوعون سے مراد وہ تکذیب ہے جسے وہ اپنے باطن میں چھپائے ہوئے ہیں۔ مقاتل نے کہا: اس سے مراد وہ افعال ہیں جنہیں وہ چھپائے ہیں۔ ابن زید نے کہا کہ جو وہ اچھے اور برے اعمال جمع کرتے ہیں وہ مراد ہیں۔ یہ لفظ "وعاء" سے مشتق ہے۔ وعاء وہ برتن ہے جو اپنے مافیہ کو جمع کر کے رکھتا ہے[1]۔

امام شوکانی نے اخیر الذکر معنی کی دلیل میں جو شعر ذکر کیا وہ عبید بن ابرص کا ہے اس نے کہا:

الخیر ابقی وان طال الزمان به   والشر اخبث ما اوعیت من زاد[2]

ترجمہ:۔ جو بھی زاد راہ تو جمع کرے (تو یاد رکھ) خیر ہمیشہ باقی رہتی ہے اگرچہ لمبا عرصہ گزر جائے اور شر بہت خبیث شے ہے (اس سے اجتناب کر)۔

تجزیہ

عبید بن ابرص کا یہ شعر اہل عرب کے ہاں اجتناب شر میں ضرب المثل ہے[3]۔ شاعر نے شعر میں خیر اور شر دونوں کا ذکر کیا۔ خیر کے عمل کی حوصلہ افزائی کی اور شر سے اجتناب کرنے کی نصیحت کی۔ دونوں کے ذکر کے بعد "اوعیت" کا لفظ ذکر کیا جو محل استشہاد ہے۔ انسان جو زاد راہ اعمال کی صورت میں جمع کرتا ہے اس کی دو حیثیتیں ہوتی ہیں خیر اور شر۔ دونوں کے جمع کیلئے "اوعیت" کا لفظ استعمال ہوا۔ گویا دور جاہلیت میں یہ لفظ اعمال صالحہ اور اعمال سیئہ کے جمع کیلئے بولا جاتا ہے اس اعتبار سے اس آیت کا ترجمہ مولانا مودودی نے یوں کیا "حالانکہ جو کچھ یہ (اپنے نامہ اعمال میں) جمع کر رہے ہیں اللہ اسے خوب جانتا ہے۔[4]

"وَالسَّمَآءِ وَالطَّارِقِ" کے معنی کا شعر جاہلی سے استشہاد

اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿وَالسَّمَآءِ وَالطَّارِقِ﴾[5]

ترجمہ:۔ قسم ہے آسمان کی اور رات کو نمودار ہونے والے کی۔

1۔ الشوکانی، **فتح القدیر**، 5/485-484

2۔ عبید بن ابرص، عبید بن الابرص بن جشم بن عامر، دیوان عبید بن الابرص، تحقیق: اشرف احمد (بیروت: دار الکتاب العربی، ط، 1414ھ)، ص 56

3۔ **العمدة فی محاسن الشعر و آدابه**" میں یہ شعر عبید بن ابرص کی طرف منسوب ہے۔ (القیروانی، ابو علی الحسن بن رشیق القیروانی الازدی (م: 463ھ)، **العمدة فی محاسن الشعر و آدابه** (بیروت، دار الجیل)، 1/283

4۔ مودودی، **تفہیم القرآن**، 6/291

5۔ الطارق: 01

الطارق سے مراد چمکتا ہوا ستارہ ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے خود اس کی وضاحت فرمائی ہے۔ طارق سے مراد ستارے ہیں جو رات کو چلتے ہیں اور دن کے وقت چھپ جاتے ہیں۔ فراء نے کہا کہ طارق ستارے کو کہتے ہیں کیونکہ وہ رات کو طلوع ہوتا ہے جو شخص تیرے پاس رات کو (مہمان) آئے اسے بھی طارق کہتے ہیں[1]۔

امام شوکانی نے رات کو آنے والے کے طارق کہنے کی تائید میں دو اشعار جاہلیہ ذکر کئے دونوں اشعار امرؤالقیس کے ہیں: **ومثلک حبلی قدطرقت ومرضع فألهيتها عن ذی تمائم محول**[2]

ترجمہ:۔ تجھ جیسی بہت سے حاملہ اور دودھ پلانے والی عورتیں ہیں جن کے پاس میں رات کے وقت گیا اور انہیں تعویذ والے ایک سالہ بچے سے غافل کر دیا۔

الم تریانی کلما جئت طارقا وجدت بها طیبا وان لم تطیب[3]

ترجمہ:۔ کیا تم دونوں دیکھتے نہیں کہ جب بھی میں رات کو آتا ہوں میں اس (محبوبہ) میں خوشبو پاتا ہوں اگرچہ اس نے خوشبو نہ لگائی ہو۔

تجزیہ

پہلا شعر امرؤالقیس کے معلقہ کا ہے۔ شاعر اپنی محبوبہ کو غرور حسن سے باز رہنے کی تاکید کرتے ہوئے کہتا ہے کہ میں تو حاملہ اور دودھ پلانے والی عورتیں، جو جماع سے متنفر ہوتی ہیں کے پاس بھی رات کو پہنچ گیا اور انہیں ایک سالہ بچے تک سے غافل کر دیا۔ شعر میں "طرقت" کا لفظ محل استدلال ہے۔ شاعر رات کے وقت خفیہ طور پر عورتوں کے پاس جانے کیلئے یہ لفظ استعمال کرتا ہے۔

دوسرے شعر میں شاعر اپنے دو دوستوں کو مخاطب کر کے رات کے وقت محبوبہ سے ملاقات کر کے واپس آنے کا تذکرہ کرتا ہے۔ واپسی کیلئے "جئت طارقاً" کے الفاظ استعمال کئے۔ گویا رات کے وقت چلنے کیلئے طارق کا لفظ زمانہ جاہلیت میں رائج تھا۔ تفسیر ضیاء القرآن میں ترجمہ "رات کو نمودار ہونے والا" کیا گیا ہے۔[4]

"التَرآئِبِ" کے معنی کا شعر جاہلی سے استشہاد

اللہ تعالیٰ نے انسان کے مادہ تخلیق یعنی مادہ منویہ کے مقام خروج کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا:

﴿ يَخۡرُجُ مِنۢ بَيۡنِ ٱلصُّلۡبِ وَٱلتَّرَآئِبِ ﴾[5]

1۔ الشوکانی، **فتح القدیر**، 5/396

2۔ امرء القیس، **دیوان امرؤ القیس**، 1/30

3۔ امرء القیس، **دیوان امرؤ القیس**، 1/74

4۔ الازہری، محمد کرم شاہ، **ضیاء القرآن**، 5/535

5۔ الطارق:07

ترجمہ:۔ جو (مردوزن کی) پیٹھ اور سینے کی ہڈیوں کے درمیان سے نکلتا ہے۔

ترائب کے متعلق ایک قول یہ ہے کہ یہ دو پستانوں کے درمیان کی جگہ ہے۔ ضحاک کہتے ہیں کہ ترائب، عورت کے دونوں ہاتھ، پاؤں اور آنکھیں ہیں۔ سعید بن جبیر نے کہا: وہ گلا ہے۔ مجاہد کہتے ہیں: وہ دونوں کندھوں اور سینے کے درمیان کی جگہ ہے۔ انہی سے ایک قول یہ بھی مروی ہے کہ وہ سینہ ہے۔ مجاہد سے ایک قول ہنسلی کی ہڈی کا بھی مروی ہے۔ زجاج سے مروی ہے کہ یہ دل کا نچوڑ ہے جس سے بچہ کی پیدائش ہوتی ہے۔ لغت میں مشہور ہے کہ ترائب، سینے اور گلے کی ہڈیاں ہیں۔ صحاح میں ہے کہ تریبۃ، ترائب کا واحد ہے اور یہ سینے کی ہڈیاں ہیں [1]۔

ترائب کا موخر الذکر معنی مثقب العبدی نے یوں بیان کیا:

ومن ذهب يلوح على تريب　　　كلون العاج ليس بذى غصون [2]

ترجمہ:۔ اور سونے سے (آراستہ ہیں) جو سینے پر چمکتا ہے ہاتھی دانت کے رنگ کی طرح ہے اس پر سلوٹیں نہیں ہیں۔

امرؤالقیس نے کہا: **ترائبها مصقولة كالسجنجل** [3]

ترجمہ:۔ اس (محبوبہ کے سینے کی ہڈیاں شیشے کی طرح صاف ہیں۔

تجزیہ

پہلے شعر میں مثقب العبدی اپنی محبوبہ کے زیور سے آراستہ ہونے کی حالت پر اس کی تعریف کرتا ہے۔ سونے کے ہار کے سینے پر چمکنے کا ذکر کرتے ہوئے سینے کیلئے تریب کا لفظ استعمال کرتا ہے اسی تریب کے لفظ کی جمع ترائب ہے جو آیت میں مذکور ہے۔

تریب کے لفظ کی جمع امام شوکانی نے امرؤالقیس کے شعر کے حوالے سے بیان کی۔ "**ترائبها مصقولة كالسجنجل**" اس مصرع میں امرؤالقیس اپنی محبوبہ کے جسم کی تعریف کرتے ہوئے سینے کی ہڈیوں کے شیشے کی طرح صاف ہونے کا ذکر کرتا ہے۔ سینے کی ہڈیوں کیلئے ترائب کا لفظ استعمال کرتا ہے یہ تریب کی جمع ہے۔ ابن بشار الانباری نے شرح القصائد السبع میں ترائبها کی تشریح کرتے ہوئے کہا: "**وهو موضع القلادة من الصدر**" [4]

"غُثَآءً" کے معنی کا شعر جاہلی سے استشہاد

اللہ تعالیٰ نے اپنی صفات بیان کرتے ہوئے فرمایا:

1۔ الشوکانی، **فتح القدیر**، 5/498

2۔ المثقب العبدی، عائذ بن محصن بن ثعلبہ، **دیوان شعر المثقب العبدی**، تحقیق: حسن کامل الصیرفی (ط، 1391ھ)، ص 192

3۔ امرؤالقیس، **دیوان امرؤ القیس**، 1/40۔ یہ شعر کا دوسرا مصرع ہے پہلا مصرع یہ ہے: **مهفهفة بيضاء غير مفاضة**

4۔ الانباری، ابو بکر محمد بن قاسم بن بشار الانباری، **شرح القصائد السبع الطوال الجاهليات** (مصر: دار المعارف)، 1/59

﴿وَ الَّذِیۡۤ اَخۡرَجَ الۡمَرۡعٰی۔ فَجَعَلَهٗ غُثَآءً اَحۡوٰی﴾[1]

ترجمہ:۔ اور جس نے زمین سے چارا نکالا پھر اسے بنا دیا کوڑا، سیاہی مائل۔

''اخرج المرعی'' رب کی ایک اور صفت ہے یعنی اس نے گھاس اگائی جس میں سے سبز چارہ جانور چرتے ہیں پھر اس سبزے کو ''غثاء'' کیا۔ یعنی خشک کوڑا کرکٹ بنایا جو سیلاب کے پانی کے اوپر بہتا ہے۔ قتادہ نے کہا کہ غثاء خشک چیز ہے جب سبزی اور گھاس ٹوٹ جائے اور خشک ہو جائے تو اسے غثاء اور ہشیم کہا جاتا ہے[2]۔

غثاء کا مذکورہ معنی کا استشہاد امام شوکانی نے امرؤالقیس کے معلقہ کے اس شعر سے کیا ہے:

کان ذری راس المجیمر غدوۃً　　　من السیل و الغثاء فلکۃ مغزل[3]

ترجمہ:۔ صبح کے وقت مجیمر پہاڑ کی چوٹیاں، سیلاب اور خس وخاشاک کی وجہ سے سوت کاتنے والے چرخے کی پھرکی کی طرح دکھائی دیتی تھی۔

تجزیہ

شعر میں الغثاء کا لفظ محل استدلال ہے۔ شاعر سیلاب کے وقت مجیمر پہاڑ کی منظر کشی کرتا ہے۔ سیلاب اور اس میں بہتے خس وخاشاک کی وجہ سے پہاڑ کی چوٹیاں، چرخے کی پھرکی کی طرح دکھائی دیتی ہیں۔ سیلاب کے اوپر بہتے ہوئے تنکوں کیلئے شاعر نے الغثاء کا لفظ استعمال کیا ہے۔ غثاء کے مذکورہ معنی کے تناظر میں تفسیر عثمانی میں آیت کا ترجمہ یوں کیا گیا ''پھر کر ڈالا اس کو کوڑا سیاہ''[4]

"اِیَابَهُمۡ" کے معنی کا شعر جاہلی سے استشہاد

اللہ تعالیٰ نے کفار کے متعلق فرمایا:

﴿اِنَّ اِلَیۡنَاۤ اِیَابَهُمۡ۔ ثُمَّ اِنَّ عَلَیۡنَا حِسَابَهُمۡ﴾[5]

ترجمہ:۔ بے شک انہیں (آخر) ہمارے پاس ہی لوٹ کر آنا ہے پھر یقیناً ہمارے ہی ذمہ ان کا حساب لینا ہے۔

1۔ الاعلیٰ: 5-4

2۔ الشوکانی، **فتح القدیر**، 503/5

3۔ امرء القیس، **دیوان امرؤ القیس**، 67/1

4۔ عثمانی، شبیر احمد، **تفسیر عثمانی**، 868/3

5۔ الغاشیہ: 26-25

ایابهم سے مراد ان کا موت کے بعد لوٹ کر آنا ہے جب کوئی لوٹ کر آئے تو اس کے آب، یئوب کا لفظ استعمال کیا جاتا ہے[1]۔

اس لفظ کا استعمال عبید بن ابرص نے اپنے شعر میں یوں کیا:

و کل ذی غیبة یئوب　　　　وغائب الموت لا یئوب[2]

ترجمہ:۔ ہر غائب ہونے والے لوٹ آتا ہے لیکن موت کی وجہ سے غائب ہونے والا کبھی لوٹتا نہیں ہے۔

تجزیہ

عبید نے صدر البیت اور عجز البیت دونوں کے آخر میں یئوب کا لفظ استعمال کیا۔ یہ فعل مضارع معروف کا صیغہ ہے آب، یئوب، ایاباً کا معنی لوٹنا کیا ہے یعنی ہر غائب لوٹ آتا ہے لیکن موت کے بعد جو غائب ہو وہ لوٹ کر نہیں آتا۔ لسان العرب میں ابن منظور لکھتے ہیں: آب الی الشئی: رجع۔ یؤوب، اوباً و ایاباً و اوبةً و ایبةً[3]

گویا لغوی طور پر ایاب کا معنی رجع ہی ہے اور جاہلی شاعری میں بھی اس معنی میں مستعمل ہوا۔

"الْعِمَادِ" کے معنی کا شعر جاہلی سے استشہاد

اللہ تعالیٰ نے قوم عاد کے متعلق فرمایا:

﴿اَلَمْ تَرَ كَيْفَ فَعَلَ رَبُّكَ بِعَادٍ۔ اِرَمَ ذَاتِ الْعِمَادِ﴾[4]

ترجمہ:۔ کیا آپ نے ملاحظہ نہ کیا کہ آپ کے رب نے کیا کیا عاد ارم کے ساتھ جو اونچے ستونوں والے تھے۔

ذات العماد کا معنی ہے قوت اور طاقت والے۔ یہ لفظ ''قوۃ الاعمدۃ'' سے ماخوذ ہے یعنی ستونوں جیسی قوت کا حامل۔ قتادہ اور مجاہد نے کہا: وہ بہار کے موسم میں گھاس اکٹھی کرنے کے ارادے سے چلتے رہتے تھے جب گھاس خشک ہو جاتی تو واپس آجاتے تھے۔ مقاتل نے کہا: ذات العماد سے مراد ان کے قد کی طوالت ہے۔ جس شخص کا قد لمبا ہو اسے ''رجل طویل العماد'' کہا جاتا ہے۔ مجاہد اور قتادہ نے یہ بھی کہا کہ یہ اپنی قوم کے سردار تھے۔ اس لئے انہیں ذات العماد کہا گیا۔ قوم کے سردار کو عمید القوم بھی کہا جاتا ہے۔ ابن زید نے کہا ذات العماد سے مراد ستونوں

1۔ الشوکانی، **فتح القدیر**، 5/512

2۔ عبید بن ابرص، **دیوان عبید بن ابرص**، ص22

3۔ الافریقی، **لسان العرب**، 1/217

4۔ الفجر: 7-6

کے ساتھ عمارت مضبوط کرنا ہے۔ صحاح میں کہا گیا: بلند و بالا عمارتوں کو عماد کہا جاتا ہے یہ مذکر اور مونث دونوں طرح مستعمل ہے[1]۔

عماد کا معنی "ابنیۃ رفیعۃ" (بلند و بالا عمارتیں) عمرو بن کلثوم نے اپنے معلقہ کے شعر میں یوں ذکر کیا:

ونحن اذا عماد الحی خرت علی الاخفاض نمنع من یلینا[2]

ترجمہ:۔ ہم وہ لوگ ہیں کہ جب بستی کی بلند عمارتیں، سامان پر گر پڑیں تو ہم اپنے پڑوسیوں کی حفاظت کو موجود ہوتے ہیں۔

تجزیہ

اس شعر میں شاعر اپنی اور اپنے قبیلے کی بہادری اور وسعت ظرفی کا تذکرہ کرتا ہے کہتا ہے کہ اگر بڑی عمارتیں ہمارے دشمنوں پر آگریں تو ہم بڑھ کر ان کی مدد کو پہنچ جاتے ہیں۔ عمرو بن کلثوم نے بستی کی عمارتوں کیلئے عماد کا لفظ استعمال کیا۔ یہی امام شوکانی کے نزدیک محل استدلال ہے۔ لسان العرب میں العماد کا معنی بلند عمارت کیا گیا ہے **العماد: الابنیۃ الرفعیۃ**[3]

"سَوْطَ عَذَابٍ" کے معنی کا شعر جاہلی سے استشہاد

فرعونیوں پر اللہ تعالیٰ کے عذاب کے نزول کا تذکرہ یوں ہوا:

﴿فَصَبَّ عَلَيْهِمْ رَبُّكَ سَوْطَ عَذَابٍ﴾[4] ترجمہ:۔ پس آپ کے رب نے ان پر عذاب کا کوڑا برسایا۔

سوط عذاب سے مراد عذاب کا حصہ ہے۔ اہل عرب میں عذاب کی انتہا، بیان کرنے کیلئے سوط کا لفظ بولا جاتا تھا۔ لہٰذا آیت میں سوط کا لفظ عذاب کی شدت بیان کرنے کیلئے ذکر کیا گیا ہے۔ فراء نے کہا کہ اہل عرب ہر طرح کے عذاب کیلئے یہ کلمہ بولتے ہیں۔ سوط کے لفظ کی اصل یہ ہے کہ یہ ان عربوں کا عذاب ہے جس کے ساتھ وہ عذاب دیتے تھے پھر جب بھی کسی عذاب کی انتہا بیان کرنی ہوتی تو یہی لفظ بولتے تھے۔ ایک قول یہ بھی ہے کہ گوشت

1۔ الشوکانی، **فتح القدیر**، 516/5

2۔ عمرو بن کلثوم، **دیوان عمرو بن کلثوم**، ص75۔ دیوان میں شعر کے دوسرے مصرع میں "علیٰ" کی جگہ "عن" حرف جار مذکور ہے۔

3۔ الافریقی، **لسان العرب**، 303/3

4۔ الفجر: 13

اور خون کے ملنے کیلئے سوط کا لفظ استعمال ہوتا ہے جب کسی شے کا کچھ حصہ دوسرے حصے سے مل جائے تو اہل عرب کہتے ہیں ساطہ، یسوطہ، سوطاً[1]۔ متلمس الضبعی نے کہا:

أحدث انا لو تساط دماؤ نا تزیلن حتی لا یمس دم دما[2]

ترجمہ:۔ اے حارث! اگر ہمارے خون (ہمارے دشمنوں سے) ملائے جائیں تو وہ جدا ہوں گے حتی کہ ایک خون، دوسرے خون کو نہ چھوئے گا۔

تجزیہ

شعر میں "تساط" کا لفظ محل استشہاد ہے یہ سوط مصدر سے مضارع مجہول کا صیغہ ہے۔ "دماؤنا" اس کا نائب الفاعل ہے بقول اصمعی کے متلمس نے یہ قصیدہ اپنے ماموں حارث بن التوءم الیشکری کے عتاب میں لکھا ہے[3]۔ شعر میں متلمس اپنے ماموں حارث کو مخاطب کر کے کہتا ہے کہ اگر ہمارے خون ہمارے دشمنوں کے خون کے ساتھ ملائے جائیں تو ہمارے خون ان سے جدا ہی رہیں گے۔ عربوں میں خون ملانے کا ذکر درجہ عداوت کی انتہا بیان کرنے کیلئے کیا جاتا ہے جیسا کہ خزانۃ الادب میں بیان کیا گیا:

تساط بالسین المهملة یعنی تخلط۔ و منه قول العامة: لو خلط دمی بدمه لما اختلط ای لبیانه من شدة العداوة[4]

متلمس خون کے ملائے جانے کیلئے تساط کا لفظ استعمال کرتا ہے جس کا مصدر سوط ہی ہے لیکن آیت میں یہ لفظ اس معنی میں استعمال نہیں ہوا ہے۔ آیت میں عذاب کا کوڑا برسائے جانے کا ذکر ہے اردو مترجمین نے یہی ترجمہ کیا۔[5]

"لَمًّا" کے معنی کا شعر جاہلی سے استشہاد

انسانوں میں سے بعض حرام خوروں کی ایک صفت اللہ نے یوں بیان فرمائی:

﴿وَتَاْكُلُوْنَ التُّرَاثَ اَكْلًا لَّمًّا﴾[6]

1۔ الشوکانی، **فتح القدیر**، 5/518

2۔ متلمس، **دیوان المتلمس الضبعی**، ص16 "دیوان میں "تساط" کی جگہ "تشاط" کا لفظ ہے۔

3۔ الاصمعی، ابو سعید عبد الملک بن قریب بن علی بن اصمع (م:216ھ) **الاصمعیات**، 1(مصر: دار المعارف، طبعہ سابعہ 1993م)، 1/245

4۔ عبد القادر بن عمر البغدادی، (م:1093ھ) **خزانة الادب**، (بیروت: دار الکتب العلمیہ، ط، 1998م)، 7/459

5۔ الازہری، **ضیاء القرآن**، 5/557

6۔ الفجر:19

ترجمہ:۔ اور چٹ کر جاتے ہو میراث کا سارا مال

اکلا لما یعنی بہت زیادہ کھانا۔ ایک قول یہ ہے کہ لماً کا مطلب ہے جمیعاً۔ یعنی میراث کا مال سارے کا سارا کھا جاتے ہو۔ جب کوئی شخص سارا کھانا کھا جائے تو کہا جاتا ہے **لممت الطعام**۔ حسن کہتے ہیں: وہ اپنا اور یتیم کا حصہ کھا جاتا ہے۔ ابو عبیدہ نے کہا: کلام عرب میں اللم کا معنی ہے جمع کرنا۔ لممت الشئی المہ لما کے لفظ تب بولے جاتے ہیں جب تو کسی چیز کو جمع کر لے اسی طرح عربوں میں "**لم اللہ شعثہ**" کا جملہ تب بولا جاتا ہے جب اللہ کسی کے بکھرے ہوئے کاموں کو اکٹھا فرمادے"[1]۔

نابغہ الذبیانی نے کہا:

ولست بمستبق اخا لا تلمه   علی شعث ای الرجال المهذب[2]

ترجمہ:۔ تیرے پاس کوئی بھی بھائی باقی نہیں رہے گا اگر تو غلطی کے باوجود انہیں اپنے ساتھ ملا کر نہیں رکھے گا۔ کون سے مرد ہیں جو عیوب سے پاک ہیں؟

تجزیہ

نابغہ الذبیانی نے یہ شعر نعمان بن منذر کی مدح اور اس سے عذر خواہی کرتے ہوئے قصیدہ لکھنے کے دوران کہا۔ نابغہ عرصہ دراز تک نعمان کا مصاحب رہا پھر حاسدین نے بادشاہ کو نابغہ کے خلاف بھڑکایا تو نابغہ اپنی جان بچانے کیلئے غسانیوں کے پاس چلا گیا۔ غسانی، نعمان کے دشمن تھے۔ کافی عرصہ گزرنے کے بعد جب نابغہ کو نعمان کی طبیعت کی خرابی کا علم ہوا تو اس نے نعمان کی مدح میں لکھا گیا اور اس سے معذرت کی اسی کا ایک شعر امام شوکانی کا یہاں مستدل ہے۔ نابغہ، نعمان بن منذر سے کہتا ہے کہ غلطی کرنا انسان کی سرشت میں داخل ہے۔ اگر ہر غلطی پر تو لوگوں پر عتاب کرنے لگے گا تو کوئی بھی تیرے پاس باقی نہیں رہے گا۔ شعر میں لاتلمہ کا لفظ محل بحث ہے۔ مراد یہ ہے کہ غلطیوں کے باوجود تو مرد کو جمع کر کے رکھے گا۔ اسے اپنے ساتھ ملا کر رکھے گا۔ تلم کا لفظ تجمع کے معنی میں مستعمل ہوا ہے۔ آیت میں یہ لفظ اسی معنی میں استعمال ہوا۔ اکلا لماً یعنی سارا مال۔ صاحب تبیان القرآن نے ترجمہ کیا "اور تم وراثت کا پورا مال سمیٹ کر کھا جاتے ہو"[3] یہاں لماً جمع کے معنی میں استعمال ہوا۔

"فِیْ کَبَدٍ" کے معنی کا شعر جاہلی سے استشہاد

اللہ تعالیٰ نے تین قسمیں ارشاد فرما کر کہا:

1۔ الشوکانی، **فتح القدیر**، 5/522-521

2۔ نابغہ الذبیانی، **دیوان نابغہ الذبیانی**، ص74

3۔ سعیدی، **تبیان القرآن**، 12/719

﴿لَقَدْ خَلَقْنَا الْإِنسَانَ فِي كَبَدٍ﴾[1]

ترجمہ:۔بے شک ہم نے انسان کو بڑی مشقت میں (زندگی بسر کرنے کیلئے) پیدا کیا ہے۔

کبد کا معنی شدت اور مشقت ہے جب کوئی شخص کسی کام کی شدت محسوس کرے تو کہا جاتا ہے **کابدت الامر**۔انسان ہمیشہ دنیا کی مشقتوں اور سختیوں کا سامنا کرتا رہتا ہے یہاں تک کہ موت کی آغوش میں چلا جاتا ہے کبد کا اصل معنی شدت ہے اسی سے لفظ بنا ہے تکبد اللبن جب دودھ جم جائے اور سخت ہو جائے کبد الرجل کا لفظ تب بولتے ہیں جب آدمی کے جگر میں درد ہو پھر یہ لفظ ہر شدت اور مشقت کیلئے استعمال ہونے لگا"[2]۔ذوالاصبع العدوانی کا شعر اسی معنی میں مستعمل ہوا:

لی ابن عم لو ان الناس فی کبد　　لظل محتجر ابالنبل یرمینی

ترجمہ:۔میرا ایک چچازاد ہے جب لوگ مشقت میں ہوتے ہیں تو وہ تیروں سے مسلح ہو کر مجھے مارنے لگتا ہے۔

تجزیہ

شعر میں فی کبد کے الفاظ محل استدلال ہیں۔شاعر لوگوں کے مشقت میں ہونے کا تذکرہ ان الفاظ میں کرتا ہے۔امام شوکانی نے اسی شعر سے کبد کے مشقت کے معنی کا استشہاد کیا۔بیان القرآن میں ترجمہ اسی کے موافق کیا گیا "ہم نے انسان کو بڑی مشقت میں پیدا کیا ہے"۔[3]

"النَّجْدَيْنِ" کے معنی کا شعر جاہلی سے استشہاد

انسان کیلئے خیر و شر کے دو راستوں کو بیان کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿وَهَدَيْنَاهُ النَّجْدَيْنِ﴾[4]

ترجمہ:۔اور ہم نے دکھادیں اسے دونوں نمایاں راہیں۔

اونچائی پر بنے راستے کو نجد کہتے ہیں۔مفسرین نے یہ معنی بیان کیا کہ ہم نے اس کیلئے خیر اور شر کا راستہ واضح کر دیا۔زجاج نے کہا کہ اس کا معنی یہ ہے کہ کیا ہم نے اسے خیر اور شر کے دو راستوں کی پہچان نہیں کروائی جیسے بلندی پر راستے واضح ہوتے ہیں۔عکرمہ، سعید بن مسیب اور ضحاک کے بقول نجدین سے مراد دو پستان ہیں کیونکہ وہ بچے کی

1۔البلد:04

2۔الشوکانی، **فتح القدیر**، 5/526

3۔تھانوی، **بیان القرآن**، 3/652

4۔البلد:10

حیات اور رزق کے لئے دو راستوں کی طرح ہیں۔ پہلا معنی زیادہ مناسب ہے نجد کا اصل معنی بلند جگہ ہے اس کی جمع نجود ہے اسی بنا پر نجد کے علاقے کو نجد کہا جاتا ہے کیونکہ وہ تہامہ کی پست جگہ کے مقابلے میں بلند ہے۔[1]

امرؤالقیس نے کہا: **فریقان منهم جازع بطن نخلة وآخر منهم قاطع نجد کبکب**[2]

ترجمہ:۔ وہ دو گروہوں میں بٹ گئے ایک بطن نخلۃ کو طے کرنے والا ہے اور دوسرا نجد کبکب کو۔

تجزیہ

شعر میں شاعر نے قوم کے دو گروہوں میں بٹ جانے کا تذکرہ کیا۔ ایک زیریں علاقے اور دوسرا بالائی علاقے کا مسافر ہوا۔ تاریخ الادب الجاہلی میں شعر کی تشریح کرتے ہوئے کہا گیا:

تفرق القوم فرقتين، فمنهم من اخذ۔ سفلاً و منهم من اخذ علواً[3]

شعر میں صنعت تضاد کا استعمال کرتے ہوئے بطن نخلہ کے مقابلے میں نجد کبکب کا لفظ استعمال کیا۔ بطن سے زیریں علاقہ مراد ہے اور نجد سے بالائی علاقہ۔ گویا جاہلی عرب شاعری میں نجد کا لفظ بلند مقام کیلئے استعمال ہوتا تھا۔ یہ نجد کا لغوی معنی ہے آیت میں لغوی معنی مراد نہیں ہے۔ آیت میں خیر و شر کے دو راستوں کیلئے نجدین کا لفظ استعمال ہوا۔

"وَمَا قَلٰی" کے معنی کا شعر جاہلی سے استشہاد

ایک مرتبہ حضرت جبرائیل علیہ السلام کے وحی لانے میں کچھ وقت گزر گیا تو مشرکین مکہ نے کہا کہ محمد ﷺ کو ان کے رب نے چھوڑ دیا ہے[4]۔ اس پر اللہ تعالیٰ نے سورۃ والضحیٰ کی ابتدائی دو آیات میں دو قسمیں ارشاد فرما کر بتایا:

﴿مَا وَدَّعَکَ رَبُّکَ وَمَا قَلٰی﴾[5] ترجمہ:۔ نہ آپ کے رب نے آپ کو چھوڑا اور نہ ہی وہ ناراض ہوا۔

القلی کا معنی بغض ہے۔ جب کوئی کسی سے بغض کرنے لگ جائے تو قلاہ، یقلیہ، قلاء کے الفاظ بولے جاتے ہیں۔ زجاج نے اس کا معنی ابغضک کیا ہے۔ آیت میں قلی کا لفظ استعمال ہوا۔ قلاک نہیں کہا گیا اس کی وجہ آیت کے سروں کی برابری ہے[6]۔ امرؤالقیس نے یہ لفظ اپنے شعر میں یوں بیان کیا: **ولست بمقلی الخلال و لا قالی**[7]

ترجمہ:۔ میں نہ تو دوستی کے دوران نفرت کیا گیا ہوں اور نہ بغض رکھتا ہوں۔

1۔ الشوکانی، **فتح القدیر**، 5/527

2۔ امرءالقیس، **دیوان امرؤالقیس**، 1/74

3۔ علی الجندی، **فی تاریخ الادب الجاھلی**، (مکتبہ دارالتراث، طبعہ اول 1412ھ)، 1/51

4۔ ابن کثیر، محمد بن اسماعیل، **تفسیر القرآن العظیم**، 8/423

5۔ الضحیٰ: 3

6۔ الشوکانی، **فتح القدیر**، 5/544

7۔ یہ شعر کا دوسرا مصرع ہے پہلا مصرع یوں ہے: صرفت الھوی عنھن من خشیۃ الردی۔ **دیوان امرؤالقیس**، 1/138

تجزیہ

امرؤالقیس کہتا ہے کہ میں نے عورتوں سے محبت کرنا محض رسوائی کے ڈر سے چھوڑ دی ہے ایسا نہیں ہے کہ میں ان سے نفرت کرتا ہوں یا مجھ سے عورتیں نفرت کرتی ہیں۔ عجز البیت میں امرؤالقیس نے دو لفظ ایک ہی مادہ مجرد کے بیان کئے۔ ایک اسم مفعول ہے اور دوسرا اسم فاعل مقلی اسم مفعول ہے جبکہ ''قال'' اسم فاعل ہے۔ دونوں کا مادہ مجرد ''قلاء'' ہے جس کا معنی بغض ہے۔ مقلی الخلال کا معنی ہے دوستی کے دوران بغض رکھا گیا یعنی عورتوں کی طرف سے بغض کا پایا جانا جبکہ قالی سے مراد امرؤالقیس کی طرف سے بغض رکھنا، آخر میں یاء ضرورت شعری کیلئے لائی گئی کیونکہ اس قصیدہ کا وزن یہی ہے۔ لسان العرب میں ہے:

قلیته' قلیً و قلاء و مقلیة ابغضته و کرھته غایة الکراھة فترکته[1]

"عَآئلًا" کے معنیٰ کا شعر جاہلی سے استشہاد

اللہ تعالیٰ نے نبی ﷺ کو مخاطب کرکے فرمایا:

﴿وَوَجَدَکَ عَآئلًا فَاَغْنٰی﴾[2] ترجمہ:۔ اس نے آپ کو حاجت مند پایا تو غنی کر دیا۔

یعنی آپ کو فقیر پایا آپ کے پاس مال نہیں تھا تو آپ کو غنی کر دیا جب کوئی آدمی محتاج ہو جائے تو کہا جاتا ہے **عال الرجل' یعیل' عیلة**[3]۔ احیحہ بن جلاح نے اپنے شعر میں اس لفظ کو اسی معنی میں یوں بیان کیا:

فمایدری الفقیر متی غناہ   و مایدری الغنی متی یعیل[4]

ترجمہ:۔ فقیر نہیں جانتا کہ اس کا وقت غنا کب ہے اور دولت مند کو نہیں معلوم کہ کب فقیر ہو جائے؟

تجزیہ

احیحہ کا یہ شعر صنعت تضاد کا شعر ہے پہلے مصرع میں فقیر کے لفظ کے مقابلے میں دوسرے مصرع میں غنی کا لفظ ہے جبکہ پہلے مصرع کے غناہ کے لفظ کے مقابل یعیل کا لفظ مذکور ہے۔ یعیل کا لفظ محل استشہاد ہے۔ غنا کے مقابلے میں یعیل کا لفظ فقر کا معنی دیتا ہے جمہرۃ اللغۃ میں ہے:

و العیلة الفقر عال یعیل عیلة' اذا افتقر[5]

1۔ الافریقی، **لسان العرب**، 15/198

2۔ الضحیٰ:08

3۔ الشوکانی، **فتح القدیر**، 5/546

4۔ احیحہ بن جلاح، **دیوان احیحہ بن الجلاح**، ص120

5۔ ابن درید، ابو بکر محمد بن الحسن بن درید الازدی (م:321ھ) دار العلم۔ بیروت، طبعہ اولیٰ 1987م، 2/952

"بِالدِّینِ" کے معنی کا شعر جاہلی سے استشہاد

اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿فَمَا یُکَذِّبُکَ بَعْدُ بِالدِّینِ﴾[1]

ترجمہ:۔ پس کون جھٹلا سکتا ہے آپ کو اس کے بعد جزا و سزا کے معاملہ میں۔

یہاں خطاب کافر کو ہے۔ استفہام ڈانٹ، ڈپٹ اور الزام حجت کیلئے ہے۔ معنی یہ ہے کہ اے انسان! جب تو جانتا ہے کہ تجھے تیرے خالق نے احسن تقویم میں پیدا کیا ہے پھر تو اسفل سافلین میں لوٹایا جائے گا تو کس چیز نے تجھے ابھارا ہے کہ تو اٹھائے جانے اور جزا کی تکذیب کرے۔ ایک قول یہ ہے کہ یہاں مخاطب نبی ﷺ ہیں۔ یعنی اے محمد ﷺ ان دلائل ناطقہ کے ہوتے ہوئے کون سی چیز آپ کی تکذیب کا باعث بن سکتی ہے؟ پس آپ، رب کی طرف سے نازل کردہ وحی پر یقین رکھیں جو احکم الحاکمین ہے۔ فراء اور اخفش نے کہا: اے نبی! اس واضح بیان کے آ جانے کے بعد کون سی چیز آپ کی تکذیب کر سکتی ہے۔ یعنی کون اس پر قادر ہے کہ ثواب و عقاب میں آپ کی تکذیب کرے اس کے بعد کہ ہماری قدرت کے دلائل انسان کی پیدائش پر ظاہر ہوگئے۔ ابن جریر نے اسی قول کو اختیار کیا۔ الدین کا معنی جزا ہے[2]۔ الدین کا یہ معنی فند الزمانی نے اپنے شعر میں یوں بیان کیا:

فلما صرح الشر　　　فامسی وهو عریان

ولم یبق سوی العدوان　　دناهم کما دانوا[3]

ترجمہ:۔ جب جنگ واضح اور ننگی ہو کر سامنے آگئی اور دشمنی (کا جواب دینے) کے سوا کوئی چارہ نہ رہا تو ہم نے انہیں ویسا ہی بدلہ دیا جیسے انہیں نے کیا تھا۔

تجزیہ

یہ اشعار فند الزمانی نے حرب بسوس[4] کے دوران لکھے۔ جنگ بسوس میں بنو بکر نے بنو حنیفہ سے مدد طلب کی اور بنو حنیفہ نے ان کی مدد کی۔ اس تناظر میں فند الزمانی نے یہ اشعار کہے۔ دیوان حماسہ کی شرح میں امام تبریزی نے لکھا:

1۔ التین:07

2۔ الشوکانی، **فتح القدیر**، 5/555

3۔ الفند الزمانی، شهل بن شعبان ربیعہ، **دیوان الفند الزمانی**، تحقیق: حاتم صالح (مجلہ المجمع العلمی العراقی، ربیع الاول، 1407ھ)، ص 25

4۔ جنگ بسوس دور جاہلی کی تاریخی جنگوں میں سے ایک جنگ تھی جو بنو بکر اور بنو تغلب کے درمیان چالیس سال تک جاری رہی۔ بسوس ایک عورت کا نام ہے جو جساس بن مرہ کی خالہ تھی اس کی سراب نامی اونٹنی کلیب بن دائل کی چراگاہ میں چلی گئی اور اس نے پرندوں کے انڈوں کو توڑ دیا۔ اس پر کلیب نے

وهذه الابیات من قصیدة قالھا فی حرب البسوس التی کانت بینھما۔ وذلک ان بکر بن وائل بعثوا الی بنی حنیفة فی حرب البسوس یستنصرونھم فامدوھم به[1]

شعر میں دناھم کما دانوا کے الفاظ محل استدلال ہیں "دنّا" فعل ماضی معروف کے جمع متکلم کا صیغہ ہے۔ دانوا اسی سے جمع مذکر غائب ہے۔ دونوں کا مادہ مجرد "دین" کا لفظ ہے۔ دنا کا لفظ جزا و عقاب کے معنی میں استعمال ہوا ہے یعنی جب بنو تغلب نے بنو بکر کو مارا تو بنو بکر نے ہم سے مدد طلب کی تو ہم نے بنو تغلب کو ویسی ہی سزا دی جیسے انہوں نے بنو بکر کو دی تھی۔ گویا دین کا لفظ جزا کے معنی میں مستعمل ہوا۔ پیر کرم شاہ نے ضیاء القرآن میں ترجمہ اسی کے موافق کیا "پس کون جھٹلا سکتا ہے آپ کو اس کے بعد جزا و سزا کے معاملہ میں"۔[2]

لنسفعا بالناصیۃ کے معنی کا شعر جاہلی سے استشہاد

اللہ تعالیٰ نے تکذیب کرنے والے اور اعراض کرنے والے کی سزا بیان کرتے ہوئے فرمایا:

﴿كَلَّا لَئِنْ لَّمْ يَنْتَهِ لَنَسْفَعًا بِالنَّاصِيَةِ﴾[3]

ترجمہ:۔ خبر دار! اگر وہ (اپنی روش سے) باز نہ آیا تو ہم ضرور (اسے) گھسیٹیں گے اس کی پیشانی کے بالوں سے۔

سفع کا معنی ہے سختی سے کھینچنا۔ معنی یہ ہے کہ ہم اسے ضرور پیشانی سے پکڑیں گے اور ضرور اسے جہنم کی طرف کھینچیں گے۔ جب تم کسی چیز کو پکڑو اور اسے اپنی طرف کھینچو تو کہا جاتا سفعت الشئی۔ راغب نے کہا کہ جب گھوڑے کو اس کی پیشانی کی سیاہی سے پکڑا جائے تو اس کیلئے سفع کا لفظ استعمال کیا جاتا ہے۔ سیاہی کا اعتبار کرتے ہوئے سفعۃ غضب کا لفظ استعمال کیا جاتا ہے جب کسی کو شدید غصہ آئے اور اس کے چہرے پر دھویں کا رنگ غالب آجائے عقاب کو اسفع کہا جاتا ہے کیونکہ اس میں سیاہی کی چمک ہوتی ہے۔ امراۃ سفعاء ایسی عورت جس کے رنگ میں سیاہی ہو۔ ایک قول یہ ہے کہ یہ سفع النار اور سفع الشمس سے ماخوذ ہے۔ جب کسی کا چہرہ آگ یا سورج کی روشنی کی وجہ سے سیاہ پڑ جائے تو یہ لفظ بولتے ہیں[4]۔

زہیر بن ابی سلمیٰ نے اپنے معلقہ کے ایک مصرع میں کہا:

غصے میں آکر اونٹنی کے تھنوں میں تیر مارا۔ انتقامی کارروائی کرتے ہوئے جساس نے کلیب کو قتل کر ڈالا۔ اس طرح بنو بکر اور بنو تغلب میں جنگ بھڑک اٹھی جسے جنگ بسوس کہا جاتا ہے (ابن اثیر، **الکامل فی التاریخ**، 1/474)

1۔ التبریزی، یحیی بن علی بن محمد الشیبانی التبریزی، (م: 502ھ)، **شرح دیوان الحماسہ** (بیروت: دار القلم)، 1/06

2۔ الازھری، محمد کرم شاہ، **ضیاء القرآن**، 5/608

3۔ العلق: 15

4۔ الشوکانی، **فتح القدیر**، 5/560-559

اثافی سفعافی معرس مرجل [1]

ترجمہ:۔(میں نے بہت غور وفکر کے بعد پہچانا ان) سیاہ پتھروں کو جو کہ ہنڈی رکھنے کی جگہ میں تھے۔

تجزیہ

زہیر بن ابی سلمٰی کا گزر اپنی محبوبہ کے مکانات کے پاس سے عرصہ بیس سال کے بعد ہوا مکانات اب کھنڈرات میں تبدیل ہو چکے تھے شاعر کہتا ہے کہ میں نے بہت غور وفکر کے بعد ان مقامات کو پہچانا[2]۔ سیاہ پتھر نظر آئے جن پر ہنڈیا رکھی جاتی تھی جن پتھروں کے اندر آگ جلائی جاتی ہے انہیں اثافی کہا جاتا ہے ان کی آگ کی وجہ سے سیاہی کیلئے سفعا کا لفظ بولا گیا تہذیب اللغۃ میں ہے:

ویقال للأثافی التی او قد بینھا النار: سفع لان النار سودت صفاحھا التی تلی النار [3]

گویا سفعا کا لفظ سیاہ رنگت کیلئے بھی بولا جاتا ہے لیکن آیت میں یہ لفظ کھینچنے کے معنی میں استعمال ہوا۔ جیسے تفسیر عثمانی میں ترجمہ کیا گیا "ہم گھسیٹیں گے چوٹی پکڑ کر"[4]

"ذَرَّةٍ" کے معنی کا شعر جاہلی سے استشہاد

قیامت کے دن عمل خیر اور عمل شر کے آشکار ہونے کے متعلق اللہ تعالٰی نے فرمایا:

﴿فَمَنۡ يَّعۡمَلۡ مِثۡقَالَ ذَرَّةٍ خَيۡرًا يَّرَه۔ وَمَنۡ يَّعۡمَلۡ مِثۡقَالَ ذَرَّةٍ شَرًّا يَّرَه﴾ [5]

ترجمہ:۔ پس جس نے ذرہ برابر بھی نیکی کی ہو گی وہ اسے دیکھ لے گا اور جس نے ذرہ برابر برائی کی ہوئی وہ اسے (بھی) دیکھ لے گا۔

ذرۃ کے معنی کی وضاحت کرتے ہوئے امام شوکانی کہتے ہیں: "چیونٹی کے وزن کے برابر۔ یہ بہت چھوٹی چیونٹی ہوتی ہے بعض اہل لغت کہتے ہیں کہ آدمی اپنا ہاتھ زمین پر مارے جو مٹی ہاتھ کے ساتھ معلق ہوتی ہے اسے ذرۃ کہتے ہیں جبکہ ایک قول یہ ہے کہ سورج کی (باریک) شعاع میں جو غبار نظر آتا ہے اسے ذرۃ کہتے ہیں[6]۔

امام شوکانی نے پہلے معنی کو ترجیح دی اور اس کی دلیل میں امرؤالقیس کا یہ شعر بیان کیا:

1۔ یہ شعر کا پہلا مصرع ہے دوسرا مصرع یہ ہے: ونؤیا کجذم الحوض لم یتثلم۔(زہیر بن ابی السلمٰی، **دیوان زھیر بن ابی سلمیٰ**، ص65)

2۔ زہیر بن ابی سلمٰی، **دیوان زھیر بن ابی سلمیٰ**

3۔ الھروی، ابو منصور محمد بن احمد الازہری الھروی، **تھذیب اللغۃ**، (داراحیاء التراث العربی، بیروت۔ طبعہ اولیٰ: 2001م)، 66/2

4۔ عثمانی، شبیر احمد، **تفسیر عثمانی**، 896/3

5۔ الزلزلۃ: 08-07

6۔ الشوکانی، **فتح القدیر**، 572/5

من القاصرات الطرف لودب محول　　من الذر فوق الاتب منها لاثرا[1]

ترجمہ:۔ وہ نظریں جھکا کر رکھنے والی (باحیا) عورتوں میں سے ہے اگر اس کے باریک کپڑے پر ایک سال کی چھوٹی چیونٹی بھی چلتی ہے تو وہ اپنا اثر چھوڑ دیتی ہے۔

تجزیہ

شعر میں امرؤالقیس اپنی محبوبہ کی حیا اور اس کی نازک بدنی کے متعلق بیان کرتا ہے شعر میں الذر کا لفظ محل استدلال ہے۔ شاعر چیونٹی کے رینگنے کا تذکرہ کر رہا ہے کہ ایک سالہ چیونٹی بھی اس کے بدن پر خفیف سے کپڑے پر چلتی ہے تو وہ اپنا اثر چھوڑتی ہے۔ الذر کا لفظ چیونٹی کیلئے استعمال ہوا جس پر قرینہ "دب" کا لفظ ہے جو رینگنے کے معنی میں مستعمل ہے[2]۔ اردو مترجمین نے ذرۃ کا معنی ذرہ ہی کیا ہے اور اس سے مراد گرد و غبار ہی لیا ہے۔[3]

ضبحا کے معنی کا شعر جاہلی سے استشہاد

اللہ تعالیٰ نے مجاہدین کے گھوڑوں کی قسمیں ارشاد فرماتے ہوئے کہا:

﴿وَالْعٰدِيٰتِ ضَبْحًا﴾[4]

ترجمہ:۔ قسم ہے تیز دوڑنے والے گھوڑوں کی جب وہ سینہ سے آواز نکالتے ہیں۔

عادیات، عادیۃ کی جمع ہے۔ تیز چلنے والی کو کہا جاتا ہے یہ "عدو" سے ماخوذ ہے جس کا معنی تیز چلنا ہے۔ واؤ کو یاء سے ماقبل کے کسرہ کی وجہ سے بدلا گیا ہے جیسے غرو سے بنے لفظ غازیات میں واؤ کو یاء سے بدلا گیا ہے اس سے مراد جنگ کے دوران دشمن کی طرف دوڑنے والے گھوڑے ہیں۔ ضبحا مصدر ہے جو اسم فاعل کی تاکید کیلئے ذکر کیا گیا ہے "ضبح" چلنے کی ایک قسم ہے اور دوڑنے کی ایک قسم ہے جب گھوڑا بہت تیزی سے دوڑے تو کہا جاتا ہے ضبح الفرس۔ یہ ضبع سے ماخوذ ہے جس کا معنی ہے دھکیلنا۔ گویا حاء، عین کا بدل ہے ابو عبیدہ اور مبرد نے کہا کہ چلنے میں تیزی کرنے کا نام ضبح ہے[5]۔

ضبحا کے معنی کی وضاحت امام شوکانی نے عنترہ کے اس شعر سے کی:

1۔ امرء القیس، **دیوان امرؤ القیس**، 1/197

2۔ الفیروز آبادی، **القاموس المحیط**، 1/82

3۔ الازھری، محمد کرم شاہ، **ضیاء القرآن**، 5/633

4۔ العادیات: 01

5۔ الشوکانی، **فتح القدیر**، 5/575

والخیل تکدح فی حیاض الموت ضبحا[1]

ترجمہ:۔ اور گھوڑے موت کے میدانوں میں تیز دوڑتے ہوئے جانفشانی کا مظاہرہ کرتے ہیں۔

تجزیہ

صاحب کشاف نے یہ شعر یوں بیان کیا:

والخیل تکدح فی حین تض　　بح فی حیاض الموت ضبحا[2]

شعر میں تضبح کے ذکر کے بعد ضبحا کے الفاظ مصدر کے طور پر ذکر کئے گئے ہیں ضبح کے معنی صاحب کشاف نے بیان کیا:

والضبح: صوت انفاسها اذا عدون[3]

یعنی جب گھوڑے دوڑتے ہیں تو ان کے سینے کی آواز ضبح کہلاتی ہے اس شعر میں شاعر میدان جنگ میں گھوڑوں کے دوڑنے کا تذکرہ کرتا ہے جنگ کا میدان چونکہ موت کا میدان ہوتا ہے اس لئے شاعر نے ''حیاض الموت'' کا لفظ استعمال کیا۔ اس شدت کی جنگ کے وقت جب گھوڑے بہت دوڑتے ہیں اور اپنے سینوں سے آواز نکالتے ہیں تو اس کیلئے تضبح، ضبحا کا لفظ استعمال ہوتا ہے یہی محل استشہاد ہے۔

"اَلْهٰكُمُ التَّكَاثُرُ" کے معنی کا شعر جاہلی سے استشہاد

اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿اَلْهٰكُمُ التَّكَاثُرُ﴾[4]

ترجمہ:۔ غافل رکھا تمہیں زیادہ سے زیادہ مال جمع کرنے کی ہوس نے۔

یعنی تمہیں اموال و اولاد میں ایک دوسرے سے زیادہ کی ہوس نے، ان کی کثرت پر فخر کرنے اور ایک دوسرے پر غالب آنے کی خواہش نے غافل کر دیا۔ جب کوئی کام کسی کو کسی اور کام سے غافل کر دے تو کہا جاتا ہے'' **الهاه عن کذا**''[5]۔

1۔ امام شوکانی نے صاحب کشاف کے تتبع میں شعر میں ''تکدح'' کا لفظ استعمال کیا۔ لسان العرب کے علاوہ دیگر لغت کی کتب میں ''تعلم'' کا لفظ مذکور ہے۔ لسان العرب میں شعر یوں مذکور ہے: **والخیل تعلم حین تض　بح فی حیاض الموت ضبحا**: اس کے بعد ابن منظور افریقی نے کہا: **قوله ''والخیل تعلم'' کذا بالاصل والصحاح وانشده صاحب الکشاف ''والخیل تکدح''**۔ **لسان العرب**، 2/522)

2۔ الزمخشری، **تفسیر الکشاف**، 4/786

3۔ ایضا

4۔ التکاثر: 01

5۔ الشوکانی، **فتح القدیر**، 5/584-583

امرؤالقیس نے اپنے شعر میں یہ لفظ یوں استعمال کیا: **فالھیتھا عن ذی تمائم محول**[1]

ترجمہ:۔ پس انہیں تعویز والے ایک سالہ بچے سے غافل کر دیا۔

تجزیہ

امرؤالقیس اس شعر میں اپنی محبوبہ کو غرور حسن سے باز رہنے کی تاکید کر رہا ہے۔ شاعر کہتا ہے میں تو حاملہ اور دودھ پلانے والی عورتوں کے پاس گیا ہوں اور انہیں ایسا لطف اندوز کیا کہ وہ ایک سالہ بچے سے ہی غافل ہو گئیں۔ عورت ایک سال تک کے اپنے بچے کا بہت زیادہ خیال رکھتی ہے۔ بچہ مکمل طور پر اپنی ماں کے ہی رحم و کرم پر ہوتا ہے۔ شاعر اپنی مردانگی کے متعلق مبالغہ آرائی کرتے ہوئے عورتوں کو غافل کر دینے کیلئے الھیت کا لفظ استعمال کرتا ہے۔ یہ محل استدلال ہے۔ یعنی کسی کو، کسی اہم کام سے غافل کر دینا۔ مولانا اشرف علی تھانوی نے لکھا: "(دنیاوی سازوسامان پر) فخر کرنا (جو کہ علامت ہے محبت و طلب کی) تم کو (آخرت سے) غافل کئے رکھتا ہے"[2]

"الْفَلَقِ" کے معنی کا شعر جاہلی سے استشہاد

اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿قُلْ اَعُوْذُ بِرَبِّ الْفَلَقِ﴾[3]

ترجمہ:۔ آپ عرض کیجئے! میں پناہ لیتا ہوں صبح کے پروردگار کی۔

فلق سے مراد صبح ہے کہا جاتا ہے کہ "ھو ابین من فلق الصبح" وہ صبح کے پھٹنے سے بھی زیادہ واضح ہے چونکہ رات اس سے پھٹتی ہے اس لئے اس کا نام فلق رکھا گیا ہے یہ فعل بمعنی مفعول ہے۔ زجاج نے کہا کہ چونکہ رات سے صبح پھٹتی ہے اس لئے یہ بمعنی مفعول ہے ایک قول یہ ہے کہ یہ جہنم میں ایک جیل ہے۔ ایک قول یہ ہے کہ یہ جہنم کے ناموں میں سے ایک نام ہے۔ ایک قول یہ ہے کہ دوزخ کے ایک درخت کا نام ہے۔ ایک قول یہ ہے کہ یہ پہاڑ اور چٹانیں ہیں کیونکہ ان سے پانی کے چشمے پھوٹتے ہیں۔ ایک قول یہ ہے کہ یہ پہاڑی شگاف ہے کیونکہ وہ اللہ کے خوف سے پھٹ جاتے ہیں۔ نحاس کہتے ہیں کہ اونچے ٹیلوں کے درمیان جو ہموار جگہ ہوتی ہے اسے فلق کہا جاتا ہے[4]۔ زہیر بن ابی سلمی نے اس لفظ کو یوں استعمال کیا:

مازلت ارمقھم حتی اذا ھبطت　　　ایدی الرکاب بھم من راکس فلقا[5]

1۔ یہ شعر کا دوسرا مصرع ہے پہلا مصرع یوں ہے: و مثلک حبلی قد طرقت و مرضع۔ (امرءالقیس، **دیوان امرؤ القیس**، 30/1)

2۔ تھانوی، **بیان القرآن**، 676/3

3۔ الفلق: 01

4۔ الشوکانی، **فتح القدیر** 623-624/5

5۔ زہیر بن ابی سلمیٰ، **دیوان زھیر بن ابی سلمی**، ص36

ترجمہ:۔ میں ہمیشہ ان پر نگاہ ٹکائے رہا یہاں تک کہ وہ وادی راکس سے ہموار زمین پر سواروں کے ہمراہ اترے۔

تجزیہ

زہیر بن ابی سلمی نے هرم بن سنان، اس کے باپ اور بھائیوں کی مدح میں قصیدہ لکھا یہ شعر اسی قصیدہ کا ہے[1]۔ راکس حجاز اور نجد کے درمیان وادی کا نام ہے[2]۔ اس میں جو ہموار زمین ہے اس کیلئے شاعر نے فلق کا لفظ استعمال کیا۔ شاعر هرم بن سنان، اس کے باپ اور بھائیوں کے ہموار زمین پر اترنے اور اپنے مشاہدے کا ذکر کرتا ہے ہموار زمین کیلئے فلق کے لفظ کا استعمال امام شوکانی کا مستدل ہے لیکن آیت میں لفظ ان معانی کیلئے استعمال نہیں ہوا۔ مفسرین نے فلق سے صبح کا وقت مراد لیا ہے۔ تفہیم القرآن[3] اور ضیاء القرآن[4] کے مصنفین نے ترجمہ میں اس معنی کو فوقیت دی۔

"النَّفّٰثٰتِ فِی الۡعُقَدِ" کے معنی کا شعر جاہلی سے استشہاد

حضور ﷺ کو اللہ تعالیٰ نے جن چیزوں سے اللہ کی پناہ مانگنے کا حکم دیا ان میں سے ایک یہ ہے:

﴿وَ مِنۡ شَرِّ النَّفّٰثٰتِ فِی الۡعُقَدِ﴾[5] ترجمہ:۔ اور ان کے شکر سے جو پھونکیں مارتی ہیں گرہوں میں

النفاثات سے مراد جادو گرنیاں ہیں یعنی جادو گرنیوں کی پھونکوں کے شر سے۔ یا جادو گر عورتوں سے (پناہ مانگتا ہوں)۔ نفث سے مراد پھونک ہے جیسے دم کرنے والا اور جادو گر کرتا ہے۔ ایک قول یہ ہے کہ یہ تھوک کے ساتھ پھونک کو کہتے ہیں جبکہ ایک قول ہے کہ تھوک کے بغیر۔ عقد، عقدۃ کی جمع ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ جب وہ یہ عمل کرتی تھیں تو دھاگے پر گرہیں باندھتی تھیں[6]۔ امام شوکانی نے مذکورہ بحث پر عنترہ کا یہ شعر دلیل کے طور پر پیش کیا: **فان یبر أفلم انفث علیه　　　وان یعقد فحق له العقود**[7]

ترجمہ:۔ اگر اس کا زخم مندمل ہو گیا تو میں نے اس پر پھونک نہیں ماری اور اگر وہ مر گیا تو مرنا اس کا حق بنتا ہے۔

تجزیہ

1۔ ابو الحجاج الشنتمری، **اشعار الشعراء الستۃ الجاھلیین**، 1/50

2۔ محمد بن محمد حسن شراب، **المعالم الاثیرہ فی السنۃ و السیرہ**، 1/125

3۔ مودودی، **تفہیم القرآن**، 6/563

4۔ الازہری، **ضیاء القرآن**، 5/729

5۔ الفلق: 04

6۔ الشوکانی، **فتح القدیر**، 5/625

7۔ امام شوکانی نے جو دوسرا مصرع ذکر کیا وہ عنترہ کے دیوان میں اس طرح نہیں ہے دوسرا مصرع ہے: وان یفقد فحق له الفقود۔ **دیوان عنترہ**، ص 28

شعر میں دو الفاظ ایسے ہیں جو آیت میں استعمال ہوئے ایک ''انفث'' اسی سے لفظ نفاثات بنا ہے۔ دوسرا عقود کا لفظ جو عقدۃ کی جمع ہے۔ حقیقت میں شعر کے دوسرے مصرع کے الفاظ یوں نہیں ہے اصل الفاظ یفقد اور فقود کے ہیں۔ اس العقد کے معنی کی توضیح میں اس شعر کا استعمال صحیح نہیں ہے۔ عنترہ کہتا ہے کہ میں نے بنی ھجیم کے ایک شخص جریۃ العمری پر حملہ کیا جب اسے تیر لگا اور وہ زخمی حالت میں تھا تو عنترہ نے کہا کہ اگر وہ ٹھیک ہو گیا تو اپنے مقدر سے ہی ہو گا میں نے اس پر کوئی دم کیلئے پھونک نہیں ماری۔ اور اگر مر گیا تو مرنا اس کا حق ہے۔[1] شعر کی درست حالت میں محض انفث کا لفظ محل استدلال بنتا ہے جس کا معنی امام شوکانی نے پھونک مارنا لیا ہے یعقد یا عقود کے الفاظ چونکہ شعر میں در حقیقت موجود ہی نہیں ہیں اس لئے انہیں محل استدلال بنانا قرین قیاس نہیں ہے۔

1۔ الفارسی، **شرح حماسة**، 242/2

باب سوم: فتح القدیر میں آیات کی تفہیم میں جاہلی شاعری سے نحوی استشہاد

فصل اول: اعراب کی تبدیلی سے آیات کے معنی و مفہوم میں فرق اور جاہلی شاعری سے استشہاد (رفعی حالت)

فصل دوم: اعراب کی تبدیلی سے آیات کے معنی و مفہوم میں فرق اور جاہلی شاعری سے استشہاد (نصبی حالت)

فصل سوم: اعراب کی تبدیلی سے آیات کے معنی و مفہوم میں فرق اور جاہلی شاعری سے استشہاد (جری حالت)

باب سوم: فتح القدیر میں آیات کی تفہیم میں جاہلی شاعری سے نحوی استشہاد

قرآن وہ کلام اللہ ہے جسے اللہ تعالی نے فصیح عربی زبان میں نازل فرمایا اب اس عربی میں دیگر زبانوں کی طرح اسم' فعل اور حرف تینوں موجود ہیں۔ عربی زبان میں جس علم کے تحت اسم' فعل اور حرف تینوں کو جوڑ کر ایک جملہ بنایا جاتا ہے اسے علم نحو کہا جاتا ہے۔ علم نحو کے ذریعے کلمہ کے آخر کے احوال درست کیے جاتے ہیں اس علم کا فائدہ ہی یہی ہے کہ اس کی وجہ سے انسان عربی تراکیب میں اغلاط سے محفوظ رہتا ہے۔

تفسیر فتح القدیر میں امام شوکانی نے بہت سی ایسی ابحاث ذکر کی ہیں جن کا تعلق علم نحو سے ہے۔ اسی مناسبت سے تیسرے باب کا عنوان "فتح القدیر میں جاہلی شاعری سے نحوی استشہاد" قائم کیا گیا ہے۔

اس باب کے تحت تین فصول قائم کی گئی ہیں:

پہلی فصل مرفوعات سے متعلق ہے۔ مرفوعات میں فاعل' نائب الفاعل' مبتداء' خبر' افعال ناقصہ کا اسم' حروف مشبہ بالفعل کی خبر' صفت مرفوع' تاکید مرفوع' عطف مرفوع' بدل مرفوع اور کاد کا اسم شامل ہیں۔

دوسری فصل منصوبات سے متعلق ہے یعنی ایسے اسماء جو محل نصب میں ہوتے ہیں جیسے مفعول بہ' افعال ناقصہ کی خبر' حروف مشبہ بالفعل کا اسم' صفت منصوب' تاکید منصوب' عطف منصوب' بدل منصوب' مستثنیٰ منصوب' مفعول فیہ' مفعول مطلق' مفعول لاجلہ' تمیز اور حال ہیں۔

تیسری فصل مجرورات سے متعلق ہے مجرورات سے مراد وہ اسماء ہیں جو محل جر میں ہوتے ہیں جیسے اسم مجرور بحرف جر' مضاف الیہ' صفت مجرور' بدل مجرور' تاکید مجرور اور عطف مجرور ہیں۔ اب ان میں سے ہر ایک کی الگ الگ تفصیل بیان کی جاتی ہے۔

فصل اول: فصل اول: اعراب کی تبدیلی سے آیات کے معنی و مفہوم میں فرق اور جاہلی شاعری سے استشہاد (رفعی حالت)

لکنا کی لغوی تحقیق کا شعر جاہلی سے استشہاد

"لکنا ھو اللہ ربی لکنا" کی لغوی تحقیق کرتے ہوئے امام شوکانی فرماتے ہیں کہ جمہور نے لکن مشددہ کے بعد الف کے اثبات کے ساتھ پڑھا ہے۔ اصل کلمہ لکن اَنَا ہے انا کے ہمزہ کو حذف کیا گیا اور اس کی حرکت ما قبل نون ساکن کو دی۔ یہ لکننا بن گیا اب دونوں جمع ہونے سے ثقل واقع ہوا تو پہلے نون کو ساکن کیا اور دوسرے کو پہلے میں مدغم کیا۔ اب لکنا بنا۔ ھو ضمیر شان ہے اور مابعد جملہ "اللہ ربی" اس کی خبر ہے اور پھر یہ مکمل جملہ انا کی خبر بنے گا۔ تقدیر کلام یوں ہے۔ "لکن انا الشان اللہ ربی"

اہل عرب کے ہاں حالت وصل میں انا کا الف باقی رکھنا ضعیف ہے۔ امام نحاس نے کہا کہ کسائی، فراء اور مازنی کا مذہب یہ ہے کہ لکنا کی اصل "لکن انا" ہے۔ باقی تعلیل وہی ہے جو بیان کی گئی ہے اور کسائی سے ایک قول یہ نقل کیا گیا ہے کہ تقدیری عبارت یوں ہے "لکن اللہ ھو ربی انا"

زجاج نے کہا کہ لکن انا کے داخل ہونے کی صورت میں الف کا باقی رکھنا عمدہ ہے کیونکہ انا میں الف کو کبھی حذف بھی کر دیا جاتا ہے لیکن ادراج کی صورت میں نون کے ادغام کی وجہ سے الف کو عوض کے طور پر باقی رکھنا ضروری معلوم ہوتا ہے۔ نیز فرمایا کہ ربی کی قراءت میں "لکن انا ھو اللہ ربی" کے الفاظ ہیں۔ اور ابن عامر اور مثنیٰ نے نافع سے اور ورش نے یعقوب سے "لکنا" کی وقف اور وصل کی دونوں حالتوں میں الف کے اثبات کے ساتھ پڑھا ہے۔[1]

شعر جاہلی سے استشہاد:

امام شوکانی نے وصل اور وقف کی دونوں حالت میں الف کے اثبات کا استشہاد دو شعروں سے کیا ہے

انا سیف العشیرۃ فاعرفونی　　　فانی قد تذریت السناما[2]

ترجمہ:۔ میں قبیلے کی تلوار (کی مانند) ہوں مجھے اچھے طرح پہچان لو بے شک میں نے اونٹ کی کوہان پر بھی تلوار تیز کی ہے۔

اور اعشیٰ کا شعر ہے:

1۔ الشوکانی، **فتح القدیر**، 3/361-362

2۔ الھلالی، حمید بن ثور الھلالی، **دیوان حمید بن ثور الھلالی**، ص133

فکیف انا و الحان القوافی   و بعد الشیب یکفی ذاک عاراً[1]

ترجمہ:۔ مجھ سے قافیہ کی غلطیاں کیونکر ممکن ہیں بوڑھا ہو جانے کے بعد یہی بات شرمندگی کیلئے کافی ہے۔

وجہ استشہاد:۔

پہلے شعر میں حالت وصل میں انا میں الف کو باقی رکھا گیا ہے جبکہ دوسرے شعر میں انا میں وقف کی صورت میں الف کو باقی رکھا گیا ہے۔ گویا جاہلیت میں وصل اور وقف کی دونوں حالتوں میں الف کو باقی رکھا جاتا تھا۔

"اِلَّا" بمعنیٰ غیر کا شعر جاہلی سے استشہاد

اللہ رب العالمین کا ارشاد گرامی ہے:

﴿لَوْ كَانَ فِيهِمَا اٰلِهَةٌ اِلَّا اللّٰهُ لَفَسَدَتَا فَسُبْحٰنَ اللّٰهِ رَبِّ الْعَرْشِ عَمَّا يَصِفُوْنَ﴾ [2]

ترجمہ: اگر آسمان اور زمین میں اللہ کے سوا معبود ہوتے تو وہ ضرور درہم برہم ہو جاتے سو اللہ جو رب العرش ہے وہ ان چیزوں سے پاک ہے جو یہ مشرکین بیان کرتے ہیں۔

اگر آسمانوں اور زمین میں اللہ کے سوا کوئی معبود ہوتے تو ضرور نظام آسمانی و زمینی تباہ ہو کے رہ جاتا۔ اس آیت میں بقول امام کسائی، سیبویہ، اخفش، زجاج اور جمہور نحویوں کے الا استثناء کے معنی میں نہیں ہے بلکہ غیر کے معنی میں ہے اور "الھة" کی صفت بن رہا ہے۔ اسی بناء پر مابعد اسم کو رفع دیا گیا ہے۔

شعر جاہلی سے استشہاد:

و کل اخ مفارقة اخوه   لعمر ابیک الا الفرقدان[3]

ترجمہ:۔ ہر بھائی اپنے بھائی سے جدا ہونے والا ہے تیرے باپ کی عمر کی قسم، سوائے ان دوستاروں کے جن سے لوگ راستہ معلوم کرتے ہیں۔

وجہ استشہاد:۔

اس شعر میں الا استثناء کے معنی میں نہیں ہے بلکہ غیر کا معنی دے رہا ہے۔ صفت ہونے کی بناء پر ہی "الفرقدان" کا لفظ حالت رفعی میں ہے۔

"وَ اقْتَرَبَ الْوَعْدُ الْحَقُّ" میں جزاء پر واو زائد کا آنا

1۔ الاعشیٰ، **دیوان الاعشی الکبیر**، ص53۔ "دیوان میں پہلا مصرع کچھ یوں ہے "**فما انا ام انتحالی القوافی**"

2۔ الانبیاء:22

3۔ عمرو بن معدیکرب، **دیوان عمرو بن معدیکرب**، ص178

اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں:

﴿حَتّٰی اِذَا فُتِحَتْ یَاْجُوْجُ وَمَاْجُوْجُ وَهُمْ مِّنْ كُلِّ حَدَبٍ يَّنْسِلُوْنَ () وَاقْتَرَبَ الْوَعْدُ الْحَقُّ فَاِذَا هِيَ شَاخِصَةٌ اَبْصَارُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا ۔ يٰوَيْلَنَا قَدْ كُنَّا فِيْ غَفْلَةٍ مِّنْ هٰذَا بَلْ كُنَّا ظٰلِمِيْنَ﴾ (1)

ترجمہ: حتی کہ جب یاجوج اور ماجوج (کی رکاوٹ) کو کھول دیا جائے گا اور وہ ہر بلندی سے دوڑتے ہوئے آئیں گے اور سچا وعدہ قریب آ پہنچے گا اس وقت کافروں کی آنکھیں پھٹی کی پھٹی رہ جائیں گی (وہ کہیں گے) ہائے ہماری بد نصیبی! بے شک ہم تو اس سے غفلت میں سے تھے بلکہ ہم ہی ظلم کرنے والے تھے۔

اذا کلمہ شرط ہے "فتحت یاجوج و ماجوج وھم" "من کل حدب ینسلون" شرط ہے جواب شرط کے متعلق امام شوکانیؒ نے تین اقوال بیان کئے۔

پہلا قول یہ ہے کہ "واقترب الوعد الحق" جواب شرط ہے۔ اس پر اعتراض ہوتا ہے کہ جواب سے پہلے واؤ کیوں آئی ہے تو اس کا جواب امام صاحب نے دیا کہ واؤ زائدہ ہے۔ اسی پر استشہاد شعر جاہلی سے کیا۔

دوسرا قول یہ ہے کہ "فاذا ھی شاخصة ابصار الدین کفروا" جواب شرط ہے۔ جبکہ تیسرا قول یہ ہے کہ یاویلنا سے پہلے قالوا محذوف ہے اور یہیں سے جواب شرط کی ابتداء ہوتی ہے۔

امام صاحب نے پہلے قول کی تائید شعر جاہلی کی اور یہ استشہاد امام فراء کی طرف منسوب کیا۔ (2)

شعر جاہلی سے استشہاد:

فلما اجزنا ساحة الحی وانتحیٰ

دوسرا مصرع یوں ہے:

بنا بطن خبت ذی حقاف عقنقل (3)

ترجمہ:۔ جب ہم قوم کی آبادی سے نکل گئے تو ایک وسیع ریگستان کے درمیان میں جو ٹیلوں والا تھا پہنچے۔

وجہ استشہاد:۔

اس شعر میں لما کلمہ شرط ہے " اجزنا ساحة الحی " شرط ہے اور مابعد جملہ جزاء ہے۔ اب "جزاء وانتحی" میں واؤ زائدہ ہے یہی محل استشہاد ہے۔

"ال" کا الَّذِیْنَ کے معنی میں استعمال کا شعر جاہلی سے استشہاد

1۔ الانبیاء: 96-97

2۔ الشوکانی، **فتح القدیر**، 3/532

3۔ امرؤالقیس، **دیوان امرؤ القیس**، 1/39

اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿الَّذِيْنَ اِذَا ذُكِرَ اللّٰهُ وَجِلَتْ قُلُوْبُهُمْ وَالصّٰبِرِيْنَ عَلٰى مَآ اَصَابَهُمْ وَالْمُقِيْمِى الصَّلٰوةِ وَمِمَّا رَزَقْنٰهُمْ يُنْفِقُوْنَ﴾ ([1])

ترجمہ: جب اللہ کا ذکر کیا جائے تو ان کے دل تھر تھرا جاتے ہیں اور وہ مصائب پر صبر کرتے ہیں اور نماز قائم رکھتے ہیں اور ہم نے جو کچھ ان کو دیا ہے اس میں سے خرچ کرتے ہیں۔

ما قبل آیت میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ عاجزی کرنے والوں کو بشارت دے دیجئے۔ اس آیت میں عاجزی کرنے والوں کی چار صفات بیان فرمائیں۔

ذکر الٰہی کے وقت رقت قلب، مصائب پر صبر، اقامت صلوٰۃ اور انفاق فی سبیل اللہ ان کی چار صفات ہیں۔ اقامت صلوٰۃ کیلئے "المقیمی الصلاۃ" کا لفظ استعمال ہوا۔ الصلاۃ کے لفظ پر نصب یا جر کا ہونا محل بحث ہے۔ نصب کی صورت یہ ہے کہ یہ "المقیمی" اسم فاعل کا مفعول ہے اور نون کا حذف وصف کے صیغہ میں "ال" کے دخول کے ساتھ جائز ہے جبکہ جر کی صورت یہ ہے کہ اسے مضاف الیہ قرار دیا جائے۔ اس صورت میں مضاف پر "ال" کے دخول پر اعتراض وارد ہوتا ہے اس کا جواب یہ ہے کہ یہ "ال" الذین کے معنی میں ہے۔ گویا کہ اصل عبارت یوں ہے "الذین اقاموا الصلاۃ" اس صورت میں کوئی اعتراض باقی نہ رہے گا۔([2])

شعر جاہلی سے استشہاد:

مذکورہ بحث کی دلیل امام شوکانیؒ نے سیبویہ کے حوالے سے اس شعر سے دی ہے:

الحافظ عورۃ العشیرۃ ([3])

ترجمہ:۔ (ہم) قبیلے کی اس جگہ کی حفاظت کرنے والے ہیں جہاں دشمن کے حملے کا خوف ہو۔

وجہ استشہاد:۔

"الحافظو" کے بعد عورۃ کا لفظ منصوب پڑھا گیا ہے۔ عورۃ کا لفظ "الحافظو" اسم فاعل کا مفعول بنایا گیا ہے اسی طرح یہ لفظ اضافت کی بناء پر جر کا بھی احتمال رکھتا ہے جیسا کہ سابق میں بیان ہوا۔ جب "ال" اسم موصول کے معنی میں ہے تو تقریری عبارت یوں ہوگی: "الذین حفظوا عورۃ العشیرۃ" ([4])

1۔ الحج: 35

2۔ الشوکانی، **فتح القدیر**، 3/564

3۔ یہ شعر حارث بن ظالم المری کا ہے یہ شعر کا ایک مصرع ہے مکمل شعر یوں ہے: "الحافظو عورۃ العشیرۃ لا یاتیھم من ورائھم نطف" شعر میں "الحافظ" کی جگہ "الحافظوا" کا لفظ ہے۔ (حارث بن ظالم المری، **دیوان الحارث**، ص120)

4۔ سیبویہ، **کتاب سیبویہ**، 1/95

”طَوّٰفُوْنَ عَلَیْکُمْ بَعْضُکُمْ عَلٰی بَعْضٍ“ کے معنیٰ کا شعر جاہلی سے استشہاد

اللہ تعالیٰ نے غلاموں اور نابالغ لڑکوں کو تین اوقات میں بغیر اجازت کے گھروں میں داخلے سے منع فرمایا فجر سے پہلے، ظہر کے وقت اور عشاء کے بعد۔ ان تین اوقات کے علاوہ بغیر اجازت کے داخلے کی اجازت دی۔ اجازت دینے کی علت یہ بیان فرمائی:

﴿طَوّٰفُوْنَ عَلَیْکُمْ بَعْضُکُمْ عَلٰی بَعْضٍ﴾ (1)

ترجمہ: تمہاراایک دوسرے کے پاس کثرت سے آناجانارہتاہے۔

امام شوکانیؒ فرماتے ہیں کہ یہ جملہ ماقبل کا بدل بن رہاہے یاتاکید کیلئے لایاگیاہے معنی یہ ہے کہ تم میں سے ہر ایک کادوسرے کے پاس آناجاناہے آقااپنے غلام کے پاس آتاجاتاہے اور غلام اپنے آقاکے ہاں آتاجاتاہے۔(2)

شعر جاہلی سے استشہاد:

امام شوکانیؒ نے مذکورہ معنی کی تائید اس جاہلی شعر سے کی ہے:

ولماقرعناالنبع بالنبع بعضه　　　ببعض ابت عیدانه ان تکسرا (3)

ترجمہ:۔ جب ہم نے کمانوں کو ایک دوسرے کے ساتھ کھٹکھٹایاتوان کی لکڑیاں نہ ٹوٹ سکیں۔

وجہ استشہاد:۔

کمانیں ایک دوسرے سے ٹکرائیں تو ہر ایک فاعل بھی تھی اور مفعول بھی۔ اسی طرح آقااور غلام ہر ایک دوسرے کے ہاں کثرت سے آتے جاتے ہیں اس معنی کے اظہار کے لئے ”**بعضکم علی بعض**“ کے الفاظ قرآن اور شعر جاہلی دونوں میں استعمال کئے گئے۔

”انارسول رب العالمین“ کی بحث:

اللہ تعالیٰ نے فرمایا:﴿فَاْتِیَا فِرْعَوْنَ فَقُوْلَآ اِنَّا رَسُوْلُ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ﴾ (4)

ترجمہ: سو دونوں جاؤ فرعون کے پاس اور اسے کہو ہم فرستادہ ہیں رب العالمین کے۔

آیت میں ”انارسول“ کے الفاظ محل بحث ہیں۔ ان حرف از حروف مشبہ بالفعل ہے۔ نا ضمیر اس کا اسم ہے اور رسول بعد از اضافت اس کی خبر ہے اب اسم اور خبر میں واحد، تثنیہ اور جمع کی مطابقت کا اصول تقاضا کرتا ہے کہ

1۔ النور:58

2۔ الشوکانی، **فتح القدیر**، 4/64

3۔ امام شوکانی نے یہ شعر بغیر انتساب کے ذکر کیا۔ یہ شعر نابغہ الجعدی کا ہے۔(نابغہ الجعدی، **دیوان نابغہ الجعدی**، ص88)

4۔ الشعراء:16

"انا رسولا" کے الفاظ ہوں۔ موسیٰ علیہ السلام اور ہارون علیہ السلام دونوں گئے "انا رسول رب العالمین" کی بجائے الفاظ "انا رسولا رب العالمین" ہونے چاہیں کہ اضافت کی وجہ سے نون تثنیہ گر جاتا لیکن "رسولا" تثنیہ کی جگہ رسول واحد کا لفظ ذکر کیا گیا۔ اس بات کا جواب امام شوکانیؒ نے یہ دیا کہ "رسول" مصدر ہے اور مصدر واحد ہوتا ہے اس میں تثنیہ اور جمع کا احتمال نہیں ہوتا۔ اب رسول، رسالۃ کے معنی میں ہے۔([1])

شعر جاہلی سے استشہاد:

امام شوکانیؒ نے اس پر عباس بن مرداس کا یہ شعر بیان کیا:

الا من مبلغ عنی خفافاً   رسولا بیت اھلک منتھاھا([2])

ترجمہ:۔ خبر دار! کون ہے جو خفاف کو میری طرف سے پیغام پہنچائے گا تیرے اہل وعیال کا گھر ہی اس کی (منزل) انتہا ہے۔

محل استشہاد:۔

شعر میں رسولاً کا لفظ رسالۃ کے معنی میں ہے یعنی رسول، مرسل کا معنی نہیں دے رہا۔ اسی طرح آیت میں "انا رسول" سے مراد "انا ذو رسالۃ" ہے۔

ضمیر کی جگہ اسم ظاہر کا ذکر کرنا:

غزوہ احزاب میں جب ایمان والوں نے کفار کا لشکر دیکھا تو ان کے قول کو اللہ نے یوں بیان فرمایا:

﴿وَلَمَّا رَاَ الْمُؤْمِنُوْنَ الْاَحْزَابَ قَالُوْا هٰذَا مَا وَعَدَنَا اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ وَصَدَقَ اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ وَمَا زَادَهُمْ اِلَّآ اِيْمَانًا وَّتَسْلِيْمًا﴾([3])

ترجمہ: اور جب ایمان والوں نے (کفار کے) لشکروں کو دیکھا تو (فرط جوش سے) پکار اٹھے یہ ہے وہ لشکر جس کا وعدہ ہم سے اللہ اور اس کے رسول نے فرمایا تھا اور سچ فرمایا تھا اللہ اور اس کے رسول نے اور دشمن کے لشکر جرار نے ان کے ایمان اور جذبہ تسلیم میں اور اضافہ کر دیا۔

اس آیت کے الفاظ کے تحت سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ جملہ میں جب اسم ظاہر آجائے اس کے بعد اگر دوبارہ اس کا تذکرہ ہو تو اس کیلئے ضمیر عائد ذکر کی جاتی ہے۔ یہاں "مَا وَعَدَنَا اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ" کے جملہ میں اللہ اور رسول کے

1۔ الشوکانی، **فتح القدیر**، 4/117

2۔ السلمی، عباس بن مرداس، **دیوان عباس بن مرداس السلمی**، تحقیق: الدکتور یحییٰ الجبوری (بغداد، دار الجمہوریہ، ط1388ھ)، ص110۔ "دیوان میں "رسولا" کی جگہ اس کا ہم معنی لفظ "الوکا" مرقوم ہے

3۔ الاحزاب: 22

اسماء ظاہر اًمذکور ہوئے۔ اگلے جملہ "وَصَدَقَ اللّٰہُ وَرَسُوْلُهٗ" میں اللہ اور اس کے رسول کا ذکر تثنیہ کی ضمیر کے ساتھ ہونا چاہیے تھا۔ اسماء کو دوبارہ ظاہر اً کیوں ذکر کیا گیا۔ "وصدقا" کا لفظ ذکر کرنا کافی تھا۔ ایسا کیوں نہ ہوا؟۔ اس کا جواب امام شوکانی یوں دیتے ہیں کہ تعظیم کی وجہ سے اسماء کا دوبارہ ظاہر اًذکر ہوا۔[1]

شعر جاہلی سے تائید

امام شوکانی نے ضمیر عائد کی جگہ اسم ظاہر ذکر کرنے کی دلیل شعر کے اس مصرع سے دی۔

اری الموت لایسبق الموت شئی[2]

ترجمہ میں نے موت کو دیکھا ہے کہ موت سے کوئی شے بچ نہیں سکتی۔

وجہ استشہاد

مصرع میں " **اری الموت لایسبقه شئی** "ہونا چاہیے تھا۔ الموت کا لفظ پہلے اسم ظاہر کے طور پر مذکور ہونے کے بعد "ہ" ضمیر عائد ذکر ہونی چاہیے تھی لیکن موت کی عظمت کے بیان کیلئے شاعر نے دوبارہ اسم ظاہر ہی ذکر کیا۔ اسی طرح آیت میں بھی اللہ اور رسول کے اسماء تعظیم کے قصد سے ظاہر اًمذکور ہوئے۔ اردو مترجمین نے ترجمہ کرتے ہوئے اسماء ظاہرہ کا اعتبار کیا۔[3]

تاء کا حین سے اتصال وانفصال

اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿كَمْ اَهْلَكْنَا مِنْ قَبْلِهِمْ مِّنْ قَرْنٍ فَنَادَوْا وَّلَاتَ حِيْنَ مَنَاصٍ﴾[4]

ترجمہ:۔ بہت سی امتوں کو ہم نے ہلاک کر دیا اس سے پہلے پس وہ فریاد کرنے لگے اور نہیں تھا یہ وقت بچ نکلنے کا۔

آیت میں "لات حین" کے الفاظ کی وضاحت کرتے ہوئے امام شوکانی فرماتے ہیں کہ لا مشبہ بلیس ہے۔ ت زائدہ ہے حین اضافت کے ساتھ استعمال ہو رہا ہے۔ تاء کے متعلق امام شوکانی کہتے ہیں کہ یہ کبھی حین کے ساتھ متصل کر کے لکھی جاتی ہے اور کبھی انقطاع کے ساتھ۔ مصاحف میں انقطاع کے ساتھ ہی آئی ہے۔[5]

شعر جاہلی سے استشہاد

1۔ الشوکانی، **فتح القدیر**، 325/4

2۔ یہ شعر عدی بن زید کا ہے۔ شعر کا دوسرا مصرع یہ ہے۔ "نغص الموت ذو الغنی والفقیرا" (عدی بن زید، **دیوان عدی بن زید**، ص 65)۔ دیوان میں مصرع کے الفاظ یوں ہیں۔ "لا اری الموت یسبق الموت شیاء"

3۔ مودودی، **تفہیم القرآن**، 81/4

4۔ ص: 3

5۔ الشوکانی، **فتح القدیر** 500/4

تاء کے انقطاع سے لکھنے کی تائید امام شوکانی نے عمرو بن شاس الاسدی کے اس شعر سے کی ہے:

تذکر حب لیلیٰ لات حیناً   وامسی الشیب قد قطع القرینا[1]

ترجمہ:۔ اس نے لیلیٰ کی محبت کو یاد کیا جبکہ وہ وقت اسے یاد کرنے کا نہیں تھا بڑھاپے نے آکر دوستی کے تعلق کو توڑ دیا۔

تجزیہ

شعر میں لات اور حین کے دونوں الفاظ مذکور ہیں اور تاء کو حین سے منقطع کر کے لکھا گیا ہے۔ مصاحف میں بھی یہی طریقہ رائج ہے ہمیشہ تاء کو حین سے منقطع کر کے ہی لکھا جاتا ہے۔

"سِحۡرٌ مُّسۡتَمِرٌّ" کے معنی کا شعر جاہلی سے استشہاد

کفار مکہ جب کوئی نشانی دیکھتے تو ان کا ردعمل اللہ تعالیٰ نے یوں بیان فرمایا:

﴿وَاِنۡ يَّرَوۡا اٰيَةً يُّعۡرِضُوۡا وَيَقُوۡلُوۡا سِحۡرٌ مُّسۡتَمِرٌّ﴾[2]

ترجمہ:۔ اور اگر وہ کوئی نشانی دیکھتے ہیں تو منہ پھیر لیتے ہیں اور کہنے لگتے ہیں یہ بڑا زبردست جادو ہے۔

سحر کے ساتھ مستمر کی صفت لگائی گئی ہے۔ مستمر کے معنی کی تشریح میں امام شوکانی نے مختلف اقوال نقل کئے ایک یہ کہ مستمر کا معنی ہے ذاہب، اس لحاظ سے آیت کا معنی ہو گا کہ کفار کہتے ہیں کہ یہ ایسا جادو ہے جو گزر جانے والا ہے یہ باقی نہیں رہے گا۔ دوسرا معنی ہے "دائم مطرد"یعنی ہمیشہ سے ہونے والا جادو۔ یعنی یہ ایسا جادو ہے جو ہمیشہ سے ہوتا چلا آرہا ہے۔ ایک معنی "باطل" ہے۔ اسی طرح ایسا جادو جو ایک دوسرے سے مشابہت رکھتا ہے وہ جادو جو زمین سے آسمان تک جا پہنچتا ہے اور کڑواہٹ بھی معنی کیا گیا ہے۔ ان معنی میں سے ایک معنی دائم مطرد کا استشہاد امام شوکانی نے جاہلی شعر سے کیا ہے۔ شعر جاہلی شاعر امرؤالقیس کا ہے جسے امام شوکانی نے بغیر انتساب کے ذکر کیا ہے:

الا انما الدھر لیال و اعصر   ولیس علی شئی قویم بمستمر[3]

ترجمہ:۔ خبردار! زمانہ محض راتوں اور اوقات کے (آنے جانے) کا نام ہے۔ زمانے کی کسی چیز کو ایک حالت پر دوام حاصل نہیں ہے۔

تجزیہ

1۔ عمرو بن شاس الاسدی، **شعر عمرو بن شاس الاسدی**، ص59

2۔ القمر:2

3۔ امرؤالقیس، **دیوان امرء القیس**، 1/98

شعر میں مستمر کا لفظ محل استشہاد ہے۔ شاعر نے راتوں اور اوقات کے گزر جانے کو زمانہ قرار دیا ہے اور ان کے چلتے رہنے کی حالت کو بیان کیا گیا ہے کہ کسی ایک حالت کو دوام حاصل نہیں ہے۔ دوام کے معنی کیلئے مستمر کا لفظ استعمال کیا گیا ہے اس شعری تناظر میں سحر مستمر کا معنی ہو گا "ایسا جادو جو ہمیشہ سے ہوتا آرہا ہے"۔ امام شوکانی نے "الاانما الدنیا" کے الفاظ لکھے ہیں جبکہ نسخے میں الفاظ "الاانما الدھر" مذکور ہیں۔ تفسیر عثمانی میں یہی ترجمہ کیا گیا ہے "یہ جادو ہے پہلے سے چلا آتا"۔[1]

1۔ عثمانی، شبیر احمد، **تفسیر عثمانی**، 582/3

فصل دوم: اعراب کی تبدیلی سے آیات کے معنی ومفہوم میں فرق اور جاہلی شاعری سے استشہاد (نصبی حالت)

"شَطَطًا" کے معنیٰ کا شعر جاہلی سے استشہاد

اللہ رب العزت ارشاد فرماتے ہیں:

﴿وَّ رَبَطْنَا عَلٰى قُلُوْبِهِمْ اِذْ قَامُوْا فَقَالُوْا رَبُّنَا رَبُّ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ لَنْ نَّدْعُوَا مِنْ دُوْنِهٖۤ اِلٰهًا لَّقَدْ قُلْنَاۤ اِذًا شَطَطًا﴾[1]

ترجمہ: اور ہم نے ان کے دل مضبوط کر دیئے تھے جب وہ (بادشاہ وقت کے سامنے) کھڑے ہوئے سو انہوں نے کہا ہمارا رب آسمانوں اور زمینوں کا رب ہے اس کے سوا کسی اور معبود کی ہر گز عبادت نہیں کریں گے (ورنہ) اس وقت ہماری بات حق سے بہت دور ہوگئی۔

تفسیر:۔

جب اصحاب کہف بادشاہ وقت دقیانوس کی بت پرستی کے خلاف اٹھ کھڑے ہوئے۔ تو اب ظالم و جابر بادشاہ کے سامنے کلمہ حق کہنے کے لئے ہمت اور حوصلے کی ضرورت تھی۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ ہم نے ان کے دل مضبوط کر دیئے پھر اہل وعیال، وطن، دوستوں اور یاروں سے جدائی کیلئے جس حوصلے کی ضرورت تھی وہ بھی اللہ تعالیٰ نے عطا فرمایا۔ "اِذْ قَامُوْا" کی تفسیر میں مفسرین کا اختلاف ہے ایک قول یہ ہے کہ وہ شہر کے باہر جمع ہوتے تھے ان جوانوں میں سے سب سے بڑے نے کہا میں اپنے قلب و باطن میں خیال کرتا ہوں کہ میرا رب وہ ہے جو آسمانوں اور زمین کا رب ہے۔ اس پر سب نے کہا کہ ہم بھی اپنے خیال میں ایسی ہی بات سوچتے ہیں۔ یہ بات کہتے ہوئے سب اٹھ کھڑے ہوئے اور کہنے لگے کہ ہمارا رب وہ ہے جو آسمانوں اور زمین کا رب ہے مجاہد نے بھی یہی بات کہی ہے۔ جبکہ اکثر مفسرین نے کہا ہے کہ ان کا بادشاہ ظالم و جابر تھا جس کا نام دقیانوس تھا۔ وہ لوگوں کو بت پرستی کی طرف بلاتا تھا۔ اللہ تعالیٰ نے ان نوجوانوں کو توحید پر ثابت قدمی عطا فرمائی اور انہیں بت پرستی سے بچایا یہاں تک کہ انہوں نے لوگوں کے سامنے اللہ کے رب ہونے کا بر ملا اظہار کیا۔ عطاء اور مقاتل کے بقول یہ بات انہوں نے نیند سے بیدار ہونے کے بعد کہی۔ اصحاب کہف نے مزید کہا کہ ہم اس کے سوا کسی اور معبود کی عبادت ہر گز نہیں کریں گے ورنہ ہم ایسی بات کریں گے جو حق سے دور ہو گی۔

"شَطَطًا" کا معنی

1۔ الکہف:14

شطت الدار کا معنی ہے گھر کا دور ہونا یہ لفظ اگر قضیہ کیلئے استعمال کیا جائے تو معنی ہوتا ہے ظلم کرنا، **اشط فی القضیۃ** کا معنی ہے اس نے ظلم کیا۔ بھاؤ تاؤ میں یہ لفظ مستعمل ہو تو معنی ہے کہ دسترس میں سے باہر ہے، شط نہر کے ایک کنارے کو بھی کہا جاتا ہے اور شطط (شین اور طاء کے فتحہ کیساتھ) کا معنی ہے ہر چیز میں اندازے سے بڑھ جانا۔ ([1]) امام شوکانی نے بھی "شطط" کا معنی غلو اور حد سے بڑھنا کیا ہے۔

لہٰذا **لَقَدۡ قُلۡنَاۤ اِذًا شَطَطًا** کا مفہوم یہ ہوگا کہ اگر ہم اللہ کے سوا کسی اور کی پرستش کریں گے تو ہم حد سے بڑھ جائیں گے اور ہماری بات میں بہت غلو ہوگا۔ اب شططاً صفت بن رہا ہے جس کیلئے موصوف کی ضرورت ہے۔ یہاں موصوف محذوف ہے۔ امام شوکانی نے کہا کہ تقدیری عبارت یوں ہے **قولاً ذا شططٍ یا قولاً ھو نفس الشطط**۔ مصدر کے ساتھ صفت لانے کی وجہ مبالغہ کا اظہار ہے ([2])۔

جاہلی شعر سے استشہاد:۔

شطط کا مذکورہ معنی مشہور شاعر اعشی بن قیس نے اپنے شعر میں یوں بیان کیا

اتنتھون ولن ینھی ذوی شطط کالطعن یذھب فیہ الزیت والفتل ([3])

ترجمہ:۔ کیا تم روکتے ہیں جبکہ ظالم لوگ (پیٹ میں لگنے والے) تیر کی طرح رکنے والے نہیں ہیں جس میں تیل اور زخموں کی مرہم (دونوں) داخل ہو جاتے ہیں۔

محل استشہاد:۔

شعر میں ذوی شطط سے مراد ظالم لوگ ہیں۔ شطط کا لفظ حد سے بڑھنے کے معنی میں استعمال ہوا ہے۔

"وَالاً" کے معنی کا شعر جاہلی سے استشہاد

"وَاَلَ یَئِلُ وَالاً" کا معنی ہے پناہ تلاش کرنا([4])۔ اسی سے موئلاً اسم ظرف ہے جائے پناہ ہے جس کا معنی کفار کو ان کے کرتوتوں پر فوری مواخذہ نہ کرنے اور حتمی عذاب کو قیامت تک کیلئے موخر کرنے کا ذکر کرنے کے بعد اللہ تعالیٰ نے کفار کے لئے کسی جائے پناہ کی عدم موجودگی کا ذکر اسی لفظ کے ساتھ فرمایا۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿وَرَبُّکَ الۡغَفُوۡرُ ذُو الرَّحۡمَۃِ لَوۡ یُؤَاخِذُھُمۡ بِمَا کَسَبُوۡا لَعَجَّلَ لَھُمُ الۡعَذَابَ۔ بَلۡ لَّھُمۡ مَّوۡعِدٌ لَّنۡ یَّجِدُوۡا مِنۡ دُوۡنِہٖ مَوۡئِلًا﴾ ([5])

1۔ رازی، زین الدین بو خبر اللہ، محمد بن ابی بکر بن عبد القادر الحنفی الرازی، **مختار الصحاح**، (بیروت: المکتبۃ العصریۃ)، 1-165

2۔ الشوکانی، **فتح القدیر**، 3/344

3۔ اعشی، **دیوان الاعشی الکبیر**، ص 63۔ دیوان میں ھمزہ استفہامیہ کی جگہ "ھل" استفہامیہ مذکور ہے اور "لن نافیہ" کی جگہ لا حرف نفی آیا ہے۔

4۔ الازدی، ابن درید، جمہرۃ اللغہ، 1/247)۔ "وال یئل والا اذا لجاء مئول"

5۔ الکہف: 58

ترجمہ: اور آپ کا رب بہت بخشنے والا، رحمت والا ہے اور اگر وہ ان کے کرتوتوں پر ان کا مواخذہ کرتا تو ضرور ان پر جلدی عذاب بھیج دیتا بلکہ ان کیلئے وعدہ کا ایک وقت مقرر ہے وہ اس سے سر موہٹنے کا وقت نہیں پائیں گے۔

امام شوکانیؒ "موئلاً" کا معنی بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں: "ای ملجا یلجئون الیه" یعنی ایسی جائے پناہ جہاں وہ پناہ تلاش کرتے ہیں۔ ابو عبیدہ کے بقول معنی ہے نجات کی جگہ اور ایک قول یہ ہے کہ "موئلاً" بھاگنے کی جگہ کو کہتے ہیں(1)۔ الغرض تمام معانی میں مماثلت موجود ہے۔

شعر جاہلی سے استشہاد:

اعشیٰ نے اپنے شعر میں یہ الفظ اس معنی میں یوں استعمال کیا:

وقد اخالس رب البیت غفلته   وقد یحاذر منی ثم مایئل (2)

ترجمہ:۔ کبھی کبھار میں گھر کے مالک کی غفلت کا فائدہ اٹھا کر (محبوبہ کی عزت) لوٹنے چلا جاتا ہوں وہ اسے مجھ سے بچا بچا کر رکھتا ہے لیکن اسے مجھ سے کوئی جائے پناہ نہیں ملتی۔

وجہ استشہاد:۔

یئل کا لفظ جائے پناہ کے معنی میں استعمال ہوا ہے۔ شاعر محبوبہ سے ملنے کی کوشش کرتا ہے جبکہ گھر کا مالک اسے ایسا کرنے نہیں دیتا۔ شاعر اس کی غفلت کا فائدہ اٹھا کر محبوبہ کے پاس پہنچ جاتا ہے اور تب کوئی جائے پناہ نہیں بچتی۔ یئل کے لفظ سے ہی اسم ظرف کا صیغہ موئلاً بنا ہے جس کا معنی "پناہ گاہ" ہے۔

عاقراً کے تذکیری استعمال کا شعر جاہلی سے استشہاد

اللہ تعالیٰ نے زکریا علیہ السلام کے اپنی بیوی کیلئے استعمال کئے گئے الفاظ کو یوں بیان کیا:

وکانت امراتی عاقراً(3) ترجمہ: اور میری بیوی بانجھ ہے۔

عاقراً کا معنی بیان کرتے ہوئے امام شوکانی کہتے ہیں کہ عاقر اس عورت کو کہتے ہیں جو کبر سنی کی وجہ سے بچہ نہ جن سکے اور اسی طرح جو عورت باوجود جوانی کے بھی بچے کو جنم نہ دے تو اسے بھی عاقر کہا جاتا ہے اور اس آیت میں

1۔ الشوکانی، **فتح القدیر**، 3/373

2۔ اعشیٰ، **دیوان الاعشی الکبیر**، ص59

3۔ مریم: 5

یہی دوسرا معنی مراد ہے عاقر کا لفظ اس مرد کے لئے بھی مستعمل ہے جو لاولد ہو(1)۔ امام شوکانی کا استشہاد عامر بن طفیل کے اس شعر سے ہے: **لبئس الفتی ان کنت اعور عاقراً**(2)

ترجمہ: اگر میں کانا، بانجھ اور بزدل ہوتا تو ایک برا جوان ہوتا اور کسی کے ہاں پیشی کے وقت میرے پاس کوئی عذر نہ ہوتا

وجہ استشہاد

عامر بن طفیل نے فتیٰ کے لئے عاقراً کا لفظ استعمال کیا گویا جو مرد لاولد ہو اس کے لئے بھی عاقر کا لفظ بولا جاتا ہے۔

"جِثِيًّا" کے معنیٰ کا شعر جاہلی سے استشہاد

قیامت کے دن مجرموں کے اللہ کے حضور حاضر ہونے کی کیفیت بیان کرتے ہوئے فرمایا:

﴿فَوَرَبِّکَ لَنَحْشُرَنَّهُمْ وَالشَّيٰطِيْنَ ثُمَّ لَنُحْضِرَنَّهُمْ حَوْلَ جَهَنَّمَ جِثِيًّا﴾(3)

ترجمہ: سو آپ کے رب کی قسم! ہم ضرور ان سب کو اور شیطانوں کو جمع کریں گے پھر ہم انہیں ضرور جہنم کے گرد گھٹنوں کے بل گرے ہوئے حاضر کریں گے۔

"جِثِيًّا" کے لفظ کا معنی بیان کرتے ہوئے امام شوکانی کہتے ہیں کہ یہ "جاث" کی جمع ہے اور یہ عربوں کے اس قول "جثا علی رکبتہ" سے لیا گیا ہے جب کوئی گھٹنوں کے بل چلے تو یہ جملہ بولا جاتا ہے اور یہ لفظ آیت میں حال ہونے کی بناء پر منصوب ہے۔ دوسرا معنی بیان کرتے ہوئے امام شوکانی کہتے ہیں کہ اس کا ایک اور معنی ہے جماعات۔ یہ جثوۃ کی جمع ہے اور "جثوۃ" مٹی یا پتھر کے ڈھیر کو کہتے ہیں۔(4)

شعر جاہلی سے استشہاد:

دوسرے معنی کا استشہاد مصنف نے طرفہ بن عبد کے اس شعر سے کیا ہے:

آری جثوتین من تراب علیهما صفائح صم من صفیح منضد(5)

1۔ الشوکانی، **فتح القدیر**، 3/405

2۔ عامر بن طفیل، **دیوان عامر بن طفیل**، (بروایہ ابو بکر محمد بن قاسم الانباری)، بیروت: دار صادر ط، 1399ھ، ص64۔امام شوکانی نے صرف ایک مصرع بیان کیا شعر کا دوسرا مصرع یوں ہے: جبانا فما عذری لدی کل محضر، دیوان میں لبئس الفتیٰ کی جگہ فبئس الفتیٰ کے الفاظ ہیں۔

3۔ مریم:68

4۔ الشوکانی، **فتح القدیر**، 3/432

5۔ طرفۃ بن عبد، **دیوان طرفۃ بن عبد**، ص26۔ دیوان میں اریٰ کی جگہ "تریٰ" کا لفظ ہے۔

ترجمہ: میں نے (بخیل اور سخی کی) دو قبریں دیکھیں جیسا کہ جمع شدہ مٹی کے لاشے ہوں ان دونوں پر چوڑی چٹانیں ہیں جو ترتیب سے تہہ در تہہ رکھ دی گئی ہیں

اس شعر میں جثوتین کے لفظ سے استدلال کیا گیا ہے اس سے مراد مٹی کے ڈھیر ہیں گویا جثیا کا معنی ہے کہ جماعت کی شکل میں جمع کی ہوئی مٹی کے ڈھیر کی صورت میں اہل دوزخ کو لایا جائے گا۔

"اِنْ ھٰذٰنِ لَسٰحِرٰنِ" کی لغوی بحث کا شعر جاہلی سے استشہاد

اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿قَالُوْٓا اِنْ ھٰذٰنِ لَسٰحِرٰنِ یُرِیْدٰنِ اَنْ یُّخْرِجٰکُمْ مِّنْ اَرْضِکُمْ بِسِحْرِھِمَا وَیَذْھَبَا بِطَرِیْقَتِکُمُ الْمُثْلٰی﴾ (1)

ترجمہ: وہ کہنے لگے یہ دونوں ضرور جادوگر ہیں جو اپنے جادو سے تمہیں ملک سے نکالنا چاہتے ہیں اور تمہارے بہترین مذہب کو مٹانا چاہتے ہیں۔

"اِنْ ھٰذٰنِ لَسٰحِرٰنِ" پر لغوی بحث کی گئی ہے۔ امام شوکانی بیان کرتے ہیں کہ "اِنْ" کی جگہ "اِنَّ" پڑھا گیا اور "ھٰذٰنِ" کی جگہ "ھٰذَیْنِ" پڑھا گیا کیونکہ ان کا اسم منصوب ہوتا ہے اور ھٰذٰنِ کی حالت نصبی "ھٰذَیْنِ" ہے حضرت عثمان، حضرت عائشہ اور چند دیگر صحابہ کے ہاں یہی قراءت معروف تھی اور تابعین میں سے حسن بصری، سعید بن جبیر اور امام نخعی وغیرہ کے ہاں یہی قراءت متداول تھی۔ عاصم الجحدری اور عیسیٰ بن عمر نے بھی اسی طرح پڑھا۔

یہ قراءت آیت کے ظاہری اعراب کے توموافق ہے لیکن مصحف کے رسم الخط کے مخالف ہے مصحف میں "ھٰذٰنِ" الف کے ساتھ لکھا گیا ہے۔ دوسری قراءت زہری، خلیل بن احمد، مفضل، ابان، ابن محیصن، ابن کثیر اور عاصم کی ہے "اِنْ ھٰذٰنِ لَسٰحِرٰنِ" یہ ان کو تخفیف سے پڑھتے ہیں اور ان کو نافیہ شمار کرتے ہیں یہ قراءت، رسم الخط اور اعراب دونوں کے موافق ہے۔ ابن کثیر نے یہی قراءت اختیار کی لیکن صرف اتنا فرق ہے کہ انہوں نے ھٰذٰنِ کے نون کو مشدد کر کے پڑھا ہے جبکہ تیسری قراءت جو اہل مدینہ اور اہل کوفہ کی ہے یوں ہے۔ "اِنَّ ھٰذٰنِ لَسٰحِرٰنِ" یہ نون کو مشدد کرتے ہیں جبکہ ھٰذٰنِ کو الف کے ساتھ پڑھتے ہیں یہ رسم الخط کی موافقت کرتے ہیں لیکن ظاہری اعراب کی مخالفت کرتے ہیں (کیونکہ ان کا اسم منصوب ہوتا ہے)۔ اب اہل علم کی ایک جماعت نے اس پر بحث کی کہ اہل مدینہ و کوفہ نے ایسے کیوں پڑھا اس حوالے سے سب سے بہترین قول ابن الانباری اور نحاس کا ہے

1۔ طہٰ:63

کہ بنی حارث بن کعب، "قبیلہ خثعم اور کنانہ کی لغت میں تثنیہ کی حالت رفعی، نصبی اور جری تینوں الف کے ساتھ آتی تھیں۔([1])

شعر جاہلی سے استشہاد:

جاہلی شاعر متلمس کہتا ہے:

فاطرق اطراق الشجاع ولویری   مسغالناباہ الشجاع لصمما([2])

ترجمہ: اس نے خاموشی سے اپنا سر جھکایا ہوا تھا اس بڑے سانپ کی طرح کہ وہ شاہ سوار پر حملہ کرنے کے لئے مناسب موقع دیکھ کر جھپٹ جائے اور اسے کاٹ لے۔

وجہ استشہاد:

"نابا" سانپ کے دو دانت ہیں جن سے وہ کاٹتا ہے۔ لام حرف جر کے باوجود لناباہ، کا لفظ ظاہر کرتا ہے کہ حالت جری، الف سے آتی ہے۔

"نُخرِجُکُمۡ طِفۡلًا" میں ذوالحال اور حال کی مطابقت کا شعر جاہلی سے استشہاد

اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿یٰۤاَیُّهَا النَّاسُ اِنۡ كُنۡتُمۡ فِیۡ رَیۡبٍ مِّنَ الۡبَعۡثِ فَاِنَّا خَلَقۡنٰكُمۡ مِّنۡ تُرَابٍ ثُمَّ مِنۡ نُّطۡفَةٍ ثُمَّ مِنۡ عَلَقَةٍ ثُمَّ مِنۡ مُّضۡغَةٍ مُّخَلَّقَةٍ وَّغَیۡرِ مُخَلَّقَةٍ لِّنُبَیِّنَ لَكُمۡ ؕ وَنُقِرُّ فِی الۡاَرۡحَامِ مَا نَشَآءُ اِلٰۤی اَجَلٍ مُّسَمًّی ثُمَّ نُخۡرِجُكُمۡ طِفۡلًا ثُمَّ لِتَبۡلُغُوۡۤا اَشُدَّكُمۡ ۚ وَمِنۡكُمۡ مَّنۡ یُّتَوَفّٰی وَمِنۡكُمۡ مَّنۡ یُّرَدُّ اِلٰۤی اَرۡذَلِ الۡعُمُرِ لِكَیۡلَا یَعۡلَمَ مِنۡۢ بَعۡدِ عِلۡمٍ شَیۡـًٔا ؕ وَتَرَی الۡاَرۡضَ هَامِدَةً فَاِذَاۤ اَنۡزَلۡنَا عَلَیۡهَا الۡمَآءَ اهۡتَزَّتۡ وَرَبَتۡ وَاَنۡۢبَتَتۡ مِنۡ كُلِّ زَوۡجٍۭ بَهِیۡجٍ﴾۔([3])

ترجمہ: لوگو! اگر تمہیں موت کے بعد زندگی میں شک ہے تو (غور کرو کہ) ہم نے تم کو مٹی سے پیدا کیا پھر نطفہ سے، پھر جمے ہوئے خون سے، پھر گوشت کے لوتھڑے سے، جو مکمل شکل کا ہوتا ہے اور ادھوری شکل کا بھی تاکہ ہم تمہارے لئے (اپنی قدرت کو) ظاہر کر دیں اور ہم جسے چاہتے ہیں ایک مقررہ مدت تک رحم مادر میں رکھتے ہیں پھر ہم بچے کی صورت میں تمہیں نکالتے ہیں تاکہ تم اپنی پوری جوانی کو پہنچ جاؤ اور تم میں سے بعض لوگ (اس سے پہلے) وفات پا جاتے ہیں اور تم میں سے بعض ناکارہ عمر کی طرف لوٹا دیئے جاتے ہیں تاکہ وہ علم کے بعد کسی چیز کو نہ

1۔ الشوکانی، **فتح القدیر**، 3/468

2۔ متلمس، **دیوان المتلمس**، ص34

3۔ الحج: 5

جان سکیں اور تم زمین کو خشک حالت میں دیکھتے ہو پس جب ہم اس پر پانی برساتے ہیں تو وہ تر و تازہ اور ہری بھری ہو جاتی ہے اور وہ ہر قسم کا خوش نما سبزہ اگاتی ہے۔

امام شوکانیؒ "ثم نخرجکم طفلاً" پر بحث کرتے ہیں اعتراض وارد ہوتا ہے کہ "نخرجکم" میں کم ضمیر ذوالحال ہے اور "طفلاً" حال بن رہا ہے اصول یہ ہے کہ حال اگر مفرد ہو، جملہ نہ ہو تو وہ واحد، تثنیہ اور جمع ہونے میں ذوالحال کے مطابق ہوتا ہے اب چونکہ "نخرجکم" میں کم ضمیر جمع ہے تو "طفلاً" کی جگہ بھی جمع کا ہونا ضروری ہے۔ اس اعتراض کا جواب دیتے ہوئے امام شوکانیؒ فرماتے ہیں کہ "طفلاً" کا لفظ مفرد ذکر کر کے جنس مراد لی گئی ہے جنس کا اطلاق واحد اور متعدد افراد دونوں پر ہوتا ہے۔ اسی طرح امام شوکانیؒ، زجاج کا قول نقل کرتے ہیں کہ "طفلاً" اطفال کے معنی میں ہے، اہل عرب واحد لفظ کا اطلاق جمع پر کیا کرتے تھے۔([1])

شعر جاہلی سے استشہاد:

امام شوکانیؒ نے اس شعر سے استشہاد کیا:

یلیخی من حبہا ویلمننی   ان العواذل لسن لی بامیر ([2])

ترجمہ: اے ملامت کرنے والیو! مجھے ملامت کرنے کا ارادہ نہ کرو، بے شک ملامت کرنے والیاں میرے لئے حاکم کا درجہ نہیں رکھتیں۔

وجہ استشہاد:۔

اس شعر میں العواذل جمع ہے لسن بھی جمع ہے اس کے بعد امیر کی جمع امراء ہونی چاہئے تھی لیکن واحد ذکر کیا گیا گویا جاہلیت میں واحد کے لفظ کا اطلاق جماعت پر جاہلیت میں رائج تھا۔

﴿الَّذِيْنَ اُخْرِجُوْا مِنْ دِيَارِهِمْ بِغَيْرِ حَقٍّ اِلَّآ اَنْ يَّقُوْلُوْا رَبُّنَا اللّٰهُ ۭ وَلَوْ لَا دَفْعُ اللّٰهِ النَّاسَ بَعْضَهُمْ بِبَعْضٍ لَّهُدِّمَتْ صَوَامِعُ وَبِيَعٌ وَّصَلَوٰتٌ وَّمَسٰجِدُ يُذْكَرُ فِيْهَا اسْمُ اللّٰهِ كَثِيْرًا ۭ وَلَيَنْصُرَنَّ اللّٰهُ مَنْ يَّنْصُرُهٗ ۭ اِنَّ اللّٰهَ لَقَوِيٌّ عَزِيْزٌ﴾ ([3])

1۔ الشوکانی، **فتح القدیر**، 3/544

2۔ یہ شعر باختلاف الفاظ میں بہت سے مفسرین نے ذکر کیا۔ امام طبری نے (**تفسیر طبری**، ج19، ص320) یہ الفاظ لکھے یاعاذ لاتی لاتردن علامتان العواذل لسن لی بامیر، امام شوکانیؒ نے شعر کے جو الفاظ لکھے پہلے مصرع میں وہ الفاظ کہیں اور نہیں ہیں۔ تفسیر بسیط کے محقق نسخہ میں ڈاکٹر عبداللہ بن عبدالعزیز بن محمد المدیمیغ لکھتے ہیں کہ یہ شعر کثیر تعداد میں مفسرین نے لکھا لیکن کسی کی طرف انتساب نہیں کیا۔ بعض مصادر میں یہ شعر یزید بن الصعق کی طرف منسوب ہے (راقم کو یہ شعر یزید بن الصعق کے اشعار میں نہیں ملا)۔ **تفسیر ثعلبی** 7/153؛ **تفسیر قرطبی**، 13/83؛ **تفسیر بسیط**، 16/613) میں یہی الفاظ بیان ہوئے۔

3۔ الحج:40

ترجمہ: جن لوگوں کو ان کے گھروں سے ناحق نکالا محض اتنی بات پر کہ وہ کہتے تھے کہ ہمارارب اللہ ہے اور اگر اللہ بعض لوگوں کو دوسرے بعض لوگوں سے دور کرتا نہ رہتا تو راہبوں کی خانقاہیں اور کلیسائیں اور یہودیوں کے معبد اور جن مسجدوں میں اللہ کا بہت ذکر کیا جاتا ہے ان سب کو ضرور منہدم کر دیا جاتا اور جو اللہ (کے دین) کی مدد کرتا ہے اللہ اس کی ضرور مدد فرماتا ہے بے شک اللہ ضرور قوت والا اور بہت غلبہ والا ہے۔

تفسیر:

الا حرف استثناء ہے ما قبل مستثنیٰ منہ اور مابعد کو مستثنیٰ کہا جاتا ہے اگر مستثنیٰ، مستثنیٰ منہ کی جنس سے ہو تو اسے استثناء متصل کہا جاتا ہے اور اگر مستثنیٰ، مستثنیٰ منہ کی جنس سے نہ ہو تو اسے استثناء منقطع کہا جاتا ہے اس آیت میں استثناء منقطع ہے یا متصل؟ اس بارے میں اختلاف ہے۔ سیبویہ کے نزدیک یہ استثناء منقطع ہے۔ استثناء منقطع کی صورت میں مفہوم یہ ہو گا کہ کوئی ایسی وجہ نہ تھی کہ جس کے سبب انہیں جلاوطن کیا جاتا ماسوائے ان کے یہ کہنے کے کہ ہمارارب اللہ ہے اور امام فراء اور زجاج کے بقول یہ استثناء متصل ہے۔ اس صورت میں مفہوم یہ ہو گا کہ بغیر کسی سبب کے انہیں جلاوطن کیا گیا سوائے اس (سبب) کے کہ انہوں نے کہا کہ ہمارارب اللہ ہے۔ ([1])

شعر جاہلی سے استشہاد:

آیت میں بیان کردہ استثناء کا معنی نابغہ الذبیانی نے اپنے شعر میں یوں بیان کیا:

ولا عیب فیھم غیر ان سیوفھم　　بھن فلول من قراع الکتائب([2])

ترجمہ:۔ ان میں کوئی عیب نہیں ہے ماسوائے اس کے کہ ان کی تلواریں، لشکروں کے آمنے سامنے آنے کے وقت کند ہو جاتی ہیں۔

وجہ استشہاد:۔

اس شعر میں غیر استثناء کے معنی میں ہے استثناء منقطع کی صورت میں معنی واضح ہے کہ ان میں عیب ہے کہ تلواریں کند ہو جاتی ہیں یہاں مستثنیٰ، مستثنیٰ منہ کی جنس سے نہیں ہے لیکن اگر استثناء متصل مراد ہو تو عیب کا تعلق براہ راست تلواروں سے ہو گا کہ ان کی تلواروں میں عیب نہیں ہے سوائے اس کے کہ کند ہو جاتی ہیں استثناء کے یہی دو معنی آیت میں بھی بیان کئے گئے ہیں۔

اکیلے کھانا کھانے کی اجازت:

1۔ الشوکانی، **فتح القدیر**، 3/568-569

2۔ نابغہ الذبیانی، **دیوان نابغہ الذبیانی**، ص44

کھانا کن کن کے گھروں سے کھاسکتے ہیں اور کون کون کھا سکتا ہے اس متعلق احکامات بیان کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

"نابینا پر کوئی حرج نہیں، اور نہ لنگڑے پر کوئی حرج ہے اور نہ بیمار پر کوئی حرج ہے اور نہ خود تم پر کوئی حرج ہے کہ تم اپنے گھروں سے کھاؤ یا اپنے باپ دادا کے گھروں سے کھاؤ یا اپنی ماؤں کے گھروں سے یا اپنے بھائیوں کے گھروں سے، یا اپنی بہنوں کے گھروں سے، یا اپنے چچاؤں کے گھروں سے یا اپنی پھوپھیوں کے گھروں سے یا اپنی خالاؤں کے گھروں سے یا ان گھروں سے جن کی چابیاں تمہارے قبضے میں ہوں یا اپنے دوست کے گھر سے"

کھانے کی اجازت دینے کے بعد اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿لَيۡسَ عَلَيۡكُمۡ جُنَاحٌ اَنۡ تَاۡكُلُوۡا جَمِيۡعًا اَوۡ اَشۡتَاتًا﴾ (1)

ترجمہ: اس میں تم پر کوئی گناہ نہیں ہے کہ تم سب مل کر کھاؤ یا الگ الگ کھاؤ۔

آیت کے اس حصے کی تفسیر بیان کرتے ہوئے امام شوکانیؒ کہتے ہیں کہ "جمیعاً" اور "اشتاتاً" حالت ہونے کی بناء پر منصوب ہیں "اشتات' شت کی جمع ہے شت مصدر ہے اور اس کا معنی ہے الگ الگ ہونا۔ کہا جاتا ہے "شت القوم" جب قوم الگ الگ ہو جائے۔ اس جملہ مستانفہ کا معنی یہ ہے کہ تم اکٹھے مل بیٹھ کر کھاؤ تب بھی جائز ہے اور الگ الگ ہو کر کھاؤ تب بھی صحیح ہے۔ عربوں میں بعض لوگ ایسے گزرے جو اکیلے کھانا نہیں کھاتے تھے مہمان کے ساتھ ہی صرف کھانا کھایا کرتے تھے (2)۔

حاتم طائی کا شعر:

حاتم طائی اپنی بیوی سے کہتا ہے:

اذا ما صنعت الزاد فالتمسی له　　　اکیلا فانی لست آکله وحدی (3)

ترجمہ:۔ جب کبھی بھی تو کھانا تیار کرے تو کوئی کھانے والا بھی تلاش کیا کر کہ میں اکیلا کھانا نہیں کھاتا۔

چونکہ عربوں میں ایسے لوگ تھے جو اکیلے کھانا کھانا معیوب سمجھتے تھے اس لئے اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ اکیلے کھانا کھانے میں کوئی حرج نہیں یہ تکلیف ان کی خود پر خود ہی کی نازل کردہ ہے۔

"تغیظ اور زفیر" کی حالت نصبی کی تقدیر کا شعر جاہلی سے استشہاد

1۔ النور: 61

2۔ الشوکانی، **فتح القدیر**، 4/67

3۔ حاتم طائی، **دیوان حاتم الطائی**، ص19

قیامت کے دن جب دوزخ کی آگ کفار کو دور سے دیکھے گی تو چنگھاڑے گی اور کفار پر غصے کا اظہار کرے گی۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿اِذَا رَاَتۡهُمۡ مِّنۡ مَّكَانٍۢ بَعِيۡدٍ سَمِعُوۡا لَهَا تَغَيُّظًا وَّزَفِيۡرًا﴾ ([1])

ترجمہ: جب وہ (آگ) ان کو دور سے دیکھے گی تو وہ اس کی غصہ سے بپھرنے اور دھاڑنے کی آواز سنیں گے۔

"تغیظ" کا معنی امام شوکانیؒ بیان کرتے ہیں کہ کفار پر آتش دوزخ، غصے کا اظہار کرے گی اسے "تغیظ" کہا گیا اور "زفیر" پیٹ سے آنے والی آواز کو کہا جاتا ہے اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ "تغیظ" یعنی غصے کا اظہار دیکھ کر معلوم ہوتا ہے جبکہ "زفیر" چونکہ آواز ہے تو اس کا سماع ہوگا لیکن دونوں کیلئے اللہ تعالیٰ نے "سمعوا" کا لفظ استعمال کیا حالانکہ "تغیظ" کیلئے علم اور "زفیر" کیلئے سماعت کا لفظ ہونا چاہیے تھا۔ اس کا جواب امام شوکانی نے قطرب کے حوالے سے بیان کیا: "ارادعلموا الھا تغیظاً و سمعوا الھا زفیراً" ([2])

ترجمہ:۔ یعنی "تغیظ" غصے کے اظہار کے بارے میں لوگ جانیں گے اور دھاڑ کی آواز سنیں گے۔

شعر جاہلی سے دلیل:

امام شوکانیؒ نے دلیل شعر کے اس مصرع سے دی:

متقلدا سیفا و رمحاً ([3]) ترجمہ:۔ تلوار کو قلادہ بنائے اور نیزہ اٹھائے ہوئے۔

وجہ استشہاد:۔

شاعر جنگ جو کی بیوی کے سامنے اس کے خاوند کا حال بیان کر رہا ہے کہ میں نے حالت جنگ میں اسے تلوار کا قلادہ بنائے اور نیزہ اٹھائے ہوئے دیکھا۔ شعر میں سیفا کا تعلق متقلدا کے ساتھ ہے کہ جنگ جو نے تلوار گلے میں لٹکائی ہوئی تھی لیکن نیزہ ہاتھ میں پکڑا ہوا تھا اس کا تعلق متقلدا کے ساتھ نہیں ہو سکتا اصل عبارت یوں ہے:

"**متقلدا سیفا و حاملا رمحاً**" اسی طرح آیت کی تقدیری کی عبارت یوں ہے: "**علموا الھا تغیظاً و سمعوا الھا زفیراً**"

"فظلت اعناقھم لھا خاضعین" کی وضاحت:

اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿اِنۡ نَّشَاۡ نُنَزِّلۡ عَلَيۡهِمۡ مِّنَ السَّمَآءِ اٰيَةً فَظَلَّتۡ اَعۡنَاقُهُمۡ لَهَا خٰضِعِيۡنَ﴾ ([4])

1۔ الفرقان:12

2۔ الشوکانی، **فتح القدیر**، 4/79

3۔ یہ مصرع عبداللہ بن الزبعری کا ہے مکمل شعر یوں ہے: رایت زوجک فی الوغیٰ متقلد اسیفا ورمحاً۔ ترجمہ:۔ یعنی میں نے تیرے شوہر کو حالت جنگ میں یوں دیکھا کہ وہ تلوار کا قلادہ بنائے اور نیزہ اٹھائے ہوئے تھا۔ (ابن عاشور، **التحریر و التنویر**، 7/20)

4۔ الشعراء:4

ترجمہ: اگر ہم چاہیں تو اتاریں ان پر آسمان سے کوئی نشانی، پس ہو جائیں ان کی گردنیں اس کے آگے جھکی ہوئیں۔

آیت میں "ظلت" کا اسم "اعناقھم" بن رہا ہے اور "خاضعین" اس کی خبر ہے۔ چونکہ اعناق مضاف ہے اور ہم ضمیر مضاف الیہ ہے تو خبر کا تعلق مضاف سے ہوکر "خاضعین" کی بجائے "خاضعۃ" ہونا چاہئے تھا۔ "خاضعین" کے لفظ کا تعلق ہم ضمیر سے ہے جو کہ مضاف الیہ ہے اس کی وجہ کیا ہے؟ اس کا جواب امام شوکانیؒ نے یہ دیا کہ کلام عرب میں یہ بات رائج ہے کہ وہ مضاف کو چھوڑ کر مضاف الیہ کی طرف خبر کو منسوب کرتے ہیں۔ ([1])

شعر جاہلی سے استشہاد:

اس بات کی دلیل میں امام شوکانیؒ نے یہ شعر بیان کیا:

طول اللیالی اسرعت فی نقضی — طوین طولی و طوین عرضی ([2])

ترجمہ:۔ رات کی طوالت نے مجھ پر گزرنے کی جلدی کی انہوں نے میرے طول و عرض کو لپیٹ کے رکھ دیا۔

محل استشہاد:۔

شعر میں طول اللیالی، مضاف، مضاف الیہ ملکر مبتداء ہے اب طول مضاف ہے تو اسرعت، مونث کا صیغہ طول کے مذکر ہونے کی وجہ سے مذکر ہونا چاہیے تھا لیکن اللیالی کی وجہ سے مونث ہوا ہے یہی امام شوکانیؒ کا مستدل ہے کہ کلام عرب میں مضاف کو چھوڑ کر مضاف الیہ کی بناء پر خبر کی تذکیر و تانیث اور دیگر احکامات جائز ہیں۔ اسی بناء پر "اعناقھم" میں ہم ضمیر مضاف الیہ کا اعتبار کرتے ہوئے "خاضعۃ" کی بجائے "خاضعین" کا لفظ استعمال ہوا۔

"سرمد" کا معنیٰ:

اللہ تعالیٰ نے اپنی قدرت کاملہ کی طرف متوجہ کرنے کیلئے رات اور دن کی جانب توجہ دلائی کہ یہ اللہ کی رحمت ہے کہ اس نے رات اور دن بنائے تاکہ رات میں سکون اور دن میں کسب معاش کر سکو۔ وگرنہ خدا چاہتا تو ہمیشہ کیلئے محض رات یا صرف دن ہی بنا دیتا اور کسی میں طاقت نہ تھی کہ اللہ کے مقابلے میں بنائے ہوئے نظام میں تبدیلی لا سکتا۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿قُلْ اَرَءَيْتُمْ اِنْ جَعَلَ اللّٰهُ عَلَيْكُمُ الَّيْلَ سَرْمَدًا اِلٰى يَوْمِ الْقِيٰمَةِ مَنْ اِلٰهٌ غَيْرُ اللّٰهِ يَاْتِيْكُمْ بِضِيَآءٍ ۔ اَفَلَا تَسْمَعُوْنَ () قُلْ اَرَءَيْتُمْ اِنْ جَعَلَ اللّٰهُ عَلَيْكُمُ النَّهَارَ سَرْمَدًا اِلٰى يَوْمِ الْقِيٰمَةِ مَنْ اِلٰهٌ غَيْرُ اللّٰهِ يَاْتِيْكُمْ بِلَيْلٍ تَسْكُنُوْنَ فِيْهِ ۔ اَفَلَا تُبْصِرُوْنَ 0 وَمِنْ رَّحْمَتِهٖ جَعَلَ لَكُمُ الَّيْلَ وَالنَّهَارَ لِتَسْكُنُوْا فِيْهِ وَلِتَبْتَغُوْا مِنْ فَضْلِهٖ وَلَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ﴾ ([3])

1۔ الشوکانی، **فتح القدیر**، 4/115

2۔ محمد بن محمد حسن شراب، **شرح الشواهد الشعریه**، 2/40۔ یہ شعر غالب العجلی کا ہے۔

3۔ القصص: 71-73

ترجمہ: آپ فرمایئے بھلا اتنا تو سوچو اگر بنادے اللہ تعالیٰ تم پر رات ہمیشہ کیلئے قیامت کے دن تک تو کون ساخدا ہے اللہ کے سوا جو لائے تمہارے لئے روشنی کیا تم سن نہیں رہے۔ فرمایئے! بھلا اتنا تو سوچو اگر بنادے اللہ تعالیٰ تم پر دن ہمیشہ کیلئے قیامت تک تو کون ساخدا ہے اللہ کے سوا جو لادے تمہیں رات جن میں تم آرام کر سکو، کیا تمہیں کچھ نظر نہیں آتا اور محض اپنی رحمت سے اس نے بنادیا تمہارے لئے رات اور دن کو تاکہ تم آرام کرو رات میں اور تلاش کرو (دن میں) اس کے فضل (رزق) سے اور تاکہ شکر گزار بنو۔

ان آیات میں رات اور دن میں سے کسی ایک کے ہمیشہ رہنے کیلئے "سرمداً" کا لفظ استعمال کیا گیا ہے اس لفظ کا معنی امام شوکانی بیان کرتے ہیں۔ "الدائم المستمر" یعنی ہمیشہ رہنے والا۔ اس کا اشتقاق السرد سے ہے میم اس میں زائدہ ہے([1])

شعر جاہلی سے استشہاد:

طرفۃ بن عبد نے کہا:

لعمرک ما امری علیک بغمة نهاری ولا لیلی علیک بسرمد([2])

ترجمہ:۔ تیری زندگی کی قسم! میرا معاملہ تجھ سے مخفی نہیں ہے میرا دن اور میری رات تیرے سامنے ہمیشہ رہنے والے نہیں ہیں۔

محل استشہاد:۔

"**سرمد**" کا لفظ رات اور دن کے ہمیشہ رہنے کیلئے استعمال کیا گیا کہ رات، دن ہمیشہ اس حالت میں نہیں رہیں گے۔ آیت میں بھی "سرمد" سے یہی مراد لیا گیا ہے۔

"ویکان" کا معنی و ترکیب:

جب قارون اپنے خزانے سمیت زمین میں دھنسا دیا گیا تو جو لوگ پہلے اس کے مقام کی تمنا کرتے تھے یوں گویا ہوئے:

﴿وَاَصۡبَحَ الَّذِيۡنَ تَمَنَّوۡا مَكَانَهٗ بِالۡاَمۡسِ يَقُوۡلُوۡنَ وَيۡكَاَنَّ اللّٰهَ يَبۡسُطُ الرِّزۡقَ لِمَنۡ يَّشَآءُ مِنۡ عِبَادِهٖ وَيَقۡدِرُ﴾([3])

ترجمہ: اور صبح کی ان لوگوں نے جو کل تک اس کے مرتبے کی آرزو کر رہے تھے یہ کہتے ہوئے: (اوہو) اب پتا چلا کہ اللہ تعالیٰ کشادہ کر دیتا ہے رزق کو جس کیلئے چاہتا ہے اپنے بندوں سے اور تنگ کر دیتا ہے (جس کیلئے چاہتا ہے)

1۔ الشوکانی، **فتح القدیر**، 4/222

2۔ طرفۃ بن عبد، **دیوان طرفة بن عبد**، ص29

3۔ القصص:82

آیت میں موجود لفظ ”ویکان“ کی وضاحت کرتے ہوئے امام شوکانیؒ فرماتے ہیں کہ عربوں میں جب کوئی شخص ندامت کا اظہار کرتا تو کہتا ہے ”وی“ امام جوہری کے نزدیک یہ کلمہ تعجب ہے اسے ”ویک“ پڑھا جاتا ہے۔ ایک قول یہ ہے کہ ”وی“ کا کلمہ ”کان“ مشددہ اور مخففہ دونوں پر داخل ہوتا ہے۔ خلیل کے نزدیک ”وی“ اور ”کان“ کو فصل کے ساتھ پڑھا جاتا ہے۔ فراء کے نزدیک یہ کلمہ تقریر ہے ایک قول یہ ہے کہ یہ ”الا“ حرف تنبیہ کے قائم مقام کلمہ ہے جبکہ قطرب کے نزدیک یہ لفظ ”ویلک“ ہے اور لام کو حذف کر دیا گیا ہے۔([1])

شعر جاہلی سے استشہاد:

قطرب کے قول کی تائید عنترہ کے اس قول سے ہوتی ہے:

ولقد شفا نفسی وابرأ سقمها قول الفوارس ویک عنتر اقدم([2])

ترجمہ:۔ شاہسواروں کی اس بات نے میرے نفس کو شفا دی اور اس کی بیماری کو ٹھیک کر دیا کہ اے عنتر تو ہلاک ہو! آگے بڑھ۔

محل استشہاد:۔

عنترہ کہتا ہے کہ مجھے شاہسواروں نے کہا ”ویک“! تو ہلاک ہو۔ یہ لفظ اصل میں ”ویلک“ ہے یہاں لام حذف کیا گیا ہے۔ اسی طرح ”ویکان“ میں لفظ ”ویلک‘ان“ تھا لام کو حذف کیا گیا۔ ”ویکان “ ہو گیا۔ گویا ”ویلک“ میں لام کا حذف جاہلیت میں رائج تھا۔

”وَجْهَهٗ“ کا معنی اور استثناء کے بعد اعراب:

اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿وَلَا تَدْعُ مَعَ اللّٰهِ اِلٰهًا اٰخَرَ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ۔ کُلُّ شَیْءٍ هَالِکٌ اِلَّا وَجْهَهٗ۔ لَهُ الْحُکْمُ وَاِلَیْهِ تُرْجَعُوْنَ﴾([3])

ترجمہ: اور نہ پکارو اللہ تعالیٰ کے ساتھ کسی اور معبود کو نہیں ہے کوئی معبود بجز اس کے۔ ہر چیز ہلاک ہونے والی ہے سوائے اس کی ذات کے اسی کی حکمرانی ہے اور اس کی طرف تمہیں لوٹایا جائے گا۔

امام شوکانیؒ فرماتے ہیں کہ ”وجهه“ سے مراد ذات باری تعالیٰ ہے۔ زجاج کے بقول ”وجهه“، استثناء کی وجہ سے منصوب ہے (کیونکہ مستثنیٰ، کلام موجب میں الا کے بعد واقع ہوا ہے) اور اگر قرآن کے علاوہ میں یہ جملہ استعمال ہوتا ہے ”وجهه“ مرفوع ہوتا اور رفع کی علت الا کے غیر کے معنی میں استعمال ہوتا۔([4])

1۔ الشوکانی، **فتح القدیر**، 225/4

2۔ عنترہ بن شداد العبسی، **دیوان عنتر**، ص83

3۔ القصص:88

4۔ الشوکانی، **فتح القدیر**، 226/4

شعر جاہلی سے استشہاد:

"الا" کا غیر کے معنی میں استعمال ہونا اور مستثنٰی کا مرفوع ہونا عمرو بن معدیکرب کے شعر میں یوں بیان ہے:

وکل اخ مفارقه اخوه   لعمر ابیک الا الفرقدان[1]

ترجمہ:۔ تیرے باپ کی عمر کی قسم! ہر بھائی اپنے بھائی سے جدا ہو کر رہے گا ماسوائے فرقدان[2] کے

محل استشہاد:۔

شعر میں "الا غیر" کے معنی میں ہے شعر کا معنی ہے کہ کل "**اخ غیر الفرقدین مفارقه اخوه**" اب یہاں "الا" کے بعد "**الفرقدان**" مستثنٰی ہے اور مستثنٰی، حالت رفعی میں ہے۔ منصوب ہوتا تو "**الفرقدین**" ہوتا۔ "**الفرقدان**" حالت رفعی ہے گویا "الا" اگر غیر کے معنی میں ہے تو مستثنٰی کا اعراب مرفوع ہوتا ہے۔

"ان ناصبہ" کا حذف:

اللہ تعالیٰ نے تخلیق انسانی، زمین و آسمان کی تخلیق اور اپنی دیگر تخلیقات کو بطور نشانیاں ذکر کرتے ہوئے ایک نشانی یہ بیان فرمائی:

﴿وَمِنْ اٰيٰتِهٖ يُرِيْكُمُ الْبَرْقَ خَوْفًا وَّطَمَعًا وَّيُنَزِّلُ مِنَ السَّمَآءِ مَآءً فَيُحْيٖ بِهِ الْاَرْضَ بَعْدَ مَوْتِهَا ۔ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ لِّقَوْمٍ يَّعْقِلُوْنَ﴾[3]

ترجمہ: اور اس کی (قدرت کی) نشانیوں میں سے یہ بھی ہے کہ وہ دکھاتا ہے تمہیں بجلی ڈرانے اور امید دلانے کیلئے۔

یہاں آیت میں يُرِيْكُمُ سے پہلے ان ناصبہ محذوف ہے۔ اصل عبارت یوں ہے "{ وَمِنْ اٰيٰتِهٖ ان يُرِيْكُمُ " یہاں ان کے حذف کی وجہ یہ ہے کہ ماقبل اور مابعد میں اس منہج کی جتنی بھی آیات ہیں ان میں فعل سے پہلے ان ناصبہ کا ذکر موجود ہے۔ چنانچہ امام شوکانی فرماتے ہیں کہ دلالت کلام کی وجہ سے ان ناصبہ کو حذف کیا گیا۔ اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ اگر ان محذوف ہے تو اسے غیر عاملہ کیوں بنایا گیا حالانکہ ان ناصبہ حذف کے باوجود بھی عمل کرتا ہے۔ اس کا جواب امام شوکانی نے یہ دیا کہ جب ان ناصبہ کو بغیر کسی سبب کے حذف کر دیا جائے تو اس کا عمل باطل ہو جاتا ہے۔[4]

1۔ عمرو بن معدیکرب، **دیوان عمرو بن معدیکرب**، ص178

2۔ قطب شمالی کے دو ستارے کہ جن سے لوگ رہنمائی لیتے ہیں۔ (الزبیدی، **تاج العروس**، 8/491)

3۔ الروم:24

4۔ الشوکانی، **فتح القدیر**، 4/264

شعر جاہلی سے استشہاد

اس قول کی تائید میں امام شوکانی نے طرفۃ بن عبد کے معلقہ کے اس شعر کا ذکر کیا:

الا ایھذا اللائمی أحضر الوغیٰ　　　و ان اشھد اللذات ھل انت مخلدی[1]

ترجمہ اے مجھے اس بات پر ملامت کرنے والے کہ میں جنگ میں بھی موجود رہتا ہوں اور لذات میں بھی تو ذرا یہ بتا کہ (اگر میں ان اعمال کو چھوڑ دوں) تو کیا تو مجھے ہمیشہ کی زندگی عطا کر سکتا ہے۔

محل استشہاد

طرفہ کے اس شعر میں احضر الوغیٰ سے پہلے ان ناصبہ محذوف ہے۔ گو کہ و ان اشھد اللذات میں ان ناصبہ اس "احضر" سے پہلے ان پر دلالت کرتا ہے لیکن عمل نہیں کر رہا۔ معنوی حیثیت میں موجود ہونے کے باوجود احضر میں راء کو ضمہ کے ساتھ پڑھا گیا ہے۔ اسی طرح آیت میں یُرِیْکُمُ سے پہلے معنوی اعتبار سے ان ناصبہ موجود ہے لیکن یہ باء کو فتح نہیں دے گا۔ یُرِیْکُمُ میں باء کو حالت رفعی کے ساتھ پڑھا گیا ہے۔

اسی آیت کے تحت دوسری بحث کرتے ہوئے امام شوکانی خَوْفًا اور طَمَعًا کی تفسیر میں مختلف اقوال بیان کرتے ہیں۔ قتادہ کہتے ہیں کہ بجلی کا خوف مسافر کو ہوتا ہے جبکہ امید کا تعلق مقیم سے ہے وہ بارش کی آس لگائے رکھتا ہے۔ ضحاک کے بقول خوف کڑک کا ہے اور امید بادلوں میں ہے۔ یحییٰ بن سلام کا قول یہ ہے کہ سردی کا خوف ہے کہ وہ کھیتی کو ہلاک کر دے گی جبکہ بارش کی امید ہے کہ وہ کھیتی کو ہریالی دے گی جبکہ ابن بحر نے کہا کہ خوف اس بات کا ہے کہ برق کہیں برق خلب (جس میں کوئی بارش نہ ہو) نہ ہو اور طمع اس کی کہ اس کے ساتھ بارش ہو۔[2]

شعر جاہلی میں مذکورہ معنی

موخر الذکر معنی کی تائید میں امام شوکانی نے یہ شعر ذکر کیا۔ یہ شعر عمرو بن معدیکرب کا ہے۔

لا یکن برقک برقاً خلباً　　　ان خیر البرق ما الغیث معه[3]

ترجمہ تیری بجلی برق خلب نہ ہو۔ بہترین بجلی وہ ہوتی ہے جس کے ساتھ بارش ہو۔

وجہ استشہاد

شاعر نے برق خلب کے مقابلے میں ایسی برق کا ذکر کیا جس کے ساتھ بارش ہو۔ گویا برق خلب ایسی بجلی ہے جس کے ساتھ بارش نہیں ہوتی۔ آیت میں برق کے بعد خوف کا لفظ ذکر ہے جس کا معنی شعری تناظر میں یہ ہوا کہ

1۔ طرفہ بن العبد، **دیوان طرفۃ بن العبد**، ص25

2۔ الشوکانی، **فتح القدیر**، 4/264

3۔ عمرو بن معدیکرب، **دیوان عمرو بن معدیکرب**، ص208

خوف ہے کہ برق ایسی نہ ہو جس کے ساتھ بارش نہیں ہوتی اور طمع ایسی برق کی ہے جس کے ساتھ بارش کا بھی نزول ہوتا ہے۔

ھنَالِکَ کا بطور ظرف زمان استعمال ہونا

غزوہ احزاب کے موقع پر جب کفار مکہ کا بہت بڑا لشکر مسلمانوں نے دیکھا تو حیران و ششدر رہ گئے۔ خوف کی کیفیت طاری ہو گئی۔ اس مقام پر اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿ھنَالِکَ ابْتُلِیَ الْمُؤْمِنُوْنَ وَزُلْزِلُوْا زِلْزَالًا شَدِیْدًا﴾[1]

ترجمہ: اس موقع پر خوب آزمالیا گیا ایمان والوں کو اور وہ خوب سختی سے جھنجھوڑے گئے۔

یہاں ھنَالِکَ ظرف ہے اور مابعد فعل کی وجہ سے منصوب ہے۔ "ھنا" کا لفظ ظرف مکان قریب ہے جبکہ مکان بعید کیلئے "ھنالک" کا لفظ استعمال ہوتا ہے اور درمیانی مسافت کیلئے "ھنالک" کا استعمال ہوتا ہے۔ کبھی کبھی یہ لفظ ظرف زمان کیلئے بھی استعمال ہوتا ہے۔[2]

شعر جاہلی سے استشہاد

ھنالک کے ظرف زمان کیلئے استعمال کی دلیل یہ شعر ہے:

واذا الامور تعاظمت وتشاکلت　　فھنالک یعترفون این المفزع؟[3]

ترجمہ جب مشکلات بہت بڑھ جائیں اور (معاملات) پیچیدہ ہو جائیں تو اس وقت لوگ اقرار کرتے ہیں کہ (اصل) جائے پناہ کہاں ہے؟

وجہ استشہاد

شعر میں ھنالک کا لفظ ظرف زمان کے طور پر استعمال ہوا ہے کیونکہ شاعر مصائب و آلام کے وقت کی بات کرتا ہے گویا ھنالک کا لفظ ظرف زمان کے طور پر بھی استعمالہو تا ہے۔ اگر آیت میں ھنالک کا لفظ ظرف زمان کیلئے استعمال ہو تو پھر معنی ہو گا کہ اس وقت مومن آزمائے گئے۔ مودودی صاحب نے ترجمہ کرتے ہوئے ظرف زمان کا اعتبار کیا ہے[4]۔ جبکہ تبیان القرآن کے مصنف نے ظرف مکان کا اعتبار کیا ہے۔[5]

1۔ الاحزاب:11

2۔ الشوکانی، **فتح القدیر**، 4/319

3۔ الافوۃ الاودی، **دیوان الافوۃ الاودی**، ص 91

4۔ مودودی، ***تفہیم القرآن***، 4/76۔ (اس وقت ایمان والے خوب آزمائے گئے)۔

5۔ سعیدی، **تبیان القرآن**، 9/386۔ (اس موقع پر مومنوں کی آزمائش کی گئی تھی)۔

" خُشَّعاً أَبۡصارُهُمۡ "کی نحوی بحث کا شعر جاہلی سے استشہاد

قیامت کے دن جب کفار کو ان کی قبروں سے اٹھایا جائیگا تو ان کی حالت یہ ہو گی:

﴿خُشَّعاً أَبۡصارُهُمۡ يَخۡرُجُونَ مِنَ الۡأَجۡداثِ كَأَنَّهُمۡ جَرادٌ مُنۡتَشِرٌ﴾(1)

ترجمہ:۔ خوف سے ان کی آنکھیں جھکی ہوں گی قبروں سے یوں نکلیں گے جیسے وہ پراگندہ ٹڈیاں ہیں۔

خشعا، خاشع کی جمع ہے۔ بقول امام شوکانی کے حمزہ، کسائی اور ابو عمرو نے اسے خاشعاً پڑھا ہے جبکہ ابن مسعود کی قرأت میں خاشعۃ آیا ہے۔ علم نحو کا اصول قراء نے بیان کیا کہ صفت کا صیغہ جب جمع سے پہلے آئے تو اس کی تذکیر و تانیث اور افراد و جمع جائز ہوتی ہے۔(2)

اسی بنا پر جمہور نے جمع کی قرأت اختیار کی۔ حمزہ، کسائی اور ابو عمرو نے واحد مذکر جبکہ ابن مسعود نے واحد مونث کی قرأت اختیار کی۔ امام شوکانی نے دلیل کے طور پر امرؤالقیس کے معلقہ کا یہ شعر ذکر کیا:

وقوفا بها صحبی علی مطیهم　　یقولون لا تهلک اسی و تجمل(3)

ترجمہ:۔ میرے دوست میرے پاس اپنی سواریوں کو روک کر کہہ رہے تھے کہ غم کی وجہ سے رو رو کر ہلکان نہ ہو اور صبر جمیل اختیار کر۔

تجزیہ

امام شوکانی نے یہ شعر جمہور کی قرأت کی تائید میں ذکر کیا ہے۔ وقوفا، صحبی سے حال بن رہا ہے۔ صحب، صاحب کی جمع ہے۔ ذوالحال جب جمع ہے اور وقوفا سے موخر ہے تو وقوفا کی تقدیم کی وجہ سے اس کی تذکیر و تانیث، واحد اور جمع ہونا سب جائز ہے۔ وقوفاً بھا کا معنی ہے۔ واقفین علیہا۔ اب وقوفا چونکہ مصدر ہے اور مصدر کی تذکیر و تانیث اور افراد و جمع کی حالت نہیں ہوتی اس لئے یہ ایسے ہی مذکور ہو گا۔ اب چونکہ دلالت اسم فاعل پر ہے تو اگر اسم فاعل مذکور ہوتا تو واقف، واقفۃ اور واقفین کی تینوں صورتیں جائز ہوتیں۔ بہتر ہوتا کہ امام شوکانی تائید میں ایسا شعر لاتے جس میں اسم فاعل کا ذکر ہوتا۔ تب خشعاً، خاشعا اور خاشعۃ کی قرأت کا فرق واضح ہوتا۔ مصدر کے ذکر سے فرق کی مناسبت واضح نہیں ہوتی۔

"كَمَثَلِ الۡحِمَارِ يَحۡمِلُ اَسۡفَارًا" کی نحوی بحث کا شعر جاہلی سے استشہاد

1۔ القمر:7

2۔ الشوکانی، **فتح القدیر**، 5/146

3۔ امرؤالقیس، **دیوان امرء القیس**، 1/24

اہل یہود میں سے جنہوں نے تورات پر عمل کرنا ترک کیا ان کے متعلق اللہ کریم نے فرمایا:

﴿مَثَلُ الَّذِيْنَ حُمِّلُوا التَّوْرٰةَ ثُمَّ لَمْ يَحْمِلُوْهَا كَمَثَلِ الْحِمَارِ يَحْمِلُ اَسْفَارًا﴾[1]

ترجمہ:۔ ان کی مثال جنہیں تورات کا حامل بنایا گیا تھا پھر انہوں نے اس کا بار نہ اٹھایا اس گدھے کی سی ہے جس نے بھاری کتابیں اٹھا رکھی ہوں۔

آیت میں "الحمار" کے لفظ پر "ال" داخل ہے اس کے بعد "یحمل اسفارا" جملہ ہے۔ معرفہ کے بعد جملہ آئے تو حال بنتا ہے اور نکرہ کے بعد جملہ آئے تو صفت واقع ہوتا ہے اب الحمار کا لفظ معرفہ ہے یا نکرہ یہ بات محل بحث ہے۔ امام شوکانی نے دونوں اقوال ذکر کئے ہیں پہلا یہ کہ یحمل کا لفظ حال ہونے کی بنا پر محل نصب میں ہے۔ دوسرا یہ کہ یہ خمار کی صفت بن رہا ہے کیونکہ الحمار کا لفظ کسی خمار معین پر دلالت نہیں کرتا لہٰذا نکرہ ہے اس لئے الحمار موصوف ہے اور مابعد جملہ صفت واقع ہو رہا ہے۔ اس اصول کی تائید میں امام شوکانی نے یہ شعر بغیر انتساب کے ذکر کیا:

ولقد امر علی اللئیم یسبنی　　　فمضیت ثم وقلت لا یعنینی[2]

ترجمہ:۔ میں ایسے کمینے آدمی کے پاس سے گزر جاتا ہوں جو مجھے گالیاں دے رہا ہوتا ہے میں گزر جاتا ہوں اور کہتا ہوں کہ وہ مجھ سے مخاطب نہیں ہے۔

تجزیہ

شعر میں **اللئیم** کا لفظ محل استشہاد ہے۔ **اللئیم** پر "ال" آیا ہے۔ اب اگر اسے معرفہ شمار کیا جائے تو یسبنی فعل، فاعل اور مفعول ملکر جملہ فعلیہ، حال بنے گا اور اگر اسے نکر شمار کیا جائے تو یہ موصوف بنے گا اور مابعد جملہ صفت واقع ہو گا۔ اب شعر کا حال یہ ہے کہ اس شعر میں شاعر اپنے حلم اور بردباری کا تذکرہ کرتا ہے۔ علم اور بردباری کی تعریف تبھی ممکن ہے جب شعر میں مذکور معاملے کا اختصاص کسی فرد معین کے ساتھ نہ ہو بلکہ اس میں عموم پایا جائے۔ اب فرد معین سے اختصاص نہ ہونے کی وجہ سے "ال" عہد خارجی کا نہیں ہو سکتا۔ یہاں "ال" جنسی بھی نہیں ہو سکتا کیونکہ شعر میں لئیم پر مرور واقع ہوا ہے اور مرور جنس شے یا حقیقت شے پر واقع نہیں ہوتا۔ لہٰذا "ال" جنسی نہیں

1۔ الجمعۃ:5

2۔ یہ شعر بہت سے مفسرین نے لکھا لیکن کسی نے بھی اس کا انتساب کسی معین شخص کی طرف نہیں کیا، بعض نے اتنا کہہ دیا" قال رجل من بنی سلول" لیکن کسی نے بھی کسی شاعر کا نام نہیں ذکر کیا۔(طبری، **تفسیر طبری**،2/109۔/-الزمخشری۔**تفسیر الکشاف**،1/59)

ہے اسغراقی بھی نہیں ہو سکتا کیونکہ دنیا کے تمام کمینوں کے پاس سے گزرنا ممکن نہیں۔ لہٰذا "آل" عہد ذہنی کا متحقق ہوتا ہے اور ال عہد ذہنی کا نکرہ کے حکم میں ہوتا ہے لہٰذا اللئیم موصوف ہے اور یسبنی صفت ہے۔ اسی طرح آیت میں الحمار کے لفظ "ال" عہد ذہنی کا ہے۔ کوئی مخصوص فرد مراد نہیں ہے۔ عہد ذہنی کی وجہ سے یہ نکرہ ہے تو موصوف ہوگا اور "یحمل اسفارا" کا جملہ اس کی صفت واقع ہوگا۔ بیضاوی نے "**غیر المغضوب علیھم**"([1]) کی تفسیر میں یہی بحث ذکر کی ہے اور مذکورہ شعر سے ہی استشہاد کیا ہے۔([2])

1-الفاتحہ:7

2-البیضاوی، **انوار التنزیل واسرار التاویل**، 1/ 31

فصل سوم: اعراب کی تبدیلی سے آیات کے معنی و مفہوم میں فرق اور جاہلی شاعری سے استشہاد (جری حالت)

لفظ جمع بول کر واحد مراد لینے پر شعر جاہلی سے استشہاد

اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿قُلۡ لَّوۡ كَانَ الۡبَحۡرُ مِدَادًا لِّكَلِمٰتِ رَبِّیۡ لَنَفِدَ الۡبَحۡرُ قَبۡلَ اَنۡ تَنۡفَدَ كَلِمٰتُ رَبِّیۡ وَلَوۡ جِئۡنَا بِمِثۡلِهٖ مَدَدًا﴾ ([1])

ترجمہ: آپ کہیے اگر میرے رب کے کلمات (کو لکھنے) کیلئے سمندر سیاہی بن جائے تو میرے رب کے کلمات کے ختم ہونے سے پہلے ضرور سمندر ختم ہو جائے گا خواہ ہم اس کی مدد کیلئے اتنا ہی سمندر اور لے آئیں۔

تفسیر:۔

امام شوکانیؒ نے "کلمات" کہ جن کے لکھنے سے سمندر کی روشنائی عاجز آ جائے کی مراد متعین کرتے ہوئے فرمایا کہ اس سے مراد کلام قدیم ہے۔ اس پر امام شوکانی نے خود اعتراض اٹھایا اور خود ہی جواب دیا۔ اعتراض یہ ہے کہ کلمات کا لفظ جمع ہے اور معنی آپ نے کلام قدیم کا لیا ہے۔ کلام قدیم تو واحد ہے۔ جمع بول کر واحد کیسے مراد لیا جا سکتا ہے۔ اس کا جواب امام شوکانی نے یہ دیا کہ لغت عرب میں جمع کا لفظ بول واحد مراد لیا جانا رائج ہے ([2])۔

شعر جاہلی سے استشہاد:

اس جواب پر دلیل امام شوکانیؒ اعشیٰ کے اس شعر سے دیتے ہیں:

و وجه نقی اللون صاف یزینة　　　مع الجید لبات لها و معاصم ([3])

ترجمہ:۔ صاف ستھری رنگت کا چہرہ اسے بھاتا ہے اس کا گلہ اور کلائیاں بھی بہت عمدگی سے (حسن میں اضافہ کرتی ہیں)۔

وجہ استشہاد:۔

لبات، لبۃ کی جمع ہے اس کا معنی گلہ ہے گلہ چونکہ ایک ہی ہوتا ہے تو گویا جمع کا لفظ بول کر مراد واحد لیا گیا ہے۔ اسی طرح کلمات کا لفظ جمع بول کر مراد کلام قدیم واحد لیا گیا ہے۔

فی بمعنی علی:

1۔ الکہف:109

2۔ الشوکانی، **فتح القدیر**، 3/471

3۔ اعشیٰ، **دیوان الاعشیٰ الکبیر**، ص77۔ دیوان میں "مع الجید" کی جگہ "مع الحلی" کے کلمات ہیں۔

اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿قَالَ اٰمَنْتُمْ لَهٗ قَبْلَ اَنْ اٰذَنَ لَكُمْ۔ اِنَّهٗ لَكَبِيْرُكُمُ الَّذِىْ عَلَّمَكُمُ السِّحْرَ۔ فَلَاُقَطِّعَنَّ اَيْدِيَكُمْ وَاَرْجُلَكُمْ مِّنْ خِلَافٍ وَّلَاُوصَلِّبَنَّكُمْ فِىْ جُذُوْعِ النَّخْلِ وَلَتَعْلَمُنَّ اَيُّنَآ اَشَدُّ عَذَابًا وَّاَبْقٰى﴾ "([1])

ترجمہ: اس (فرعون) نے کہا تم میری اجازت دینے سے پہلے اس پر ایمان لے آئے بے شک یہی تمہارا وہ بزرگ ہے جس نے تم کو جادو سکھایا ہے سو میں ضرور تمہارے ہاتھ پاؤں مخالف جانب سے کاٹوں گا اور تم کو ضرور کھجور کے تنوں پر سولی چڑھاؤں گا اور تم ضرور جان لوگے کہ ہم میں سے کس کا عذاب زیادہ سخت اور زیادہ دیرپا ہے

"وَلَاُوصَلِّبَنَّكُمْ فِىْ جُذُوْعِ النَّخْلِ"کا معنی ہے علی جذوع النخل۔ فی، علی کے معنی میں ہے جیسے سورۃ والطور میں ہے۔ ﴿اَمْ لَهُمْ سُلَّمٌ يَّسْتَمِعُوْنَ فِيْهِ﴾ ([2])

فیہ کا معنی ہے علیہ ([3])

شعر جاہلی سے استشہاد:

سوید بن ابی کاہل کا شعر ہے

هم صلبوا العبدى فى جذع نخلة   فلا عطست شيبان الا بآجدعها([4])

ترجمہ: انہوں نے میرے غلام کو کھجور کے تنے پر پھانسی دی پس بنو شیبان چھینک بھی نہیں مارتے مگر کٹی ہوئی ناک کے ساتھ۔ یہاں فی جذع نخلۃ، علی جذع نخلۃ کے معنی میں ہے۔

بالحاد میں باء کا عاملہ یا زائدہ ہونا:

اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿اِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَيَصُدُّوْنَ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَالْمَسْجِدِ الْحَرَامِ الَّذِىْ جَعَلْنٰهُ لِلنَّاسِ سَوَآءَنِ الْعَاكِفُ فِيْهِ وَالْبَادِ۔ وَمَنْ يُّرِدْ فِيْهِ بِاِلْحَادٍ بِظُلْمٍ نُّذِقْهُ مِنْ عَذَابٍ اَلِيْمٍ﴾ ([5])

1۔ طہٰ:71

2۔ الطور:38

3۔ الشوکانی، **فتح القدیر**، 3/471

4۔ الیشکری، سوید بن ابی کاہل، **دیوان سوید بن ابی کاهل الیشکری**، تحقیق: شاکر العاشور (عراق: دار الطباعۃ الحدیثیہ، ط1972م)، ص45

5۔ الحج:25

ترجمہ: بے شک جن لوگوں نے کفر کیا اور وہ اللہ کے راستے سے روکنے لگے اور اس مسجد حرام سے جس کو ہم نے لوگوں کیلئے مساوی بنایا ہے خواہ وہ اس مسجد میں معتکف ہوں یا باہر سے ہیں اور جو اس مسجد میں ظلم کے ساتھ زیادتی کا ارادہ کرے ہم اس کو دردناک عذاب چکھائیں گے۔

تفسیر:

امام شوکانیؒ فرماتے ہیں کہ الحاد کا لغوی معنی ہے مائل ہونا، میلان، نیکی اور برائی دونوں طرف ہو سکتا ہے لہٰذا اللہ تعالیٰ نے الحاد کے لفظ کو ظلم کے ساتھ مقید فرمایا ہے۔ ظلم سے مراد کیا ہے اس بارے میں امام صاحب نے مختلف اقوال بیان کئے ایک یہ کہ اس سے مراد شرک ہے ایک قول یہ کہ شرک اور قتل دونوں مراد ہیں۔ ایک قول یہ کہ حرم کے حیوانات کا شکار کرنا اور درختوں کو کاٹنا۔ ایک یہ کہ گناہ کرنے کی قسم کھانا، ایک یہ کہ حرم میں گناہ کرنا مراد ہے۔ امام شوکانیؒ فرماتے ہیں کہ آیت میں بیان کردہ سزا محض ارادہ معصیت پر بیان کی گئی ہے اگرچہ اس امت کیلئے نفس میں آنے والے بات معاف ہے جب تک اس کے مطابق قول یا عمل نہ کیا جائے لیکن اس آیت میں محض ارادہ پر بھی سزا کی وعید سنائی گئی ہے۔ اس کی مثال نبی علیہ السلام کی یہ حدیث ہے:

((اذا التقی المسلمان بسیفهما فالقاتل و المقتول فی النار))

یعنی جب دو مسلمان تلواریں لے کر آمنے سامنے آتے ہیں تو قاتل اور مقتول دونوں جہنمی ہیں۔

صحابہ کرام نے عرض کی: یا رسول اللہ! قاتل تو جہنمی ہے لیکن مقتول کیوں جہنمی ہو گا؟۔ حضور ﷺ نے فرمایا: "**((انه کان حریصاً علی قتل صاحبه))**۔ گویا محض ارادہ قتل کی وجہ سے مقتول بھی جہنمی ہو گا۔

آیت کا معنی بھی اسی حدیث کے مطابق ہے کہ مسجد حرام میں محض ارادہ معصیت پر بھی پکڑ ہو گی۔ الحاد میں باء عاملہ سے یا زائدہ؟ اس پر بحث کرتے ہوئے امام شوکانیؒ فرماتے ہیں کہ اگر یہ "یرِد" کا مفعول قرار دیا جائے تو زائدہ نہیں ہے وگرنہ زائدہ ہو گا۔([1])

شعر جاہلی سے استشہاد:

امام شوکانیؒ نے باء کے زائدہ ہونے کی دلیل اس شعر سے بیان کیا:

نحن بنو جعدة اصحاب الفلج　　　نضرب بالسیف و نرجو بالفرج([2])

ترجمہ:۔ ہم بنو جعدہ فلج شہر کے باسی ہیں ہم تلوار سے قتل کرتے ہیں اور خوشحالی کی امید رکھتے ہیں۔

1۔ الشوکانی، **فتح القدیر**، 3/557

2۔ نابغہ الجعدی، **دیوان نابغہ الجعدی**، ص48

وجہ استشہاد:۔

اس شعر میں "رجاء" مصدر سے نرجو فعل کیلئے محض الفرج کا الفظ مفعول کے طور پر کفایت کرتا تھا۔ نرجو، حرف جار کا تقاضا نہیں کرتا، لیکن اس کا ذکر وزن شعری کیلئے کیا گیا۔ اعراب میں محل نہ ہونے کی بناء پر زائدہ ہے۔

لام کا الی کے معنی میں استعمال:۔

اللہ تعالیٰ نے فرمایا:﴿اُولٰئِکَ یُسٰرِعُوْنَ فِی الْخَیْرٰتِ وَھُمْ لَھَا سٰبِقُوْنَ﴾ ([1])

ترجمہ: وہ لوگ نیک کاموں میں جلدی کرتے ہیں اور وہی نیکیوں میں سب سے بڑھنے والے ہیں۔

امام شوکانیؒ "وھم لھا سابقون" میں لام حرف جر پر بحث کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ لام تقویت کیلئے ذکر کیا گیا ہے معنی یہ ہے کہ وہ نیکی کے کاموں کی طرف ذوق و شوق سے بڑھنے والے ہیں۔ ایک قول یہ ہے کہ لام، الیٰ کے معنی میں ہے اس قول کی تائید امام شوکانیؒ ایک آیت اور ایک شعر سے کرتے ہیں۔ آیت (بِاَنَّ رَبَّکَ اَوْحٰی لَھَا) ([2]) میں لام، الی کی معنی میں مستعمل ہے۔ ([3])

شعر جاہلی:

لام کے الی کے معنی میں استعمال ہونا اعشی کے اس شعر میں موجود ہے:

تجانف عن اهل اليمامة ناقتی　　　وما قصدت من اهلها لسوائكا ([4])

ترجمہ:۔ میری اونٹی اہل یمامہ سے دور ہٹ گئی (حتی کہ) اس نے تیرے سوا اپنے اہل کا قصد نہ کیا۔

وجہ استشہاد:۔

شعر لسوائک میں لام، الیٰ کے معنی میں مستعمل ہے۔ قصد کے ساتھ الیٰ حرف جر کا صلہ آتا ہے۔ لام کے ذکر سے الیٰ مراد لی گئی۔ یہی محل استشہاد ہے۔

"باءبمعنی عن" کا شعر جاہلی سے استشہاد

اللہ تعالیٰ نے فرمایا:﴿اَلرَّحْمٰنُ فَسْئَلْ بِہٖ خَبِیْرًا﴾ ([5])

ترجمہ: وہ رحمٰن ہے سو پوچھ اس کے بارے میں کسی واقف حال سے

1۔ المؤمنون:61

2۔ الزلزال:5

3۔ الشوکانی، **فتح القدیر**، 3/607

4۔ اعشیٰ، **دیوان الاعشیٰ الکبیر**، ص89

5۔ الفرقان:59

اعتراض یہ ہے کہ فاسئل کے ساتھ عن حرف جر کا صلہ آنا چاہیے تھا باء کا صلہ کیوں آیا۔ امام شوکانیؒ نے اس کا جواب زجاج اور اخفش کے حوالے سے دیا کہ باء عن کے معنی میں ہے یعنی " فَسۡـَٔلۡ بِهٖ خَبِيۡرًا " کا معنی ہے "فاسئل عنه خبيراً" ([1])

شعر جاہلی سے استشہاد:

امام شوکانیؒ نے باء بمعنی عن کی تائید میں دو اشعار جاہلیہ بیان کئے ہیں دونوں کا انتساب امرؤالقیس کی طرف ہے جو کہ صحیح نہیں ہے پہلا شعر عنترہ بن شداد کے معلقہ کا ہے جبکہ دوسرا شعر علقمہ بن عبدۃ کا ہے۔

عنترہ نے کہا:

هلا سألت الخيل يا ابنة مالك ان كنت جاهلة بمالم تعلم ([2])

ترجمہ:۔ اے مالک کی بیٹی! اگر تو ناواقف تھی اور نہیں جانتی تھی تو گھڑ سواروں سے (میری شجاعت کے متعلق) پوچھا کیوں نہیں؟ (جو میدان جنگ میں میرے ساتھ تھے)۔

دوسرا شعر علقمہ بن عبدۃ کا ہے اس نے کہا:

فانى تسألونى بالنسآء فاننى خبير بأدواء النسآء طبيب ([3])

ترجمہ:۔ اگر تم مجھ سے عورتوں کے بارے میں سوال کرتے ہو تو (جان لو) کہ میں عورتوں کے امراض سے اچھی طرح واقف ہوں (اور اچھا) طبیب ہوں۔

محل استشہاد:۔

پہلے شعر میں سالت الخیل کے بعد "**بمالم تعلم**" کی جگہ "**عمالم تعلم**" ہونا چاہیے تھا اور دوسرے شعر میں "**تسالونى بالنسآء**" کی بجائے "**عن النسآء**" کا لفظ ہونا چاہیے تھا سوال کے ساتھ عن حرف جار کا صلہ آتا ہے لیکن یہاں باء، عن کے معنی میں استعمال ہوا۔ گویا باء کا عن کے معنی میں استعمال جاہلیت میں رائج تھا۔ آیت میں بھی "**فاسئل به' فاسئل عنه**" کے معنی میں ہے۔

"اِلٰى رَبِّهَا نَاظِرَةٌ" میں اختلاف کی شعر جاہلی سے وضاحت

آخرت میں اہل ایمان کی رویت باری تعالیٰ کی کیفیت بیان کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

1۔ الشوکانی، **فتح القدير**، 4/103

2۔ عنترہ بن شداد، **ديوان عنتر**، ص82

3۔ علقمہ بن عبدۃ، دیوان علقمہ بن الفحل، ص24۔ دیوان میں خبیر کی بجائے بصیر کا لفظ آیا ہے۔

﴿الٰی رَبِّھَا نَاظِرَۃٌ﴾[1]

ترجمہ:۔(اور) اپنے پروردگار کے محو دیدار ہوں گے۔

"ناظرۃ" اسم فاعل کا واحد مونث کا صیغہ ہے۔ اس کا مادہ اشتقاق "نظر" ہے۔ اس کا معنی دیکھنا ہے یا انتظار کرنا؟ اس حوالے سے بحث کرتے ہوئے امام شوکانی فرماتے ہیں:

"ناظرۃ کا لفظ نظر سے مشتق ہے۔ اس کا معنی یہ ہے کہ اہل ایمان اپنے خالق کو دیکھ رہے ہوں گے۔ جمہور اہل علم کہتے ہیں کہ اس سے مراد وہی ہے جو تواتر سے احادیث صحیحہ میں وارد ہوا ہے کہ بروز قیامت بندے اپنے رب کو ایسے دیکھیں گے جیسے چودھویں کے چاند کو دیکھتے ہیں۔[2] ابن کثیر کے بقول اس پر صحابہ، تابعین اور سلف صالحین کا اجماع ہے۔ مجاہد کے نزدیک ناظرۃ بمعنی انتظار ہے۔ یعنی لوگ اپنے اعمال کی جزاء کا انتظار کر رہے ہوں گے۔ ازہری کہتے ہیں کہ مجاہد نے یہ قول کر کے خطا کی ہے۔ کیونکہ "نظر الی کذا" کہہ کر انتظار کا معنی نہیں لیا جاتا۔ جب بھی کہنے والا کہے کہ "نظرت الی فلان" تو اس سے آنکھ سے دیکھنا مراد ہوتا ہے۔ اگر انتظار کا معنی لینا ہو تو "نظرتہ" کا لفظ استعمال ہوتا ہے"۔[3] امام شوکانی نے دلیل کے طور پر دو اشعار جاہلیہ کا تذکرہ کیا۔ دونوں اشعار امرؤالقیس کے ہیں:

فانکما ان تنظرانی ساعۃ　　　من الدھر تنفعنی لدی ام جندب[4]

ترجمہ:۔ اگر تم دونوں مجھے کچھ وقت انتظار کا موقع دو تو ام جندب کے ہاں مجھے (یقیناً) فائدہ ہوگا۔

دوسری مقام پر امرؤالقیس نے کہا:

نظرت الیھا والنجوم کانھا　　　مصابیح رھبان تشب لقفال[5]

ترجمہ:۔ میں نے اس (محبوبہ) کی طرف دیکھا جبکہ ستارے گویا کہ راہوں کے چراغ ہیں جو قافلوں کیلئے اونچی جگہ روشن کئے جاتے ہیں۔

تجزیہ

1۔ القیامۃ:23

2۔ امام بخاری نے یہ حدیث حضرت جریر سے روایت کی۔ انہوں نے کہا: خرج علینا رسول اللہ ﷺ لیلۃ البدر، فقال: انکم سترون ربکم یوم القیامۃ کما ترون ھذا لا تضامون فی رویتہ۔ (البخاری، **الجامع الصحیح**، 1/145)

3۔ الشوکانی، **فتح القدیر**، 5/401

4۔ امرءالقیس، **دیوان امرؤالقیس**، 1/74

5۔ امرءالقیس، **دیوان امرؤالقیس**، 1/137

پہلے شعر میں تنظرانی کا لفظ اور دوسرے شعر میں نظرت الیھا کے الفاظ محل استشہاد ہیں۔ پہلے شعر میں امرؤالقیس اپنے دو رفقاء کو مخاطب کرتا ہے کیونکہ اس قصیدہ کے پہلے شعر میں "خلیلی مرا"[1] کے الفاظ ہیں۔ شاعر اپنے دونوں ساتھیوں کو کچھ وقت انتظار کرنے کا کہتا ہے جس پر دو قرائن دلالت کرتے ہیں ایک یہ کہ تنظرانی میں یاء ضمیر مفعول ذکر کی گئی ہے اور الیٰ حرف جر کا صلہ مذکور نہیں ہے جبکہ دوسرا قرینہ "ساعۃ" کا ہے گویا شاعر پل بھر انتظار کرنے کی درخواست کر رہا ہے لہٰذا تنظرانی کا معنی انتظار کرنا ہے۔ دوسرے شعر میں شاعر اپنی محبوبہ کے حسن کی تعریف کر رہا ہے۔ محبوبہ کے چہرے کو راہبوں کے چراغ سے تشبیہ دے رہا ہے۔ نظرت الیھا کے لفظ بول کے کہہ رہا ہے کہ میں نے اس کا چہرہ دیکھا۔ گویا نظر کے ساتھ جب الی حرف جر آئے تو یہ دیکھنے کا معنی دیتا ہے ان دو اشعار سے یہ بات ثابت ہوئی کہ کلام عرب میں اگر نظر سے انتظار کا معنی لئے جائیں تو الیٰ حرف جر ذکر نہیں کیا جاتا۔ نظر کے بعد مفعول ذکر کر دیا جاتا ہے اور اگر دیکھنے کا معنی لینا ہو تو الیٰ حرف جر ذکر کیا جاتا ہے۔ لہٰذا آیت کا معنی رویت باری تعالیٰ کا ہو گا۔ ثواب کا انتظار معنی صحیح نہیں ہے۔ معارف القرآن میں آیت کا ترجمہ کیا گیا" اپنے رب کی طرف دیکھنے والے "[2]

1۔ امرءالقیس، **دیوان امرؤالقیس**، 1/137

2۔ کاندھلوی، **معارف القرآن**، 8/302

باب چہارم: تفسیر فتح القدیر میں جاہلی شاعری سے علم بلاغت سے متعلق استشہاد

فصل اول: علم بیان سے متعلق جاہلی شاعری سے استشہاد

فصل دوم: علم بدیع سے متعلق جاہلی شاعری سے استشہاد

فصل سوم: علم معانی سے متعلق جاہلی شاعری سے استشہاد

باب چہارم: تفسیر فتح القدیر میں جاہلی شاعری سے علم بلاغت سے متعلق

استشہاد

علم بلاغت سے مراد ایسا علم ہے جس سے کلام میں دلکشی پیدا ہوتی ہے دلکشی پیدا ہونے کے لیے ضروری ہے کہ وہ کلام حال سے مطابقت رکھتا ہو یعنی جو موقع محل جس قدر کلام کا متقاضی ہو اس تقاضے کو ملحوظ خاطر رکھ کر اسی قدر کلام کیا جائے۔ علم بلاغت کی تین اقسام ہیں علم البیان 'علم المعانی اور علم البدیع۔ اسی مناسبت سے اس باب کو تین فصول میں تقسیم کیا گیا ہے

فصل اول علم البیان سے متعلق ہے۔ بیان کا معنی واضح کرنا اور روشن کرنا کے ہیں اس سے مراد وہ علم ہے جس کے ذریعے ایک معنی کو مختلف طریقوں سے بیان کرنے کا سلیقہ حاصل ہوتا ہے اس کے تحت تشبیہ 'استعارہ' کنایہ اور مجاز مرسل کی ابحاث ذکر کی جاتی ہیں۔

دوسری فصل علم بدیع سے متعلق ہے یہ وہ علم ہے جس میں صنائع لفظی و معنوی بیان کیے جاتے ہیں یہ ثنائے صرف کلام کی آرائش کے لیے ہوتے ہیں ان کے بر موقع استعمال سے کلام میں معنویت اور لطافت پیدا ہوتی ہے۔ اس میں صنعت تضاد 'ایہام 'توریہ 'لف ونشر 'تمثیل اور حسن تعلیل وغیرہ کی صنعتیں شامل ہیں۔

تیسری فصل علم المعانی سے متعلق ہے علم معانی کے قواعد مستحضر رکھنے سے کلمہ وکلام کے بر موقع استعمال سے شناسائی ملتی ہے اس علم میں یہ بتایا جاتا ہے کہ جملہ خبریہ کتنے فائدوں کے لیے اتا ہے اور جملہ انشائیہ کتنے فائدوں کے لیے؟ مبتدا کہاں مذکور ہوتا ہے اور کہاں محذوف؟ اور اسی طرح خبر کہاں مذکور ہوتی ہے اور کہاں محذوف؟ نیز ان دونوں کی تقدیم وتاخیر سے کیا اثرات ظاہر ہوتے ہیں۔

اب یہاں ان تینوں کے تحت امام شوکانی کے جاہلی اشعار سے استشہاد کی نوعیت کی تفصیل بیان کی جاتی ہے۔

فصل اول: علم بیان سے متعلق جاہلی شاعری سے استشہاد

قرآن مجید ایسی فصیح و بلیغ کلام پر مشتمل ہے کہ جس کی فصاحت و بلاغت کے سامنے عرب فصحاء و بلغاء کی فصاحت و بلاغت نہ صرف ماند پڑ گئی بلکہ بار بار چیلنج کرنے کے باوجود قرآن مجید کی سب سے چھوٹی سورت کی مثل بھی لانے سے عاجز آ گئے۔ قرآن مجید میں غور کریں تو اس میں وجوہ خطاب بھی مختلف ہیں اور ان وجوہ میں اعتدال اور توازن بھی پایا جاتا ہے۔ کہیں قصص و مواعظ ہیں، کہیں حلال و حرام کا ذکر، کہیں وعدہ و وعید ہے تو کہیں تخویف و تبشیر، کہیں اخلاق حسنہ اور کہیں حقائق کائنات اور اُس کے اسرار و رموز کا بیان ہے۔ لیکن یہ کتاب ہر فن میں فصاحت و بلاغت کے اس اعلیٰ درجے پر فائز ہے جو بشری طاقت سے باہر ہے۔ اس ضمن میں علوم بلاغت کے علم البیان، علم البدیع اور علم المعانی کی تفہیم از حد ضروری ہے۔

علم بیان کا مفہوم، اہمیت اور مثالیں

امام سعد الدین تفتازانی علم البیان کی تعریف کرتے ہوئے ارشاد فرماتے ہیں:

''هو علم يعرف به ايراد المعنى الواحد بطرق مختلفة في وضوح الدلالة عليه'' (1)

''علم بیان وہ علم ہے جس سے ایک معنی کا ایسے مختلف طریقوں سے بیان کرنا آجائے جن میں سے کوئی طریقہ اس معنی پر زیادہ وضاحت سے دلالت کرتا ہو اور دوسرا کم وضاحت سے دلالت کرتا ہو۔''

مزید آسان لفظوں میں اس طرح بھی سمجھا جاسکتا ہے کہ علم البیان وہ علم ہے کہ اس کے ذریعے ایک معنی کو مختلف انداز میں بیان کرنے کا ڈھنگ آ جاتا ہے۔ اب اس کے تحت آنے والی اشیاء کا ذکر کیا جاتا ہے:

التشبیہ:

''التشبيه الحاق امر بامر في وصف (2)

تشبیہ سے مراد ایک چیز کو دوسری چیز کے ساتھ کسی صفت میں شریک کرنا۔ جیسا کہ ارشادِ ربانی ہے:

''وَجَعَلْنَا الَّيْلَ لِبَاسًا" ہم نے رات کو لباس بنایا۔''

یہاں رات کو لباس کے ساتھ تشبیہ دی ہے مطلب یہ ہے کہ ہم نے رات کو ستر اور پردے میں لباس کی طرح بنایا ہے کہ جس طرح لباس بندے کو ڈھانپ لیتا ہے اسی طرح رات بھی ڈھانپ لیتی ہے۔

ایک اور مقام پر اللہ رب العزت نے ارشاد فرمایا:

1- تفتازانی، سعد الدین، **مختصر المعانی**، ص 303

2- حفنی ناصف و آخرون، **دروس البلاغہ**، (کراتشی: مکتبۃ المدینہ، الطبعۃ الاولی 1428ھ-2007م)، ص 144

﴿وَلَقَدْ ذَرَاْنَا لِجَهَنَّمَ كَثِيْرًا مِّنَ الْجِنِّ وَالْاِنْسِ لَهُمْ قُلُوْبٌ لَّا يَفْقَهُوْنَ بِهَا وَلَهُمْ اَعْيُنٌ لَّا يُبْصِرُوْنَ بِهَا وَلَهُمْ اٰذَانٌ لَّا يَسْمَعُوْنَ بِهَا ط اُولٰٓئِكَ كَالْاَنْعَامِ بَلْ هُمْ اَضَلُّ ط اُولٰٓئِكَ هُمُ الْغٰفِلُوْنَ﴾([1])

ترجمہ: اور بے شک ہم نے جہنم کیلئے پیدا کیے بہت جن اور آدمی وہ دل رکھتے ہیں جن میں سمجھ نہیں اور وہ آنکھیں جن سے دیکھتے نہیں اور وہ کان جن سے سنتے نہیں وہ چوپائیوں کی طرح ہیں بلکہ اُن سے بڑھ کر گمراہ وہی غفلت میں پڑے ہیں۔

اس آیت مبارکہ میں ایسے لوگ جو دل، آنکھ اور کان رکھنے کے باوجود اُن سے فائدہ حاصل نہیں کرتے اُن کو جانوروں کے ساتھ تشبیہ دی گئی ہے کہ جس طرح جانور کماحقہ سمجھ نہیں رکھتے اسی طرح یہ لوگ بھی سمجھ نہیں رکھتے۔

مجاز:

"هو اللفظ المستعمل فی غیر ما وضع له لعلاقة مع قرینة مانعة من ارادة المعنی السابق"([2])

"مجاز وہ لفظ ہے جس کو کسی تعلق کی وجہ سے اس کے حقیقی معنی کے علاوہ کسی دوسرے معنی میں استعمال کیا جائے۔ اس میں ایسا قرینہ ہوتا ہے جو اس کے حقیقی معنی مراد لینے سے مانع ہوتا ہے۔"

ارشادِ خداوندی ہے: ﴿يَجْعَلُوْنَ اَصَابِعَهُمْ فِیْٓ اٰذَانِهِمْ﴾([3])

"وہ اپنی انگلیوں کے پوروں کو اپنے کانوں میں بناتے ہیں۔"

اس آیت مبارکہ میں لفظ "اصابع" اپنے حقیقی معنی میں استعمال نہیں ہوا بلکہ مجازی معنی یعنی پوروں میں استعمال ہوا ہے کیونکہ اصابع کا لفظ انگلیوں کیلئے بنایا گیا ہے پوروں کیلئے نہیں۔ لیکن چونکہ پورے انگلیوں کی جز ہیں تو اس علاقہ کی وجہ سے پورے مراد لیے اور حقیقی معنی انگلیاں مراد لینے میں رکاوٹ پر قرینہ بھی ہے کہ پوری انگلی کو کان میں ڈالنا ممکن نہیں لہٰذا کل بول کر جز مراد لیا۔

استعارہ:

"الاستعارة هی مجاز علاقته المشابهة"([4])

"استعارہ یہ مجاز ہی ہوتا ہے اگر حقیقی اور مجازی معنی کے درمیان علاقہ تشبیہ کا ہو تو اُسے استعارہ کہتے ہیں۔"

1-الاعراف:179

2-حفنی ناصف و آخرون، **دروس البلاغة**، (کراتشی: مکتبة المدینة، الطبعة الاولیٰ 1428ھ-2007م)، ص162

3-البقرہ:19

4-حفنی ناصف و آخرونِ، **دروس البلاغة**، ص165

جیسا کہ اللہ رب العزت نے ارشاد فرمایا:

﴿كِتٰبٌ اَنْزَلْنٰهُ اِلَيْكَ لِتُخْرِجَ النَّاسَ مِنَ الظُّلُمٰتِ اِلَى النُّوْرِ﴾[1]

"یہ کتاب جسے آپ کی طرف اتارا تاکہ آپ لوگوں کو اندھیروں سے روشنی کی طرف نکالیں۔"

اس آیت کریمہ میں لفظ ظلمات اور نور ان معنوں میں استعمال نہیں ہُوئے جن کیلئے ان کو بنایا گیا ہے یعنی حقیقی معنی میں استعمال نہیں ہوئے ظلمات گمراہی کے معنی میں استعمال ہوئے ہیں۔ اندھیرے اور گمراہی کے درمیان تشبیہ کا علاقہ ہے اور اس طرح نور اور ہدایت کے درمیان بھی تشبیہ کا علاقہ ہے اور اس میں قرینہ اس کا ما قبل یعنی "كِتٰبٌ اَنْزَلْنٰهُ اِلَيْكَ" ہے کیونکہ کتاب کے اتارنے کا مقصد گمراہی سے ہدایت کی طرف لے جانا ہے۔ لہٰذا ظلمات گمراہی کا اور نور ہدایت کا استعارہ ہے۔

کنایہ:

"هي لفظ اريد به لازم معناه مع جواز ارادة ذالك المعنى[2]

"کنایہ وہ لفظ ہے جس سے اس کے معنی کے لازم کو مراد لیا جائے اور اصل معنی کو مراد لینا بھی جائز ہو۔"

ارشادِ ربانی ہے: ﴿وَيَوْمَ يَعَضُّ الظَّالِمُ عَلٰى يَدَيْهِ﴾[3]

"اور جس دن ظالم اپنے ہاتھ چبالے گا۔"

اس آیت کریمہ میں "يَعَضُّ الظَّالِمُ عَلٰى يَدَيْهِ" یعنی ظالم کا ہاتھ چبانا، یہ شرمندگی، حسرت اور غصے سے کنایہ ہے کیونکہ بندے کو جب کوئی شرمندگی، حسرت اور غصہ ہو تو وہ ہاتھ چباتا ہے تو گویا کہ ہاتھ چبانے کو شرمندگی، حسرت اور غصہ لازم ہے تو یہ کنایہ ہوا تو اس آیت کا مطلب یہ ہوا کہ قیامت کے دن ظالم شرمندگی اور حسرت کا اظہار کرے گا۔ علاوہ ازیں اس آیت کا یہاں اصل معنی "ہاتھ چبانا" مراد لینا بالکل جائز ہے۔ ذیل میں تفسیر فتح القدیر میں علم البیان سے جاہلی شاعری سے استشہاد کو بیان کیا جائے گا۔

آنکھوں، دنیاوی زینت کا ارادہ کرنا۔

اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

1- ابراہیم:1

2- القزوینی، محمد بن عمر، **تلخیص المفتاح**، (کراتشی: مکتبۃ المدینہ، الطبعۃ الاولی، جمادی الثانی 1437ھ، مارچ 2016)، ص 166

3- الفرقان:27

﴿وَ اصْبِرْ نَفْسَکَ مَعَ الَّذِیْنَ یَدْعُوْنَ رَبَّهُمْ بِالْغَدٰوةِ وَ الْعَشِیِّ یُرِیْدُوْنَ وَجْهَه وَ لَا تَعْدُ عَیْنٰکَ عَنْهُمْ-تُرِیْدُ زِیْنَةَ الْحَیٰوةِ الدُّنْیَا0وَ لَا تُطِعْ مَنْ اَغْفَلْنَا قَلْبَه عَنْ ذِکْرِنَا وَ اتَّبَعَ هَوٰىهُ وَ کَانَ اَمْرُه فُرُطًا﴾[1]

"اور آپ اپنے آپ کو ان لوگوں کے ساتھ لازم رکھیں جو صبح اور شام اپنے رب کی رضا چاہتے ہوئے، اس کی عبادت کرتے ہیں اور اپنی آنکھیں ان سے نہ ہٹائیں کہ آپ دنیاوی زندگی کی زینت کا ارادہ کرتے ہوں اور آپ اس شخص کا کہنا مانیں جس کا دل ہم نے اپنی یاد سے غافل کر دیا ہے اس نے اپنی خواہش کی پیروی کی اور اس کا معاملہ حد سے بڑھ گیا۔

آیت کے الفاظ ﴿وَ لَا تَعْدُ عَیْنٰکَ عَنْهُمْ-تُرِیْدُ زِیْنَةَ الْحَیٰوةِ الدُّنْیَا﴾ کی تفسیر بیان کرتے ہوئے امام شوکانیؒ فرماتے ہیں کہ آیت کا معنی یہ ہے کہ آپ اپنی آنکھیں ان سے نہ ہٹائیں۔ دنیاوی زیب وزینت کی طرف اپنی آنکھوں کو نہ پھیریں۔" تُرِیْدُ زِیْنَةَ الْحَیٰوةِ الدُّنْیَا" ترکیب کلام میں حال واقع ہو رہا ہے۔ یہ جملہ چونکہ معرفہ کے بعد واقع ہو رہا ہے لہٰذا حال بنے گا اب اس کا ذوالحال کیا ہے؟ اس بارے میں امام شوکانی نے دو باتیں بیان کی ہیں ایک یہ ہے کہ "لَا تَعْدُ" میں انت ضمیر جو نبی علیہ السلام کی طرف لوٹ رہی ہے وہ ذوالحال ہے اور" تُرِیْدُ زِیْنَةَ الْحَیٰوةِ الدُّنْیَا" حال بن رہا ہے۔ دوسری ترکیب یوں ہے کہ " وَ لَا تَعْدُ عَیْنٰکَ "ذوالحال ہے اور " تُرِیْدُ زِیْنَةَ الْحَیٰوةِ الدُّنْیَا" حال واقع ہو رہا ہے۔ اس صورت میں معنی ہو گا کہ آپ اپنی آنکھوں کو ان سے نہ پھیریں اس حال میں کہ یہ (آنکھیں) دنیاوی زندگی کی زیب وزینت کا ارادہ کرتی ہیں۔ اس دوسری ترکیب میں دو اعتراضات وارد ہوتے ہیں پہلا یہ کہ آنکھوں کا ارادہ کرنا کیا معنی رکھتا ہے؟ آنکھیں تو تابع ہیں وہ خود سے کسی کام کا ارادہ کیونکر کر سکتی ہیں؟۔

دوسرا اعتراض یہ ہے کہ عیناک میں "عینا" تثنیہ ہے اس بنا پر ترید کی جگہ تریدان تثنیہ کا صیغہ ہونا چاہیے واحد کا صیغہ کیونکر مذکور ہے؟۔ پہلے اعتراض کا جواب دیتے ہوئے امام شوکانی فرماتے ہیں کہ ارادۃ کا اسناد، عین کی طرف مجازی ہے جبکہ دوسرے اعتراض کا جواب دیتے ہوئے کہتے ہیں کہ ضمیر کو واحد لانا تلازم کی وجہ سے ہے یعنی آنکھیں جب بھی کسی محل کا نظارہ کرتی ہیں تو دونوں بیک وقت کرتی ہیں گویا کہ نظارہ میں وحدت ہونے کی وجہ سے ضمیر بھی واحد لائی گئی ہے ([2])۔

جاہلی شعر سے استشہاد:۔

1۔ الکہف:28

2۔ الشوکانی، **فتح القدیر**، 355/3

امام شوکانی نے دونوں اعتراضات کا جواب دینے کے بعد شعر جاہلی سے استشہاد کرتے ہوئے یہ شعر ذکر کیا۔ **لحن زحلوقة زل بها العينان تنهل** ([1])

وجہ استشہاد:۔

آنکھیں پھسلتی نہیں ہیں۔" **زل بها العينان**"

میں عینان کی زل کی طرف نسبت مجازی ہے اسی طرح تنھل کی جگہ تنھلان ہونا چاہیے تھا کیونکہ عینان تثنیہ کا لفظ ہے اس کا واحد ذکر کیا جانا تلازم کی وجہ سے ہے۔

اشتعال کا بلاغی معنیٰ:

اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿**قَالَ رَبِّ اِنِّیۡ وَهَنَ الۡعَظۡمُ مِنِّیۡ وَ اشۡتَعَلَ الرَّاۡسُ شَیۡبًا**﴾ ([2])"

ترجمہ: اس نے دعا کی اے میرے رب! بے شک میری ہڈیاں کمزور ہو گئی ہیں اور سر بڑھاپے سے بھڑک اٹھا ہے

امام شوکانی "اشۡتَعَلَ" کا معنی بیان کرتے ہیں کہ اشتعال کا اصل معنی ہے آگ کی شعاع کا پھیلنا اور بھڑکنا، یہاں سر کے بالوں کی سفیدی کو آگ کے شعلے سے تشبیہ دی گئی ہے اور چونکہ یہاں مشبہ اور اداۃ تشبیہ محذوف ہیں لہٰذا یہ استعارہ ہے ([3])

شعر جاہلی سے استشہاد:

عربوں میں جب کوئی شخص بہت بوڑھا ہو جاتا تو کہتے "**قد اشتعل راس فلان**" پھر امام صاحب نے لبید کے اس شعر سے استشہاد کیا:

فان ترى راسى امسىٰ واضحاً سلط الشيب عليه فاشتعل ([4])

ترجمہ: اگر تم میرا سر دیکھتے ہو کہ واضح (سفید) ہو گیا ہے تو (جان لو کہ) اس پر بڑھاپا چھا گیا ہے اور (یہ بڑھاپے کی آگ سے) بھڑک اٹھا ہے

وجہ استشہاد:۔

1۔ ابن منظور نے اس شعر کا انتساب امرء القیس کی طرف کیا ہے جب کہ امرء القیس کے دیوان میں یہ شعر موجود نہیں ہے۔ (ابن منظور، **لسان العرب**، 11/26)

2۔ مریم: 4

3۔ الشوکانی، **فتح القدیر**، 3/404

4۔ لبید، **دیوان لبید بن ربیعه**، ص 122

گویا اشتعال کے لفظ سے استعارہ کے طور پر سر کی سفیدی مراد لی جاتی ہے اور یہ لفظ زمانہ جاہلیت میں اسی معنی میں مستعمل تھا۔

زرقا کا معنی:

قیامت کے دن کفار کی آنکھوں کی کیفیت بیان کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿یَوْمَ یُنْفَخُ فِی الصُّوْرِ وَنَحْشُرُ الْمُجْرِمِیْنَ یَوْمَئِذٍ زُرْقًا﴾ (1)"

ترجمہ: جس دن میں صور پھونکا جائے گا اور ہم مجرموں کو اٹھائیں گے اس دن ان کی آنکھیں نیلگوں ہوں گی۔

زرقا کو نصب حال ہونے کی بنا پر دی گئی ہے مراد یہ ہے کہ ہم مجرموں کو اٹھائیں گے اس حال میں کہ ان کی آنکھیں نیلگوں ہوں گی عرب آنکھوں کے نیلے رنگ کو نحوست خیال کرتے تھے۔ امام فراء نے کہا کہ زرقا کا معنی ہے اندھے۔ ازہری نے پیاسی آنکھیں مراد لی ہیں کیونکہ کالی آنکھیں پیاس کی وجہ سے نیلی ہو جاتی ہیں ایک قول یہ ہے کہ یہ جھوٹی لالچ سے کنایہ ہے جب اس لالچ کے عدم حصول کی وجہ سے شرمندگی لاحق ہو جائے۔ ایک قول یہ ہے کہ زرقا کا لفظ بہت زیادہ لالچ کی وجہ سے نظر کے اٹھنے سے کنایہ ہے۔ (2)

شعر جاہلی سے استشہاد:

یہ معنی جاہلی شعر میں یوں مذکور ہے:

لقد زرقت عیناک یا ابن معکبر کما کل ضبی من اللؤم ازرق (3)

ترجمہ: اے ابن معکبر! تیری آنکھیں نیلی ہو گئی ہیں جیسے بنی جنۃ کے ہر شخص کی آنکھیں شرمندگی سے نیلی ہو جاتی ہیں۔ یہاں شرمندگی سے آنکھوں کے نیلے ہونے کا ذکر ہے یہی وجہ استشہاد ہے۔

"رمی" کا تہمت معنی استعارۃً ہے:

حد قذف بیان کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿وَالَّذِیْنَ یَرْمُوْنَ الْمُحْصَنٰتِ ثُمَّ لَمْ یَاْتُوْا بِاَرْبَعَةِ شُهَدَآءَ فَاجْلِدُوْهُمْ ثَمٰنِیْنَ جَلْدَةً وَّلَا تَقْبَلُوْا لَهُمْ شَهَادَةً اَبَدًا ۔ وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْفٰسِقُوْنَ﴾ (4)

1۔ طٰہٰ:102

2۔ الشوکانی، **فتح القدیر**، 3/473

3۔ یہ شعر سوید بن ابی کاھل کا ہے۔ (سوید، **دیوان سوید بن ابی کاھل**، ص46)

4۔ النور:4

ترجمہ: اور جو لوگ پاک دامن عورتوں پر زنا کی تہمت لگائیں پھر (اس کے ثبوت میں) چار گواہ نہ پیش کر سکیں تو تم ان کو اسی کوڑے مارو اور ان کی شہادت کو کبھی بھی قبول نہ کرو اور یہی لوگ فاسق ہیں۔

"رمی یرمی رمیاً" کا لغوی معنی ہے پتھر پھینکنا، آیت میں تہمت لگانے کیلئے رمی کا لفظ استعمال ہوا تو امام شوکانیؒ فرماتے ہیں کہ یہ استعارہ ہے۔ وجہ مناسبت یہ ہے کہ جس طرح پتھر لگنے سے زخم ہوتا ہے ایسے ہی تہمت لگانے سے بھی باطنی زخم لگتا ہے۔ پہلی جنایت بالعمل ہے اور دوسری جنایت بالقول([1])۔

شعر جاہلی سے استشہاد:

نابغہ الذبیانی نے کہا: **وجرح اللسان کجرح الید**([2])

ترجمہ:۔ زبان کا زخم، ہاتھ کے زخم کی طرح ہے۔

ایک اور شاعر نے کہا: **رمانی بامر کنت عنه ووالدی بریا ومن اجل الطوی رمانی** ([3])

ترجمہ:۔ اس نے مجھ پر ایک ایسے کام کی تہمت لگائی کہ جس سے میں اور میرا باپ (دونوں) بری ہیں اور اس نے ایک رات کی وجہ سے مجھ پر تہمت لگائی۔

وجہ استشہاد:۔

پہلے شعر میں زبان سے کہے گئے دلخراش الفاظ کیلئے جرح کا لفظ استعمال کیا گیا حالانکہ زخم ہاتھ سے دیا جاتا ہے تو چونکہ ہاتھ کا زخم ظاہری ہوتا ہے اور زبان کا باطنی، لہٰذا دونوں کیلئے جرح کا لفظ استعمال ہوا اور لسان کیلئے جرح کا لفظ استعارہ کے طور پر ذکر ہوا ہے جبکہ دوسرے شعر میں رمانی بامر کے الفاظ ہیں رمی پتھر مارنے کو کہتے ہیں لیکن یہاں تہمت لگانے کے معنی میں استعمال ہوا ہے اسی وجہ سے بریا کا لفظ استعمال ہوا یعنی تہمت سے بری ہیں۔ رمی کا لفظ تہمت کیلئے استعمال استعارہ کے طور پر ہے۔

"جلدة" کا معنی:

حد قذف، اسی کوڑے بیان کی گئی کوڑے مارنے کیلئے "**جلدة**" کا لفظ استعمال کیا گیا۔ امام شوکانی "**الجلد**" کا معنی بیان کرتے ہیں الضرب (مارنا)۔ "**مجالدة**" کا لفظ کوڑوں سے مارنے کیلئے استعمال کیا جاتا ہے۔ پھر ڈنڈے اور تلوار سے مارنے کیلئے بھی یہی لفظ استعارۃً استعمال ہونے لگا([4])

1۔ الشوکانی، **فتح القدیر**، 10/4

2۔ امام شوکانی نے اس شعر کا انتساب نابغہ الذبیانی کی طرف کیا ہے جب کہ یہ شعر امرء القیس کا ہے۔ (امرء القیس، **دیوان امرء القیس**، 87/1)

3۔ عمرو الباہلی، **دیوان عمرو بن احمد الباهلی**، ص70

4۔ الشوکانی، **فتح القدیر**، 11/4

شعر جاہلی سے استشہاد:

تلوار بازی کیلئے "جلدة" کے لفظ کا استعمال قیس بن خطیم کے اس شعر میں ہے:

اجالدهم یوم الحديقة حاسراً　　کان یدی بالسیف مخراق لاعب([1])

ترجمہ:۔ میں مقابلے کے دن بغیر ڈھال کے ان کے خلاف لڑوں گا گویا کہ میرے ہاتھ میں تلوار کسی ماہر تلوار باز کی طرح ہو گی۔

وجہ استشہاد:۔

تلوار سے لڑنے کیلئے "اجالد" کا لفظ استعمال کیا گیا چونکہ "جلدة" کا لفظ بنیادی طور پر کوڑے مارنے کیلئے استعمال ہوتا ہے اس لئے تلوار بازی کیلئے اس لفظ کا استعمال استعارہ کے طور پر ہے۔

"اَللّٰهُ نُوْرُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ" کا معنی:

اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿اَللّٰهُ نُوْرُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ﴾ ([2]) ترجمہ: اللہ آسمانوں اور زمین کا نور ہے۔

سوال پیدا ہوتا ہے کہ نور مخلوق ہے مجعول ہے جیسا کہ ارشاد ربانی ہے:

﴿وَجَعَلَ الظُّلُمٰتِ وَالنُّوْرَ﴾ ([3])

ترجمہ: اور اس (اللہ) نے اندھیروں اور نور کو پیدا کیا۔

جبکہ اللہ تعالیٰ خالق ہے مخلوق نہیں، پھر "اللہ آسمانوں اور زمین کا نور ہے" اس کا کیا معنی ہے امام شوکانیؒ نے اس کی تین توجیہات بیان کی ہیں۔

پہلی توجیہ یہ ہے کہ لفظ اللہ مبتداء "نور السماوات والارض" خبر ہے نور سے پہلے مضاف محذوف ہے اصل عبارت یوں ہے: "ذو نور السماوات والارض" یعنی اللہ آسمانوں اور زمین کے نور کا مالک ہے۔ دوسری توجیہ یہ ہے کہ یہ خبر ہے اس طور پر کہ صفات باری تعالیٰ جیسے کہ اس کا جلال، اس کا عدل اور اس کے احکام کے نفاذ کے اظہار میں مبالغہ کیلئے نور کا لفظ بیان کیا گیا ہے جیسے کہا جاتا ہے کہ نور البلد فلاں شخص شہر کا نور ہے قمر الزمان، زمانے کی آنکھ کا چاند، اور شمس العصر، زمانے کا سورج وغیرہ کے القابات محض مبالغہ کیلئے ذکر کئے جاتے ہیں۔

شعر جاہلی سے استشہاد:

اس توجیہ کی دلیل میں امام شوکانیؒ نے نابغہ الذبیانی کا یہ شعر ذکر کیا:

1۔ قیس بن خطیم، **دیوان قیس بن خطیم**، ص34

2۔ النور:35

3۔ الانعام:1

فانک شمس والملوک کواکب   اذا ظہرت لم یبق فیھن کوکب([1])

ترجمہ:۔ بے شک تو سورج ہے اور سارے بادشاہ ستارے ہیں جب تو سامنے آتا ہے کوئی ستارہ نظر کے سامنے نہیں ٹکتا۔

وجہ استشہاد:۔

شاعر نے اپنے ممدوح کو سورج کہا اور باقی بادشاہوں کو ستاروں سے تعبیر کیا کہ وصف میں مبالغہ ہے اسی طور پر اللہ آسمانوں اور زمین کا نور ہے۔ تیسری توجیہ امام شوکانیؒ نے یہ بیان کی کہ نور، روشنی کو کہتے ہیں جس طرح روشنی اشیاء کی حقیقت آشکار کرتی ہے اسی طرح حق تعالیٰ بندوں کے سامنے اپنی آیات ظاہر فرماتا ہے۔ زید بن علی، ابو جعفر اور عبدالعزیز المکی کی قرأت سے یہی معنی آشکار ہوتا ہے۔ انہوں نے پڑھا:

﴿ اللّٰہُ نَوَّرَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ ﴾([2])

سراب کا معنی:

اللہ تعالیٰ نے کافروں کے اعمال کو سراب سے تشبیہ دی۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا اَعْمَالُهُمْ كَسَرَابٍۢ بِقِيْعَةٍ يَّحْسَبُهُ الظَّمْاٰنُ مَاۗءً ۭ حَتّٰٓي اِذَا جَاۗءَهٗ لَمْ يَجِدْهُ شَيْـــــًٔـا وَّوَجَدَ اللّٰهَ عِنْدَهٗ فَوَفّٰىهُ حِسَابَهٗ ۭ وَاللّٰهُ سَرِيْعُ الْحِسَابِ﴾([3])

ترجمہ: اور کافروں کے اعمال ہموار زمین میں چمکتی ہوئی ریت کی مثل ہیں جس کو پیاسا دور سے پانی گمان کرتا ہے حتی کہ جب وہ اس کے قریب پہنچتا ہے تو اس کو کچھ بھی نہیں پاتا اور وہ اللہ کو اپنے قریب پاتا ہے جو اس کو اس کا پورا حساب چکا دیتا ہے اور اللہ بہت جلد حساب لینے والا ہے۔

اللہ تعالیٰ نے کفار کے اعمال خیر کو سراب سے تشبیہ دی وہ بھی صلہ رحمی، صدقہ وغیرہ کرتے ہیں اس امید پر کہ انہیں جزاء ملے گی یہ سب سراب ہے۔ سراب کا معنی امام شوکانیؒ بیان کرتے ہیں کہ ہموار زمین پر دن کی گرمی کی شدت میں حد نظر تک جو پانی نظر آتا ہے اسے سراب کہتے ہیں پیاسا شخص اسے پانی گمان کرتا ہے لیکن جب وہاں پہنچتا ہے تو کچھ بھی نہیں ہوتا۔ کفار، اپنے اعمال کے بارے میں بھی گمان کئے بیٹھے ہیں کہ انہیں اجر ملے گا لیکن اللہ کے پاس آئیں گے تو سراب کی طرح کچھ بھی نہ ہوگا۔ سراب کی وجہ تسمیہ یہ ہے کہ یہ چلتا ہوا محسوس ہوتا ہے جیسے پانی چلتا ہے کہا جاتا ہے "**سرب الفحل**" یعنی نر زمین پر چلا۔ اسے الال کا نام بھی دیا جاتا ہے اور ایک قول یہ ہے کہ الال

1۔ نابغہ الذبیانی، **دیوان نابغہ الذبیانی**، ص74

2۔ الشوکانی، **فتح القدیر**، 4/41

3۔ النور:39

دوپہر کے وقت پانی کی طرح فضا میں ہوتی ہے۔ یہ زمین سے اٹھی ہوئی ہوتی ہے آسمان اور زمین کے درمیان دکھائی دیتی ہے[1]۔

شعر جاہلی سے استشہاد:

امرؤالقیس کے شعر سے سراب کا مفہوم یوں واضح ہوتا ہے:

الم انض المطی بکل خرق امق الطول لماع السراب[2]

ترجمہ:۔ کیا میں نے اپنی سواری کو ہر دور افتادہ وسیع و عریض ریگستان سے سراب کی چمک کی طرح گزار کر تھکا نہیں دیا۔

وجہ استشہاد:۔

ریگستان میں سراب کی چمک پانی کی طرح دکھائی دیتی ہے۔ سراب کی چمک چونکہ حقیقی نہیں ہوتی بلکہ محض گمان میں ہوتی ہے اسی طرح کفار کے اعمال خیر محض ان کے گمان میں ہیں حقیقت میں ان کا عند اللہ کوئی اجر نہ ہو گا۔

"رجاء" کے معنی:

اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿وَقَالَ الَّذِيْنَ لَا يَرْجُوْنَ لِقَآءَ نَا لَوْلَآ اُنْزِلَ عَلَيْنَا الْمَلٰٓئِكَةُ اَوْ نَرٰى رَبَّنَا۔ لَقَدِ اسْتَكْبَرُوْا فِيْٓ اَنْفُسِهِمْ وَعَتَوْ عُتُوًّا كَبِيْرًا﴾[3]

ترجمہ: اور کہا ان لوگوں نے جو امید نہیں رکھتے تھے ہم سے ملنے کی کہ کیوں نہ اتارے گئے ہم پر فرشتے یا ہم دیکھ لیتے اپنے رب کو وہ اپنے آپ کو بہت بڑا سمجھنے لگے تھے اپنے دلوں میں اور انہوں نے حد سے بڑھ کر سرکشی کی۔

اس آیت کی تفسیر میں امام شوکانی "رجاء" کے تین معانی بیان کرتے ہیں۔ پہلا معنی ہے پرواہ کرنا، یعنی فرشتوں کے نزول اور رویت باری تعالیٰ کا مطالبہ وہ لوگ کرتے ہیں جنہیں قیامت کے دن ہم سے ملنے کی پرواہ نہیں ہے[4]۔ یہاں "رجاء" کا دوسرا معنی ہے ڈرنا، خوف کھانا، یعنی جو لوگ فرشتوں کے نزول اور رویت باری تعالیٰ کا مطالبہ کرتے ہیں وہ اللہ سے ملاقات کا ڈر اور خوف نہیں رکھتے۔

1۔ الشوکانی، **فتح القدیر**، 4/48

2۔ امرؤالقیس، **دیوان امرء القیس**، 1/79۔ امام شوکانی نے طویل الطول کے الفاظ لکھے اصل میں الفاظ امق الطول کے ہیں۔

3۔ الفرقان: 21

4۔ اس معنی کی تائید امام شوکانیؒ نے اسلامی دور کے شعر سے کی۔ جب حضرت خبیب بن عدی کو کفار نے بے دردی سے شہید کیا تو آپ نے شہادت سے پہلے جو اشعار پڑھے ان میں ایک شعر یہ تھا: **لعمرک ما ارجو اذا کنت مسلما علی ای جنب کان فی اللہ مصرعی**

یعنی تیری زندگی کی قسم! جب میں مسلمان ہوں تو مجھے اس بات کی کوئی پرواہ نہیں ہے کہ اللہ تعالیٰ کی رضا کی خاطر میری موت کس پہلو پر واقع ہوتی ہے اس شعر میں "رجاء" کا معنی پرواہ کرنا ہے۔ (النویری، **نہایۃ الارب فی فنون الادب**، 4/434)

شعر جاہلی سے تائید:

اس معنی کی تائید امام شوکانیؒ نے شعر جاہلی سے کی:

اذا لسعته النحل لم یرج لسعها وخالفها فی بیت نوب عوامل (1)

ترجمہ:۔ جب شہد کی مکھی اسے ڈنگ مارے تو وہ اس کے ڈنگ سے ڈرتا نہیں ہے اور اس کی مخالفت میں لکڑی کے گھر میں مکمل امور کی ادائیگی کرتا ہے۔اس شعر میں ”رجاء“ کا لفظ ڈرنے یا خوف کھانے کے معنی میں استعمال ہوا۔

”رجاء“ کا تیسرا معنی ہے امید رکھنا، یعنی جو لوگ ایسی باتیں کر رہے ہیں وہ ہم سے ملاقات کی امید نہیں رکھتے۔ امام شوکانیؒ نے اسی تیسرے معنی کو ترجیح دی ہے کہ یہ حقیقی معنی ہے (2)۔

”لسان“ سے قول بھی مراد لیا جاتا ہے:

ابراہیم علیہ السلام نے جو دعائیں اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں کیں ان میں سے ایک یہ ہے:

﴿وَاجْعَلْ لِّيْ لِسَانَ صِدْقٍ فِي الْاٰخِرِيْنَ﴾ (3) ترجمہ: اور بنادے میرے لئے سچی ناموری آئندہ آنے والوں میں۔

امام شوکانیؒ ”لسان صدق“ کا معنی ”ثناء حسنا“ (اچھی تعریف) کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ امام قتیبی کے بقول ”لسان“ کو قول کی جگہ رکھا گیا ہے کیونکہ زبان، قول کا سبب ہے اور عرب لسان کا لفظ بول کر ”کنایۃً“ کلمہ مراد لیا کرتے ہیں (4)

شعر جاہلی سے استشہاد:

اعشیٰ نے کہا: **انی اتتنی لسان لا اسر بھا** (5)

ترجمہ:۔ مجھے ایسی خبر پہنچی کہ میں جس سے بالکل خوش نہیں ہوا۔

محل استشہاد:۔

شعر میں لسان کا لفظ بات یا خبر کے معنی میں استعمال ہوا ہے یہی محل استشہاد ہے

یوم سے کتنی مدت مراد ہے

1۔ ابوذؤیب، **دیوان ابی ذؤیب الھذلی**، ص99

2۔ الشوکانی، **فتح القدیر**، 4/85

3۔ الشعراء: 84

4۔ الشوکانی، **فتح القدیر**، 4/128

5۔ یہ شعر اعشیٰ باھلہ کا ہے دوسرا مصرع یوں ہے۔ "من علو لا عجب ولا سخر"۔ (الجوھری، **الصحاح**، 2/679)

اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿يُدَبِّرُ الْأَمْرَ مِنَ السَّمَآءِ إِلَى الْأَرْضِ ثُمَّ يَعْرُجُ إِلَيْهِ فِي يَوْمٍ كَانَ مِقْدَارُهُ أَلْفَ سَنَةٍ مِّمَّا تَعُدُّونَ﴾[1]

ترجمہ: تدبیر فرماتا ہے ہر کام کی آسمان سے زمین تک پھر رجوع کرے گا۔ ہر کام اس کی طرف اس روز جس کی مقدار ہزار سال ہے اس اندازہ سے جس سے تم شمار کرتے ہو۔

یوم کا لفظ محل بحث ہے یہاں اتنی مدت پر یوم کے لفظ اطلاق کیا گیا ہے۔ جو ہمارے روز مرہ کے حساب سے ہزار سال بنتے ہیں۔ امام شوکانی فرماتے ہیں کہ یہاں یوم سے مراد دو راتوں کے درمیان والا دن نہیں ہے کیونکہ عربوں کے ہاں یوم کا لفظ بول کر لمبی مدت مراد لی جاتی تھی۔ اس بات کی تائید کیلئے امام شوکانی نے اس جاہلی شعر کا سہارا لیا۔[2]

شعر جاہلی سے استشہاد

سلامۃ بن جندل نے کہا:

یومان یوم مقامات واندیة ویوم سیر الی الاعداء تاویب[3]

ترجمہ (زندگی کے صرف) دو ہی دن ہیں ایک دن ٹھہرنے اور (دوستوں کے ساتھ) محفل (کرنے) کا ہے اور دوسرا دن دشمنوں کی طرف تسلسل سے چلنے کا ہے۔

وجہ استشہاد

سلامہ بن جندل نے پوری زندگی کے دو دن بیان کئے ایک دوستوں اور خاندان والوں کے ساتھ بیٹھ کر محفل کرنے کا جبکہ دوسرا جنگ کیلئے چلنے کا۔ دونوں کے لئے یوم کا لفظ استعمال کیا۔ دوستوں اور رشتہ داروں کی محفل ایک دن کی نہیں ہوتی اور نہ جنگ کیلئے سفر ایک دن کا ہوتا ہے۔ دونوں عمل سالہا سال کے عرصے پر محیط ہوتے ہیں لیکن شاعر نے دونوں کیلئے یوم کا لفظ استعمال کیا گویا یوم کے لفظ سے طویل مدت مراد لینا جاہلیت میں بھی رائج تھا۔ امام قرطبی نے بھی یہی بات بیان کی اور اسی شعر سے استدلال بھی کیا۔[4] جیسے بہادر شاہ ظفر نے کہا تھا:

عمر دراز مانگ کر لائے تھے چار دن
دو آرزو میں کٹ گئے دو انتظار میں

1۔ السجدہ:5

2۔ الشوکانی، **فتح القدیر**، 294/4

3۔ سلامۃ بن جندل، **دیوان سلامۃ بن جندل**، ص12

4۔ القرطبی، **الجامع لاحکام القرآن**، 88/14

نسی بمعنی ترک

اللہ تعالیٰ نافرمان جنوں اور انسانوں سے آتش دوزخ کو بھرنے کے بعد فرمائیں گے:

﴿فَذُوْقُوْا بِمَا نَسِیْتُمْ لِقَآءَ یَوْمِكُمْ هٰذَا اِنَّا نَسِیْنٰكُمْ﴾[1]

ترجمہ: پس اب چکھو سزا اس جرم کی کہ تم نے بھلا دیا تھا اپنے اس روز کی ملاقات کو ہم نے تم کو نظر انداز کر دیا۔

آیت میں دوبار نسی کا لفظ استعمال ہوا ہے کفار کیلئے بھی اور اللہ نے اپنے لئے بھی یہی لفظ استعمال کیا۔ اب یہ لفظ اپنے حقیقی معنی میں استعمال ہو رہا ہے یا مجازی معنی میں اس میں مفسرین کے مختلف اقوال ہیں۔ امام شوکانی پہلا قول یہ بیان کرتے ہیں کہ پہلے لفظ " نَسِیْتُمْ " سے نسیان حقیقی مراد ہے معنی یہ ہے کہ جب تم نے اس دن کے تقاضوں کے مطابق اعمال نہیں کئے تو تم ایسے ہی ہو جیسے تم نے اس دن کو مکمل طور پر بھلا دیا۔ دوسرے نسیان کا معنی "ترک" ہے۔ یحییٰ بن سلام نے کہا کہ تم نے قیامت کے دن اٹھائے جانے پر ایمان کو ترک کر دیا تو ہم نے بھی تمہیں خیر سے جدا کر دیا۔

بما ترکتم الایمان بالبعث فی ھذا الیوم ترکنا کم من الخیر[2]

ترجمہ: یعنی یہاں نسی ترک کے معنی میں استعمال ہوا ہے۔

شعر جاہلی سے استشہاد

نسی بمعنی ترک کا استشہاد امام شوکانی نے اس شعر سے کیا:

کانہ خارج من جنب صفحتہ سفود شرب نسوہ عند مفتأد[3]

ترجمہ گویا کہ وہ (وحشی بیل کا سینگ) اس (شکاری کتے) کے پہلو کی جانب سے نکل کر ایسے لگ رہا ہے جیسے شرابیوں نے لوہے کی سیخوں پر پکنے کیلئے گوشت لگایا ہو اور اسے پکنے کی جگہ پر چھوڑ دیا ہو۔

وجہ استشہاد

نابغہ نے یہ شعر نعمان بن منذر کی مدح کے قصیدے میں لکھا۔ نعمان جس اونٹنی پر بیٹھ کر گیا اسے نابغہ وحشی بیل سے تشبیہ دیتا ہے۔ تصورات میں وحشی بیل اور شکاری کتے کی لڑائی کرواتا ہے اور وحشی بیل نے کتے کے پہلو میں سینگ ڈال کر اسے اٹھالیا ہے۔ شاعر نے سینگ کو لوہے کی سیخ سے تشبیہ دی ہے اور کتے کو اس پر پکنے کیلئے لگے گوشت سے تشبیہ دی۔ اس سیخ کو شرابیوں نے پکنے کیلئے چھوڑ دیا ہے۔ شاعر نے شرابیوں کے پکنے والی جگہ پر سیخ کے

1۔ السجدۃ:14

2۔ الشوکانی، **فتح القدیر**، 4/303

3۔ شعر نابغہ الذبیانی کے معلقہ کا ہے۔ (نابغہ الذبیانی، **دیوان نابغہ الذبیانی**، ص19)

چھوڑ دینے کیلئے ''نسوہ'' کا لفظ استعمال کیا ہے۔ یہاں نسی کا لفظ ''ترک'' کے معنی میں استعمال ہوا ہے۔ گویا آیت میں نسی سے مراد ترک ہے۔ اس اعتبار سے مناسب قول یہ ہے کہ پہلے نسی سے نسیان اور دوسرے سے ترک لیا جائے۔ صاحب تدبر قرآن نے معنی اسی مناسبت سے کیا ہے کہ ''تم نے اس دن کی پیشی کو بھلائے رکھا ہم نے بھی تم کو نظر انداز کیا''۔ (1)

ذوق کا معنی استعارہ کے طور پر ہے

آیت میں موجود ''ذُوْقُوْا'' کا لفظ فعل امر کا صیغہ ہے۔ اس کا مادہ اشتقاق ''ذوق'' ہے۔ یہ لفظ چکھنے کے معنی میں استعمال ہوتا ہے۔ سوال یہ پیدا ہوا کہ دوزخ کا عذاب چکھنا کیونکر ہوتا ہے؟ اس کا جواب امام شوکانی نے یوں دیا کہ عذاب دوزخ کیلئے ذائقہ کا لفظ استعارۃً ہے۔ (2) ''ذُوْقُوْا'' میں امر کا صیغہ اہانت کیلئے استعمال کیا گیا ہے۔ ذائقہ کا یوں استعارۃً استعمال طفیل الغنوی کے اس شعر میں ہے۔

شعر جاہلی سے استشہاد

فدوقوا کما ذوقنا غداۃ محجر　　　من الغیظ فی اکبادنا والتحوب (3)

ترجمہ اب تم بھی مصیبت کا مزہ ایسے چکھو جیسے ہم نے (مقام) حجر کی صبح میں اپنے جگر میں غصہ اور غم چکھا تھا۔

وجہ استشہاد

طفیل غنوی نے غصہ اور غم محسوس کرنے کیلئے ''ذقنا'' کا لفظ استعمال کیا۔ حالانکہ غصہ اور غم ماکولات یا مشروبات میں سے چیز نہیں ہے کہ جسے چکھا جائے یا پیا جائے۔ اس کے باوجود شاعر کا ان کیلئے ذائقہ کا لفظ استعمال کرنا اس کے استعاری معنی کی بنا پر ہے۔ آیت میں بھی یہی مراد ہے۔ بیان القرآن میں اشرف علی تھانوی نے ترجمہ میں اسی معنی کو ملحوظ خاطر رکھا۔ (4)

اسرار کا لفظ اضداد کے قبیلہ سے ہے

قیامت کے دن کفار میں سے سرداروں اور ان کے ماتحتوں کے درمیان ہونے والے مکالمے کو اللہ تعالیٰ نے بیان کیا کہ ماتحت اپنے سرداروں سے کہیں گے کہ اگر تم نہ ہوتے تو ہم ایمان لے آتے۔ اس پر سردار کہیں گے کہ کیا

1۔ اصلاحی، **تدبر القرآن**، 6/155

2۔ الشوکانی، **فتح القدیر**، 4/303

3۔ طفیل العنوی۔ طفیل بن کعب الغنوی، دیوان طفیل بن کعب الغنوی، تحقیق: حسان فلاح اوغلی (بیروت: دار صادر، ط، 1997م)، ص 46۔ دیوان میں "اکبادنا" کی جگہ "اجوافنا" کا لفظ ہے۔

4۔ تھانوی، **بیان القرآن**، 3/156

ہم نے تمہیں روکا تھا کہ دین حق قبول نہ کرو؟ تم خود ہی ایمان سے منہ موڑے ہوئے تھے اس پر ماتحت کہیں گے کہ تم ہی نے ہمیں حکم دیا تھا کہ ہم اللہ کا انکار کریں اور شرک کریں۔ اس بحث کے بیان کے بعد اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿وَاَسَرُّوا النَّدَامَةَ لَمَّا رَاَوُا الْعَذَاب﴾[1]

ترجمہ: اور جب وہ عذاب دیکھیں گے تو اپنی ندامت کا اظہار کریں گے۔

آیت میں "وَاَسَرُّوا" کا لفظ باب افعال سے فعل ماضی، جمع مذکر غائب کا صیغہ ہے۔ اسرار کے لفظ کے بارے میں امام شوکانی فرماتے ہیں کہ یہ لفظ اضداد کے قبیلہ سے ہے۔ اس کا معنی چھپانا بھی ہوتا ہے اور ظاہر کرنا بھی۔ اگر اسرار کا معنی چھپانا کیا جائے تو آیت کا مفہوم یہ ہو گا کہ کفار اس دن اپنی ندامت، چھپارہے ہوں گے۔ اگر اس کا معنی ظاہر کرنا لیا جائے تو پھر مفہوم یہ ہو گا کہ وہ اپنی ندامت کا اظہار کریں گے۔[2] لفظ اضداد کے قبیلہ سے ہونے کی وجہ سے دونوں معانی کا احتمال رکھتا ہے۔

شعر جاہلی سے تائید

امام شوکانی نے "اسروا" بمعنی "أظهروا" کی دلیل امرؤالقیس کے معلقہ کے اس شعر سے پیش کی:

تجاوزت احراسا اليها ومعشرا　　　على حراص لو يسرون مقتلی[3]

ترجمہ میں ایسے محافظوں اور قبیلے سے بچ بچا کر ان (عورتوں) تک پہنچا کہ جو اس بات کے خواہش مند تھے کہ وہ مجھے علی الاعلان قتل کر دیں۔

تجزیہ

امام شوکانی نے "لو یسرون" کے لفظ میں اسرار کا معنی ظاہر کرنا لیا ہے۔ امرؤالقیس اپنی شجاعت بیان کرتا ہے کہ عورتیں سخت محافظوں کے پہرے میں تھیں میں ان محافظوں کے پہرے کو توڑ کر عورتوں تک جا پہنچا۔ محافظ، امرؤالقیس کو علی الاعلان قتل کرنا چاہتے تھے۔ امام شوکانی نے اسرار کا معنی ظاہر کرنا لیا ہے لیکن یہاں اس معنی پر کوئی واضح قرینہ موجود نہیں ہے یہاں معنی یہ بھی ہو سکتا ہے کہ وہ محافظ امرؤالقیس کو خفیہ طور پر قتل کرنا چاہتے تھے کیونکہ امرؤالقیس شہزادہ تھا اور شہزادے کے علی الاعلان قتل سے جنگ کی آگ بھڑک سکتی تھی۔ مولانا محمد ناصر صاحب نے سبع معلقات کی شرح تسہیلات میں "یسرون" کا معنی اخفاء کیا ہے۔[4] اردو زبان کے مفسرین میں سے

1۔ سبا: 33

2۔ الشوکانی، **فتح القدیر**، 4/393-392

3۔ امرؤالقیس، **دیوان امرء القیس**، 1/36

4۔ محمد ناصر، تسہلات، **شرح سبع المعلقات**، (مکتبہ رحمانیہ)، ص 19

صاحب تبیان القرآن نے اسرار کا معنی اظہار کیا ہے[1] جبکہ مولانا مودودی اور پیر کرم شاہ نے ترجمہ اخفاء کے معنی کو ملحوظ خاطر رکھ کر کیا۔[2]

محسوس کو متخیل سے تشبیہ دینا

جہنم میں زقوم کے درخت کی صفت بیان کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿طَلۡعُهَا كَاَنَّهٗ رُءُوۡسُ الشَّيٰطِيۡنِ﴾[3]

ترجمہ:۔ اس کے شگوفے گویا شیطانوں کے سر ہیں۔

آیت کی تفسیر میں امام شوکانی کہتے ہیں کہ "طَلۡعُهَا" سے مراد اس کا پھل اور جو کچھ بھی اس کے ساتھ لگا ہو گا وہ مراد ہے وہ دیکھنے میں ایسا قبیح المنظر ہو گا کہ ایسے معلوم ہو گا کہ شیاطین کے سر ہیں۔ آیت میں محسوس کو متخیل سے تشبیہ دی گئی ہے کہ زقوم کا پھل دیکھنے میں شیاطین کے سروں جیسا معلوم ہو گا اب شیاطین کے سر دیکھے ہوئے نہیں ہیں۔ لیکن یہ ایسی چیز ہے کہ جو لوگوں کے خیالات میں ہے کہ بہت خوفناک اور بھیانک ہوں گے یہ ایسے ہی ہے کہ جیسے بری چیز کو شیطان سے تشبیہ دے دی جاتی ہے اور خوبصورت چیز کو فرشتہ کہہ دیا جاتا ہے جیسے مصر کی عورتوں نے حضرت یوسف علیہ السلام کے بارے میں کہا:

﴿مَا هٰذَا بَشَرًا ؕ اِنۡ هٰذَاۤ اِلَّا مَلَكٌ كَرِيۡمٌ﴾[4]

یوسف علیہ السلام کو زنان مصر نے خوبصورتی کی وجہ سے فرشتہ کہہ دیا۔[5]

شعر جاہلی سے استشہاد

اس کی مثال شعر جاہلی میں یوں ہے۔ امرؤ القیس نے کہا:

أيقتلي والمشرفي مضاجعي   ومسنونة زرق كانياب اغوال

ترجمہ:۔ کیا وہ مجھے قتل کرے گا حالانکہ مشرف[6] (کے علاقے) کی تلوار ہمیشہ میرے پاس ہوتی ہے وہ ایسی تیز دھار اور چمک دار ہے جیسے بھوتوں کے دانت ہوتے ہیں۔

1۔ سعیدی، **تبیان القرآن**، 9/520

2۔ مودودی، **تفہیم القرآن**، 4/206۔ /۔ الازہری، محمد کرم شاہ، **ضیاء القرآن**، 4/127

3۔ الصافات: 65

4۔ یوسف: 31

5۔ الشوکانی، **فتح القدیر**، 4/474

6۔ بضم اوله واسكان ثانية وبعده راء مهملة مكسورة وفاء، موضع بنجد، (البکری، عبد اللہ، **معجم ما استعجم من اسماء البلاد والموضع**، 4/1231)

تجزیہ:

شعر میں امرؤالقیس اپنی دلیری اور تلوار کی صفت بیان کرتے ہوئے کہتا ہے کہ مشرف کے علاقے کی تیز دھار تلوار میرے پاس ہے پھر کیسے کوئی مجھے قتل کرنے کا ارادہ کر سکتا ہے۔ شاعر نے تلوار کے تیز ہونے کو بھوتوں کے دانتوں سے تشبیہ دی ہے حالانکہ بھوت غیر مرئی چیز ہیں لیکن بھوتوں کی شکل جو ذہن میں موجود ہے وہ خوفناک ہے ان کے دانت نوکیلے ہوتے ہیں۔ شعر میں ''انیاب اغوال''مشبہ بہ عقلی ہے جبکہ ''مسنونۃ زرق''مشبہ حسی ہے۔ اسی طرح آیت میں ''طلع الشجرۃ''مشبہ حسی ہے اور ''رؤوس الشیاطین''مشبہ بہ عقلی ہے۔

''لَيۡسَ كَمِثۡلِهٖ شَيۡءٌ''کی ترکیب کا شعر جاہلی سے استشہاد

اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿لَيۡسَ كَمِثۡلِهٖ شَيۡءٌ وَهُوَ السَّمِيۡعُ الۡبَصِيۡرُ﴾[1]

ترجمہ:۔ نہیں ہے اس کی مانند کوئی چیز اور وہی سب کچھ سننے والا، دیکھنے والا ہے۔

''لَيۡسَ كَمِثۡلِهٖ شَيۡءٌ۔''کی ترکیب کی امام شوکانی نے تین صورتیں بیان کی ہیں پہلی یہ ہے کہ یہاں کوئی بھی لفظ زائدہ نہیں ہے۔ مثل کے لفظ کا استعمال نفی میں مبالغہ کیلئے کیا گیا ہے یعنی اس کی مناسب کی نفی سے اس کی مثلیت کی نفی بدرجہ اولیٰ واقع ہوتی ہے یہ ایسے ہی ہے جیسے اہل عرب کہتے ہیں ''**مثلک لایبخل۔وغیرک لایجود**''یعنی تجھ جیسا شخص بخل نہیں کر سکتا اور تیرے علاوہ کوئی سخاوت نہیں کرتا۔ یہاں مثل کا لفظ مبالغہ کا معنی دیتا ہے۔

اعراب کی دوسری صورت یہ ہے کہ کاف، حرف تشبیہ زائدہ ہے اور تاکید کیلئے اسے ذکر کیا گیا ہے۔[2]

تیسری صورت یہ ہے کہ مثل کا لفظ زائدہ ہے جیسے آیت﴿فَاِنۡ اٰمَنُوۡا بِمِثۡلِ مَاۤ اٰمَنۡتُمۡ بِهٖ﴾[3] میں مثل کا لفظ زائدہ ہے۔[4] امام شوکانی نے تیسری صورت کا استشہاد شعر جاہلی سے کیا ہے۔اوس بن حجر نے کہا:

وقتلی کمثل جذوع النخیل　　　یغشاهم مطر منهمر[5]

ترجمہ:۔کتنے ہی مقتول کھجور کے تنوں کی طرح ہیں کہ جنہیں موسلا دھار بارش نے ڈھانپ رکھا ہے۔

تجزیہ

1۔الشوریٰ:11

2۔اس صورت میں ''شیٔ''کا لفظ ''لیس''کا اسم اور ''مثلہ''کا لفظ خبر مقدم ہوگا۔

3۔البقرہ:137

4۔الشوکانی،**فتح القدیر**،627/4

5۔اوس بن حجر، دیوان اوس بن حجر، ص30۔ دیوان میں "**یغشاهم**" کی بجائے "**تغشاهم**" کا لفظ ہے۔

اوس بن حجر نے شعر میں کاف حرف تشبیہ کے ساتھ مثل کا لفظ ذکر کیا۔ شاعر، مقتولین کو کھجور کے تنوں سے تشبیہ دے رہا ہے۔ تشبیہ کا فائدہ کاف کے حرف سے حاصل ہو گیا ہے اب مثل کا لفظ زائدہ ہے۔ اصل عبارت ”کجذوع النخیل“ ہے۔ اسی طرح ”لَيۡسَ كَمِثۡلِهٖ شَيۡءٌ“ میں مثل کا لفظ زائدہ ہے۔ اصل عبارت یوں ہے ”لیس کھو شئی“۔ امام قرطبی نے بھی مثل کے لفظ کے زائدہ ہونے کا قول کیا اور مذکورہ شعر سے ہی استشہاد کیا۔[1]

بکاء میں مبالغہ کے معنی کا شعر جاہلی سے استشہاد

قوم فرعون کی ہلاکت کا تذکرہ کرنے کے بعد اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿فَمَا بَكَتۡ عَلَيۡهِمُ السَّمَآءُ وَالۡاَرۡضُ وَمَا كَانُوۡا مُنۡظَرِيۡنَ﴾[2]

ترجمہ:۔ پس نہ رویا ان کی بربادی پر آسمان اور نہ زمین اور نہ انہیں مزید مہلت دی گئی۔

آسمان اور زمین کے رونے کی مراد واضح کرتے ہوئے امام شوکانی فرماتے ہیں کہ عربوں میں جب کوئی سردار مر جاتا تو لوگ کہتے تھے کہ اس کے غم میں آسمان اور زمین بھی رو رہے ہیں مراد یہ ہوتی تھی کہ اس کے مرنے سے ایسی مصیبت طاری ہوئی جس نے کسی کو نہیں چھوڑا گویا وہ مبالغہ کے اظہار کیلئے یہ الفاظ استعمال کرتے تھے۔[3]

اس مبالغہ کا اظہار نابغہ ذبیانی کے اس شعر میں موجود ہے:

بکی حارث الجولان من فقد ربه وجوران منه خاشع متضائل[4]

ترجمہ:۔ حارث جولان[5] (کی بستی) اپنے سردار کے مرنے پر چیخ اٹھی اور جوران[6] کا علاقہ اس کی موت کی وجہ سے لرزہ بر اندام اور کمزور ہو گیا۔

تجزیہ

نابغہ نے یہ شعر نعمان بن حارث الغسانی کے مرثیہ میں لکھا۔ نعمان کی موت پر غم میں مبالغہ کے اظہار کیلئے علاقے کے رونے کا ذکر کیا۔ ایسے ہی آیت میں مبالغہ کے اظہار کیلئے کہا گیا کہ قوم فرعون کی موت پر آسمان رویا نہ زمین۔ یعنی ان کی ہلاکت کا کسی کو دکھ نہ ہوا۔ اسی کے متعلق امام ترمذی نے حدیث بیان کی کہ انس بن مالک فرماتے

1۔ القرطبی، **الجامع لاحکام القرآن**، 16/08

2۔ دخان: 29

3۔ الشوکانی، **فتح القدیر**، 4/682

4۔ نابغہ الذبیانی، **دیوان نابغہ الذبیانی**، ص 121

5۔ دمشق کے قریب بستی کا نام "جولان من نواحی دمشق "قال ابو عبیدہ :حارث الجولان، جبل قریب من جولان" (ابو بکر الھمدانی، **الاماکن**، 1/272)

6۔ دمشق کے قریب علاقے کا نام "جوران قریة علی باب همدان" (الحموی، **معجم البلدان**، 2/180)

ہیں کہ نبی ﷺ نے فرمایا ہر مومن کیلئے دو دروازے ہیں ایک دروازہ وہ ہے جس سے اس کے نیک عمل چڑھتے ہیں اور ایک دروازہ وہ ہے جس سے اس کی روزی اترتی ہے جب وہ مر جاتا ہے تو یہ دونوں اس پر روتے ہیں۔ یہی اللہ تعالیٰ کے فرمان: ﴿فَمَا بَكَتْ عَلَيْهِمُ السَّمَآءُ وَ الْاَرْضُ وَ مَا كَانُوْا مُنْظَرِيْنَ﴾ کا معنی ہے۔[1] گویا آیت میں السماء اور الارض سے پہلے اھل کا لفظ محذوف ہے۔ اس تناظر میں آیت کا معنی یہ ہے کہ قوم فرعون نے خیر کا کوئی عمل ایسا نہ کیا کہ آسمان و زمین والے لوگ ان پر روتے۔

"يَوْمَ يُكْشَفُ عَنْ سَاقٍ" کے معنی کا شعر جاہلی سے استشہاد

اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿يَوْمَ يُكْشَفُ عَنْ سَاقٍ وَّ يُدْعَوْنَ اِلَى السُّجُوْدِ فَلَا يَسْتَطِيْعُوْنَ﴾[2]

ترجمہ:۔ جس دن پردہ اٹھایا جائیگا ایک ساق سے تو ان (نابکاروں) کو سجدہ کی دعوت دی جائے گی تو اس وقت وہ سجدہ نہ کر سکیں گے۔

اہل عرب میں جب کسی شخص کو کوئی سخت معاملہ درپیش ہوتا تو کہا جاتا ''شمر عن ساقہ'' اس نے تہہ بند پنڈلی سے اوپر کر لیا گویا پنڈلی ننگی کرنا بطور استعارہ مذکور ہوتا ہے جب جنگ زوروں پر آجاتی تو کہا جاتا ''کشف الامر عن ساقہ'' گویا کشف ساق، شدت امر سے کنایہ ہے[3]۔

امام شوکانی نے مذکورہ معنی کی دلیل میں دو اشعار جاہلیہ کا تذکرہ کیا درید بن صمہ نے کہا:

كميش الازار خارج نصف ساقه   صبور على الجلاء طلاع انجد[4]

ترجمہ:۔ تہہ بند کو سمیٹنے والا' جس سے آدھی پنڈلی باہر ہوتی ہے تکالیف پر صبر کرنے والا 'خبر دار' (اور) بہت ہوشیار ہے۔

دوسرا شعر حاتم طائی کا ہے جسے امام شوکانی نے بغیر انتساب کے ذکر کیا:

اخو الحرب ان عضت به الحرب عضها   وان شمرت عن ساقها الحرب شمرا[5]

ترجمہ:۔ وہ جنگجو ہے اگر جنگ اسے کاٹے تو وہ اسے کاٹے گا اور اگر جنگ اپنی پنڈلی ننگی کرے تو وہ بھی تہہ بند اٹھالے گا۔

تجزیہ

1۔ الترمذی، ابو عیسیٰ محمد بن عیسیٰ، **الجامع السنن**، کتاب التفسیر: سورۃ دخان (بیروت: دار احیاء التراث العربی)، 5/370، قال الالبانی، ضعیف

2۔ القلم: 42

3۔ الشوکانی، **فتح القدیر**، 5/328

4۔ درید بن صمۃ، **دیوان درید بن صمة**، ص66۔ دیوان میں "الجلاء" کی جگہ "العزاء" کا لفظ ہے۔

5۔ حاتم طائی، **دیوان حاتم طائی**، ص22

پہلا شعر اس مرثیہ کا ہے جسے درید بن صمہ نے اپنے بھائی عبد اللہ کے مرنے پر لکھا۔ درید اپنے بھائی کی خوبیاں بیان کرتے ہوئے "کمیش الازار خارج نصف ساقه" کے الفاظ ذکر کرتا ہے یعنی جب بھی گھمسان کا رن پڑتا تو میرا بھائی اپنی پنڈلی ننگی کر لیتا اور تہہ بند اوپر کر کے مقابلے کیلئے تیار ہو جاتا۔ اب یہاں خارج نصف ساقہ کے الفاظ معاملے کی شدت سے کنایہ ہیں اسی طرح حاتم طائی کے شعر میں "شمرت عن ساقها الحرب" کے الفاظ جنگ کی شدت بیان کرنے کیلئے ہیں۔ جنگ جب زوروں پر ہوتی تو اس کیلئے "شمرت عن ساقها" کے الفاظ بولے گئے۔ ایسا بولنا استعارہ کے طور پر ہے۔ اس تناظر میں "یوم یکشف عن ساق" سے مراد قیامت کے دن کی سختی ہے۔ بخاری و مسلم کی متفق علیہ حدیث میں بھی ہے کہ حضرت ابو سعید خدریؓ بیان کرتے ہیں کہ نبی ﷺ نے فرمایا:

((یکشف ربنا عن ساقه، فیسجد له کل مومن و مومنة، فیبقیٰ کل من کان یسجد فی الدنیا ریاء و سمعة فیذهب لیسجد، فیعود ظهره طبقاً واحداً))[1]

ترجمہ: جب ہمارا رب اپنی ساق کھولے گا تو ہر مومن مرد و عورت سجدہ میں گر جائے گا محض وہ لوگ رہ جائیں گے جنہوں نے دنیا میں دکھانے اور سنانے کیلئے عبادت کی۔ وہ سجدہ کرنا چاہیں گے لیکن ان کی کمر ایک تختہ کی طرح ہو جائے گی۔

یہاں بھی کشف ساق سے مراد قیامت کی سختی ہے اس معنی کے لحاظ سے مولانا مودودی نے ترجمہ کیا ہے "جس روز سخت وقت آ پڑے گا"[2] یہی معنی جاہلی اشعار کے تناظر میں زیادہ مناسب ہے۔ جبکہ تبیان القرآن[3] اور ضیاء القرآن[4] میں ظاہری الفاظ کے مطابق پنڈلی سے پردہ اٹھانے کا معنی کیا گیا ہے۔

"وَثِيَابَكَ فَطَهِّرْ" میں ثیاب کے معنی کا شعر جاہلی سے استشہاد

اللہ تعالیٰ نے نبی کریم ﷺ کو حکم دیتے ہوئے فرمایا:

﴿وَثِيَابَكَ فَطَهِّرْ﴾[5] ترجمہ:۔ اور اپنے کپڑوں کو پاک رکھو۔

ثیاب کے لغوی معنی مراد لیا جائے تو معنی ہوگا کہ جو کپڑے آپ پہنتے ہیں انہیں پاکیزہ رکھیں۔ لغوی معنی کے علاوہ ثیاب کے دیگر معانی بھی بیان کئے گئے ہیں ان میں عمل، قلب، نفس، جسم، اہل، دین اور اخلاق شامل ہیں۔

1۔ البخاری، **الجامع الصحیح**، کتاب، باب، ح 4919، / مسلم، **الجامع الصحیح**، کتاب باب، ح 183

2۔ مودودی، **تفہیم القرآن**، 6/65

3۔ سعیدی، **تبیان القرآن**، 2/188

4۔ الازہری، محمد کرم شاہ، **ضیاء القرآن**، 5/339

5۔ المدثر:4

یعنی ان چیزوں کی طہارت کا اہتمام کریں[1]۔ ان میں دو معانی کی وضاحت کرتے ہوئے امام شوکانی نے اشعار جاہلیہ کی تائید حاصل کی۔ امرؤالقیس نے کہا: **فسلی ثیابی من ثیابک تنسل**[2]

ترجمہ:۔ تو اپنا دل میرے دل سے جدا کرلے۔

جبکہ عنترہ نے کہا:

فشککت بالرمح الطویل ثیابہ　　　لیس الکریم علی القنا بمحرم[3]

ترجمہ:۔ میں نے لمبے نیزے سے اس کا جسم چھید کے رکھ دیا۔ معزز آدمی نیزے پر حرام تو نہیں ہوتا۔

تجزیہ

امرؤالقیس نے عجز البیت میں دوبار ثیاب کا لفظ استعمال کیا۔ شاعر اپنی محبوبہ سے کہتاہے کہ تو اپنا دل، میرے دل سے جدا کرلے۔ دل کیلئے امرؤالقیس نے ثیاب کا لفظ استعمال کیا۔ گویا "ثیاب" کا لفظ "قلب" سے کنایہ ہے۔ اس معنی کے تناظر میں آیت کا مفہوم ہو گا کہ اے نبی! اپنے قلب کی طہارت کا اہتمام رکھیں۔

دوسرے شعر میں شاعر مقابلے میں اپنی شجاعت کا تذکرہ کرتے ہوئے کہتاہے کہ میرے مقابلے میں عزت والا شخص آیا میں نے لمبے نیزے سے اس کا جسم چھید کے رکھ دیا۔ جسم کیلئے شاعر نے ثیاب کا لفظ استعمال کیا۔ گویا ثیاب کا ایک معنی جسم بھی متحقق ہوا۔

اردو مترجمین نے ثیابک کے لغوی معنی کے مطابق ہی ترجمہ کیا۔ تفہیم القرآن میں ترجمہ کیا گیا "اور اپنے کپڑے پاک رکھو"[4] تبیان القرآن میں بھی اسی سے ملتا جلتا ترجمہ ہے "اور اپنا لباس پاک رکھیے"[5]

بہرحال ثیاب کا کپڑے معنی کرنا حقیقی معنی ہو گا۔ اگر ثیاب کا لفظ بیان کردہ دیگر معانی کیلئے استعمال ہوتا ہے تو یہ استعمال مجازی ہو گا۔

"قُتِلَ اَصۡحٰبُ الۡاُخۡدُوۡدِ" میں الۡاُخۡدُوۡدِ کے معنی کا شعر جاہلی سے استشہاد

1۔ الشوکانی، **فتح القدیر**، 5/385

2۔ امرء القیس، **دیوان امرء القیس**، 1/33۔ یہ شعر کا دوسرا مصرع ہے، پہلا مصرع یہ ہے "وان تک قد ساءتک منی خلیقة"

3۔ عنترہ بن شداد، **دیوان عنتر**، ص 82

4۔ مودودی، **تفہیم القرآن**، 6/142

5۔ سعیدی، **تبیان القرآن**، 12/361

اللہ تعالیٰ نے اصحاب الاخدود[1] کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا:

﴿قُتِلَ اَصۡحٰبُ الۡاُخۡدُوۡدِ﴾[2]

ترجمہ:۔مارے گئے کھائی کھودنے والے۔

اخدود زمین میں کھودی گئی لمبی چوڑی کھائی کو کہتے ہیں اس کی جمع اخادید ہے۔ آنسوؤں کے چلنے کی وجہ سے رخسار کو خد کہتے ہیں تکیہ کو "مخدۃ" کہتے ہیں کیونکہ اس پر خد (رخسار) رکھا جاتا ہے جب آدمی کے چہرے پر پھنسی کی وجہ سے جھریاں پڑ جائیں تو کہا جاتا ہے **تخدد وجه الرجل**[3]۔ طرفہ بن عبد کے معلقہ کے شعر میں یہ لفظ یوں استعمال ہوا: **ووجه کان الشمس ألقت رداءها   علیه نقی اللون لم یتخدد**[4]

ترجمہ:۔(وہ) ایسے چہرے (سے ہنستی ہے) جو صاف رنگت والا ہے اس پر جھریاں نہیں ہیں گویا کہ سورج نے اپنی (نور کی) چادر اس پر ڈال دی ہے۔

تجزیہ

شعر میں "**لم یتخدد**" کا لفظ محل استدلال ہے۔ شاعر اپنی محبوبہ کے چہرے کے حسن کی تعریف کرتا ہے۔ وجہ کا لفظ مجرور ہے کیونکہ ما قبل شعر "**وتبسم عن المی کان منوراً**" میں المی پر اس کا عطف ہے[5]۔ المیٰ، عن عرف جر کی وجہ سے مجرور ہے اسی لئے "وجہ" کا لفظ بھی مجرور ہے۔ شاعر، محبوبہ کے چہرے کے دو اوصاف بیان کرتا ہے ایک یہ کہ رنگت صاف ستھری ہے دوسرا یہ کہ اس پر جھریاں نہیں پڑتیں۔ جھریوں کیلئے "**لم یتخدد**" کا لفظ ذکر ہوا۔ اس لفظ کا مادہ مجرد "خد" ہے۔ جھریاں پڑنے سے چونکہ گڑھے دکھائی دیتے ہیں جن کی بڑی شکل خندقیں ہوتی ہیں اس لئے "**اخدود**" اور "**لم یتخدد**" کے معنی میں مماثلت موجود ہے۔ المفردات میں امام راغب اصفہانی نے خد کا معنی بیان کرتے ہوئے کہا:

الخد والاخدود: شق فی الارض مستطیل عائض، وجمع الاخدود اخادید، واصل ذلک من خدی الانسان[6]

1۔ اصحاب الاخدود کی تفصیل ابن کثیر نے مسند احمد کے حوالے سے بیان کی۔ جس میں بادشاہ نے ایک لڑکے کو جادوگر کے پاس جادو سیکھنے بھیجا۔ راستے میں وہ راہب سے متاثر ہو کر اس کے پاس بیٹھنے لگا اور لڑکے نے اسلام قبول کیا اور بالآخر جن جن لوگوں نے اس لڑکے کی تعلیمات کے مطابق اللہ تعالیٰ کی وحدانیت کا اقرار کیا ان کیلئے خندقیں کھدوائی گئیں اور انہیں زندہ آگ میں جلا دیا گیا (ملخصاً) (ابن کثیر، **تفسیر القرآن العظیم**، 8/366-367)

2۔ البروج: 04

3۔ الشوکانی، **فتح القدیر**، 5/489

4۔ طرفۃ بن عبد، **دیوان طرفہ بن عبد**، ص20

5۔ الزوزنی، **شرح المعلقات السبع**، 1/93

6۔ الاصفہانی، محمد حسین، **المفردات**، 1/275-276

"وَ لَآ اَنَا عَابِدٌ مَّا عَبَدْتُّمْ" میں تکرار کی بحث کا شعر جاہلی سے استشہاد

کفار مکہ نے نبی علیہ السلام سے کہا کہ آپ ایک سال ہمارے معبودوں کی عبادت کریں ہم ایک سال آپ کے معبود کی عبادت کریں گے اس پر یہ آیات نازل ہوئیں۔

﴿لَآ اَعْبُدُ مَا تَعْبُدُوْنَ۔ وَ لَآ اَنْتُمْ عٰبِدُوْنَ مَآ اَعْبُدُ۔ وَ لَآ اَنَا عَابِدٌ مَّا عَبَدْتُّمْ۔ وَ لَآ اَنْتُمْ عٰبِدُوْنَ مَآ اَعْبُدُ﴾[1]

ترجمہ:۔ میں پرستش نہیں کرتا (ان بتوں کی) جن کی تم پرستش کرتے ہو اور نہ ہی تم عبادت کرنے والے ہو اس (خدا) کی جس کی میں عبادت کرتا ہوں اور نہ ہی میں کبھی عبادت کرنے والا ہوں جن کی تم پوجا کرتے ہو اور نہ تم اس کی عبادت کرنے والے ہو جس کی میں عبادت کرتا ہوں۔

ان چار آیات میں باہم تکرار ہے یا نہیں اس پر بحث کرتے ہوئے امام شوکانی فرماتے ہیں کہ ایک قول یہ ہے کہ "لَآ اَعْبُدُ مَا تَعْبُدُوْنَ" سے مراد زمانہ مستقبل ہے کیونکہ لا نافیہ زمانہ مستقبل میں کسی کام کی نفی کیلئے لایا جاتا ہے اور "وَ لَآ اَنْتُمْ عٰبِدُوْنَ مَآ اَعْبُدُ" سے بھی مستقبل کی نفی مراد ہے پھر فرمایا: "وَ لَآ اَنَا عَابِدٌ مَّا عَبَدْتُّمْ" اس سے زمانہ حال میں معبودان باطلہ کی عبادت کی نفی ہے اور اگلی آیت کا تعلق بھی زمانہ حال سے ہی ہے۔

ایک قول اس کے برعکس ہے یعنی پہلی دو آیات کا تعلق زمانہ حال سے ہے اور اگلی دو آیات مستقبل سے متعلق ہیں۔ ایک قول یہ ہے کہ ان میں سے ہر ایک حال اور مستقبل دونوں کیلئے درست ہے لیکن ہم ان میں سے ایک کو حال اور دوسرے کو استقبال سے متعلق کریں گے تاکہ تکرار واقع نہ ہو۔ ان سب باتوں میں تکلیف اور پیچیدگی موجود ہے جو کسی پر مخفی نہیں ہے۔ یہ تمام بحث اس وقت ہے جب تکرار کی نفی کی جائے۔ ایک قول یہ بھی ہے کہ اہل عرب کا دستور ہے کہ جب وہ کسی بات میں تاکید پیدا کرنا چاہتے ہیں تو تکرار لاتے ہیں تکرار کا مقصد کلام میں تاکید پیدا کرنا ہوتا ہے[2]۔

تکرار کی امثلہ ذکر کرتے ہوئے امام شوکانی دو اشعار جاہلیہ کا ذکر کیا۔ پہلا شعر مہلہل بن ربیعہ کا ہے جسے امام شوکانی نے بغیر انتساب کے ذکر کیا:

یالبکر انشروا لی کلیبا　　　یالبکر این این الفرار[3]

1۔ الکافرون:5-2

2۔ الشوکانی، **فتح القدیر**، 5/608-607

3۔ مہلہل بن ربیعہ، **دیوان مہلهل بن ربیعه**، 1/14

ترجمہ:۔ اے بنو بکر! (میرے بھائی) کلیب کو میرے پاس زندہ کر کے لاؤ۔ اے بنو بکر بھاگ کر کہاں کہاں جاؤ گے۔

دوسرا شعر بھی امام شوکانی نے بغیر انتساب کے ذکر کیا یہ شعر عبید بن ابرص کا ہے:

ھلاسالت جموع کن　　دۃیوم ولا این اینا[1]

ترجمہ:۔ کیا تو نے کندۃ کے لشکر کے متعلق کسی سے نہیں پوچھا جس دن وہ بھاگ کر نجانے کہاں کہاں چلے گئے؟

تجزیہ

بنو بکر نے مھلھل کے بھائی کلیب کو قتل کر دیا تھا۔ مھلھل، بنو بکر سے اپنے بھائی کے خون کا بدلہ لیتا ہے۔ حرب بسوس کے دوران یہ شعر کہتے ہوئے این کے لفظ کا تکرار کرتا ہے۔ شعر کی تقطیع یوں ہے: **فلاعلاتن۔ فاعلن۔ فاعلاتن**۔ یہ بحر مدید میں ہے شعر کی مکمل تقطیع یوں ہے:

یالبکرن۔انشروالی کلیبن　　یالبکرن أینای نلفرارو

فاعلاتن۔فاعلن۔فاعلاتن　　فاعلاتن۔فاعلن۔فاعلاتن[2]

یہاں لفظ کا تکرار، لغت عرب میں تکرار کے جواز پر دلالت کرتا ہے۔ دوسرے شعر میں عبید بن ابرص، بنو اسد کے اپنے سردار حجر کو قتل کرنے کے بعد کے حالات کے متعلق تبصرہ کرتا ہے۔ حجر، امرؤالقیس کا باپ تھا[3]۔ عبید بن ابرص، بنو کندہ کے تتر بتر ہونے کا تذکرہ کرتا ہے۔ شعر میں این کے لفظ کا تکرار ہے جو کلام میں تکرار کے جواز پر دلالت کرتا ہے۔

1۔ عبید بن ابرص، **دیوان عبید بن ابرص**، ص118۔ دیوان میں عجز البیت میں "ولا" کی بجائے "ولوا" کا لفظ ہے۔

2۔ ابن قتیبہ الدینوری، ابو محمد عبد اللہ بن مسلم بن قتیبہ الدینوری (م: 276ھ) **الجرائیم**، (دمشق: وزارۃ الثقافۃ)، 2/328

3۔ الدینوری، ابن قتیبہ، **الشعر والشعراء** (قاہرہ: دار الحدیث، طباعت: 1423ھ)، 1/116

فصل دوم: علم بدیع سے متعلق جاہلی شاعری سے استشہاد

علم البدیع کا مفہوم، اہمیت اور مثالیں

علامہ عبد الرحمن قزوینی علم البدیع کی تعریف کرتے ہوئے ارشاد فرماتے ہیں:

''ھوعلم یعرف بہ وجوہ تحسین الکلام بعد رعایۃ المطابقۃ لمقتضی الحال''۔[1]

ترجمہ: علم البدیع وہ علم ہے جس کے ذریعے فصیح و بلیغ کلام کو حسین کرنے کے طریقے معلوم ہو جائیں۔

اس علم کے تحت آنے والی اشیاء بہت ساری ہیں، بعض کا تعلق الفاظ کے ساتھ ہے جنہیں محسنات لفظیہ کہا جاتا ہے اور بعض کا تعلق معنی کے ساتھ ہے جنہیں محسنات معنویہ کہا جاتا ہے- چونکہ اس مختصر مضمون میں اُن تمام کا ذکر کرنا ناممکن ہے لہٰذا اجمالی طور پر چند چیزوں کا ذکر کیا جاتا ہے-

توریہ:

''التوریۃ ان یذکر لفظ لہ معنیان قریب یتبادر فھمہ من الکلام بعید ھو المراد بالافادۃ لقرینۃ خفیۃ"[2]

"توریہ سے مراد ایک ایسا لفظ جس کا ذکر کیا جائے اس کے دو معنی ہوں- ایک قریبی جو کلام سے جلد سمجھ آ جائے اور دوسرا بعیدی جو کسی مخفی قرینے کی وجہ سے فائدہ دینے کیلئے مراد لیا گیا ہو-"

جیسا کہ اللہ رب العزت نے ارشاد فرمایا:

﴿وَهُوَ الَّذِيْ يَتَوَفّٰىكُمْ بِالَّيْلِ وَيَعْلَمُ مَا جَرَحْتُمْ بِالنَّهَارِ﴾۔[3]

''اور وہی ہے جو رات کو تمہاری روحیں قبض کرتا ہے اور جو کچھ تم دن کو کرتے ہو اس کو جانتا ہے-"

اس آیت کریمہ میں لفظ "مَا جَرَحْتُمْ" کے دو معنی ہیں- پہلا معنی تو یہ ہے کہ جو تم نے زخم کیے یہ اس کا قریبی معنی ہے اور اس معنی کی طرف ذہن جلد جاتا ہے اور دوسرا معنی ہے کہ جو تم نے گناہ کیے یہ اس کا بعیدی معنی ہے اور ذہن اس کی طرف جلدی نہیں جاتا- اس مقام پر اگر دوسرا معنی مراد لیا ہے تو پھر مطلب یہ ہو گا کہ جو تم دن کو گناہوں کا ارتکاب کرتے ہو اللہ تعالیٰ اُس کو جانتا ہے-

الطباق:

''ھو الجمع بین معنین متقابلین "۔[4]

1- القزوینی، **تلخیص المفتاح**، ص171

2- حفنی ناصف و آخرون، **دروس البلاغۃ**، ص185

3- الانعام:60

4 - حفنی ناصف و آخرون، **دروس البلاغۃ**، ص187

"طباق یہ ہے کہ کلام میں دو باہم متقابل معنوں کو اکٹھا کر دیا جائے چاہے وہ دونوں اسم ہو یا فعل۔"

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿وَتَحْسَبُهُمْ اَيْقَاظًا وَّهُمْ رُقُوْدٌ﴾"[1])

"اور تم انہیں جاگتا سمجھو اور وہ سوتے ہیں۔"

اس آیت کریمہ میں "اَیقاظ" اور "رُقود" یہ اسم ہیں جن کو ایک ساتھ جمع کر دیا گیا ہے اور دونوں ایک دوسرے کے متقابل ہیں کیونکہ "اَیقاظ" کا معنی جاگنا اور "رُقود" کا معنی سونا ہے۔

فعل کی مثال فرمان باری تعالیٰ ہے:

﴿وَلٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَعْلَمُوْنَ ۝ يَعْلَمُوْنَ ظَاهِرًا مِّنَ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا﴾ ۔[2])

"اور لیکن بہت لوگ نہیں جانتے اور جانتے ہیں جانتے ہیں آنکھوں کے سامنے کی دنیوی زندگی۔"

دیکھئے! یہاں دو فعل "لَایَعْلَمُوْنَ" اور "یَعْلَمُوْنَ" باہم متقابل ہیں اور انہیں ایک جگہ اکٹھا کر دیا گیا ہے۔

المقابلہ:

"هوان يوتى بمعنيين او اكثرثم يوتى بما يقابل ذالك على الترتيب"۔[3])

"یہ طباق کی ایک قسم ہے اور مقابلہ یہ ہے اولاً دو یا زیادہ معنوں کو ذکر کیا جائے پھر اُن کے مقابل کو بھی بالترتیب لایا جائے۔"

جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

﴿فَلْيَضْحَكُوْا قَلِيْلًا وَّلْيَبْكُوْا كَثِيْرًا﴾۔[4])

"سو انہیں چاہئے کہ تھوڑا ہنسیں اور بہت روئیں۔"

اس آیت مبارکہ میں اولاً 'ضحک' اور 'قلت' کو لایا گیا پھر دونوں کے مقابل 'بکاء' اور 'کثرت' کو علی الترتیب لایا گیا ہے۔

الاستخدام:

1-الکھف:18

2-الروم:6-7

3-القزوینی، **تلخیص المفتاح**، ص172

4-التوبۃ:82

''ھو ذکر اللفظ بمعنی واعادۃ ضمیر علیه بمعنی آخر"۔([1])

''استخدام کہتے ہیں کہ دو معنی والے کسی لفظ کو ذکر کیا جائے اور اس سے کوئی ایک معنی مراد لیا جائے پھر اُس لفظ کی طرف ایک ضمیر لوٹائی جائے اور اُس ضمیر سے اُس لفظ کا دوسرا معنی مراد لیا جائے۔''

جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

﴿فَمَنْ شَهِدَ مِنْكُمُ الشَّهْرَ فَلْيَصُمْهُ﴾([2])

''تو تم میں جو کوئی یہ مہینہ پائے ضرور اس کے روزے رکھے۔''

اس آیت مبارکہ میں لفظ ''الشَّہر'' استعمال ہُوا ہے جو دو معنوں والا ہے۔ایک معنی ہلال رمضان ہے اور دوسرا معنی شہر رمضان ہے۔لفظ ''الشَّہر'' سے پہلا یعنی ہلال رمضان مراد لیا گیا ہے اور پھر ''فَلْيَصُمْهُ'' کی ضمیر منصوب متصل جب لفظ ''الشَّہر'' کی طرف لوٹائی تو اُس وقت اُس کا دوسرا معنی شہر رمضان مراد لیا گیا۔اس لیے معنی ہوا کہ جو تم میں سے رمضان کے چاند کو دیکھے تو اُسے چاہیے کہ وہ ماہ رمضان کے روزے رکھے۔

الطی والنشر:

"ھو ذکر متعدد علی التفصیل او الاجمال ثم یذکر ما لکل واحد من المتعدد من غیر تعیین اعتماداعلی فھم السامع"۔([3])

طی ونشر یہ ہے کہ کئی ایک اشیاء کو اولا اجمالا یا تفصیلا ذکر کیا جائے پھر ان میں سے ہر ایک کیلئے بغیر تعین کے ایک ایک حکم بھی ذکر کر دیا جائے فہم سامع پر اعتماد کرتے ہوئے۔''

جیسا کہ فرمانِ باری تعالیٰ ہے:

﴿جَعَلَ لَكُمُ الَّيْلَ وَالنَّهَارَ لِتَسْكُنُوا فِيهِ وَلِتَبْتَغُوا مِنْ فَضْلِهِ﴾۔([4])

''اس (اللہ تعالیٰ) نے تمہارے لئے رات اور دن بنائے کہ رات میں آرام کرو اور دن میں اس کا فضل ڈھونڈو۔''

اب اس آیت کریمہ میں دو چیزیں لیل اور نہار علیٰحدہ علیحدہ طور پر ذکر ہوئی ہیں اور ان کیلئے دو حکم بھی بغیر تعین کے مذکور ہُوئے۔ مگر اس عدم تعیین سے فہم مراد میں کوئی فرق نہیں پڑے گا کیونکہ ہر شخص جانتا ہے کہ

1- حفنی ناصف و آخرون، دروس البلاغہ، ص 191

2- البقرۃ:185

3- حفنی ناصف و آخرون، دروس البلاغہ، ص 197

4- القصص:73

اکثر بیشتر آرام رات کو ہوتا ہے اور کسب معاش دن کو ہوتا ہے-لہٰذا معلوم ہوا ''لِتَسْكُنُوْا فِيْهِ''کا ربط ''اَلَّيْلَ''یعنی رات کے ساتھ ہے اور ''لِتَبْتَغُوْا مِنْ فَضْلِهٖ''کا تعلق ''النَّهَارَ''یعنی دن کے ساتھ ہے-

تشابہ الاطراف:

''ھو جعل آخر جملۃ صدر تالیتھا او آخر بیت صدر ما یلیہ "-(1)

''تشابہ الاطراف یہ ہے کہ نثر یا شعر میں کسی جملے کے آخری حصے کو اس کے بعد والے جملے کے شروع میں لایا جائے-''

جیسا کہ اللہ رب العزت نے ارشاد فرمایا:

﴿مَثَلُ نُوْرِهٖ كَمِشْكٰوةٍ فِيْهَا مِصْبَاحٌ ط اَلْمِصْبَاحُ فِيْ زُجَاجَةٍ ط اَلزُّجَاجَةُ كَاَنَّهَا كَوْكَبٌ دُرِّيٌّ﴾-(2)

''اللہ تعالیٰ کے نور کی مثال اس طاق کی طرح ہے کہ جس میں ایک چراغ ہو اور وہ چراغ رکھا ہُوا ہو ایک شیشے میں وہ شیشہ ایسا ہو جیسا کہ ایک چمکتا ہُوا موتی-''

اس آیت مبارکہ میں پہلے جملے کے آخری لفظ 'مِصْبَاحٌ' کو دوسرے جملے کے آغاز میں 'اَلْمِصْبَاحُ' کی صورت میں لایا گیا ہے اور دوسرے جملے کے آخری لفظ 'زُجَاجَةٍ' کو اس کے بعد والے جملے کے شروع میں 'اَلزُّجَاجَةُ' کی شکل میں اعادہ کر کے اس کلام کو زینت بخشی گئی ہے-

تصدیر:

''ھو فی النثر ان یجعل احد اللفظین المکررین او المتجانسین او الملحقین بھما بان جمعھما اشتقاق او شبیھہ فی اول الفقرۃ والثانی فی آخرھا"-(3)

''تصدیر یہ ہے کہ نثر میں ایسے دو لفظ جو مکرر ہوں یا ایک جنس کے ہوں یا ان دونوں کے ساتھ اس طرح ملحق ہوں کہ ان دو لفظوں کا ماخذ اشتقاق ایک ہو یا بعینہ ایک تو ہو البتہ ایک جیسا ہو ان میں سے کوئی ایک لفظ کسی فقرے کی ابتداء میں ہو اور دوسرا دوسرے فقرے کے اخیر میں استعمال کیا جائے-''

جیسا کہ فرمان باری تعالیٰ ہے:

﴿وَتَخْشَى النَّاسَ وَاللّٰهُ اَحَقُّ اَنْ تَخْشٰهُ﴾-(4)

1- حفنی ناصف وآخرون، **دروس البلاغہ**، ص208

2- النور:35

3- القزوینی، **تلخیص المفتاح**، ص197

4- الاحزاب:37

"آپ لوگوں کے طعن و تشنیع سے ڈرتے تھے اور آپ کو اللہ سے زیادہ ڈرنا چاہیے-"

اس کلام میں لفظ "تَخْشٰی" مکرر استعمال ہُوا ہے- پہلے فقرے میں آیت کے آغاز میں پھر دوسرے فقرے کے آخر میں اور یہ دونوں کلمے لفظ و معنی دونوں میں متفق ہیں-

ایسے دو ملحق بالمتجانسین کہ جن دونوں کو ماخذ اشتقاق نے یکجا کر دیا ہو اُس کی مثال یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

﴿اِسْتَغْفِرُوْا رَبَّكُمْ ط اِنَّهٗ كَانَ غَفَّارًا﴾-(1)

"تم اپنے رب سے اپنے گناہوں پر معافی طلب کرو بلاشبہ وہ بہت زیادہ معاف کرنے والا ہے-"

اس آیت کریمہ میں "اِسْتَغْفِرُوْا" اور "غَفَّارًا" مکرر بھی نہیں اور متجانسین بھی نہیں البتہ دونوں کا ماخذ اشتقاق ایک ہونے کی وجہ سے متجانسین کے ساتھ ملحق سمجھ لیا گیا ہے ان میں سے ایک لفظ ایک آیت کے شروع میں ہے اور دوسرا لفظ دوسری آیت کے آخر میں ہے-

سجع:

''ھو توافق الفاصلتین نثرا فی الحرف الاخیر"-(2)

"وہ نثر کہ دو جملوں کے حرف اخیر کی یکسانیت کا نام ہے-"

مطلب یہ ہے کہ پہلا جملہ جس حرف پر ختم ہو رہا ہو دوسرا جملہ بھی اُسی حرف پر ختم ہو تو اسے سجع کہتے ہیں-

﴿اِذَا الشَّمْسُ كُوِّرَتْ وَاِذَا النُّجُوْمُ انْكَدَرَتْ وَاِذَا الْجِبَالُ سُيِّرَتْ﴾ -(3)

اب ان تینوں آیات میں اگر ہم غور کریں تو پہلی آیت جس حرف پر ختم ہو رہی ہے اسی طرح دوسری اور تیسری آیت بھی اُسی حرف "ت" پر ختم ہو رہی ہے-

اسی طرح ایک اور مقام پر ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿وَالطُّوْرِ0 وَكِتٰبٍ مَّسْطُوْرٍ0 فِيْ رَقٍّ مَّنْشُوْرٍ0 وَّ الْبَيْتِ الْمَعْمُوْرِ﴾-(4)

ان آیات میں بھی 'سجع' ہے کہ جس حرف پر پہلی آیت یعنی "والطور" ختم ہو رہی ہے تو اُسی حرف "ر" پر باقی آیات بھی ختم ہو رہی ہیں-

---

1- النوح:10

2- حفنی ناصف و آخرون، دروس البلاغہ، 217

3- التکویر:1-3

4- الطور:1-4

ایک اور مقام پر ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿وَالْيَوْمِ الْمَوْعُوْدِ ۙ وَشَاهِدٍ وَّمَشْهُوْدٍ قُتِلَ اَصْحٰبُ الْاُخْدُوْدِ ۙ النَّارِ ذَاتِ الْوَقُوْدِ﴾۔[1]

ان آیات میں بھی اگر ہم غور کریں تو پہلی آیت جس حرف پر ختم ہو رہی ہے وہ حرف "د" ہے اُسی حرف پر بقیہ آیات بھی ختم ہو رہی ہیں۔

"لف و نشر"[2] کی ترتیب:

مذکورہ آیات میں رات اور دن کا ذکر کرنے کے بعد جب اللہ تعالیٰ نے اپنی قدرت کاملہ سے رات اور دن کے یکے بعد دیگرے آنے کا ذکر کیا تو ان کا ذکر ترتیب "لف و نشر" پر کیا۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿وَمِنْ رَّحْمَتِهٖ جَعَلَ لَكُمُ الَّيْلَ وَالنَّهَارَ لِتَسْكُنُوْا فِيْهِ وَلِتَبْتَغُوْا مِنْ فَضْلِهٖ وَلَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ﴾[3]

ترجمہ: اور محض اپنی رحمت سے اس نے بنادیا تمہارے لئے رات اور دن کو تاکہ تم آرام کرو رات میں اور تلاش کرو دن میں اس کے فضل (رزق) سے اور تاکہ شکر گزار بنو۔

اللہ تعالیٰ نے آیت میں پہلے رات کا ذکر کیا پھر دن کا۔ اس کے بعد سکون اور بعد میں رزق کی تلاش کا۔ اب سکون کا تعلق رات سے ہے اور رزق کی تلاش کا تعلق دن ہے۔ یعنی پہلی دو چیزوں سے پہلی کا تعلق دوسری دو چیزوں میں سے پہلی سے ہے جبکہ دوسری کا تعلق دوسری سے ہے۔ اسے "لف و نشر" کی ترتیب کہا جاتا ہے۔

شعر جاہلی سے استشہاد:

امرؤالقیس نے کہا:

کان قلوب الطیر رطباً و یابساً　　لدی وکرھا العناب والحشف البالی[4]

ترجمہ:۔ گویا کہ پرندوں کے دل، عقاب کے ان کے گھونسلے میں حملہ آور ہونے کے وقت ترو تازگی اور مرجھانے کے اعتبار سے انگور اور خشک کھجوروں کی طرح ہوتے ہیں۔

محل استشہاد:۔

1- البروج:2-5

2- "ھو ان تلف شیئین ثم تاتی بتفسیرھا جملۃ ثقۃ بان السامع یرد الی کل واحد منھما مالہ" ترجمہ: لف و نشر سے مراد یہ ہے کہ دو چیزوں کو اکٹھا اس طرح ذکر کیا جائے کہ ایک اور جملے سے سامع پر اعتماد کرتے ہوئے اس کی تفسیر کی جائے (الجرجانی، علی بن محمد، **معجم التعریفات**، (القاھرۃ: دارالفضیلہ، س ط ندارد)، ص162

3- القصص:73

4- امرؤالقیس، **دیوان امرءالقیس**، 1/139

شاعر نے عقاب کی تعریف میں شعر لکھا ہے جب عقاب پرندوں پر حملہ آور ہوتا ہے تو پرندوں کے دل چونکہ تروتازہ ہوتے ہیں اور پھر موت کے ڈر سے مرجھا جاتے ہیں تو "رطبا" کی کیفیت انگور سے متعلق ہے اور "یابسا" کی کیفیت کا تعلق خشک کھجوروں سے ہے یعنی پہلی دو کیفیات کا جو بیان ہے ان میں سے پہلی کا تعلق، موخرالذکر دو میں سے پہلی کے ساتھ ہے جبکہ دوسری کیفیت کا تعلق دوسری کے ساتھ ہے اسے تشبیہ ملفوف بھی کہتے ہیں یہی ترتیب "لف و نشر" ہے۔

خَتَّارٍ کا معنی

جو لوگ اللہ کی آیات کا انکار کرتے ہیں ان کے متعلق اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿مَا یَجۡحَدُ بِاٰیٰتِنَاۤ اِلَّا کُلُّ خَتَّارٍ کَفُوۡرٍ﴾[1]

ترجمہ: اور نہیں انکار کرتا ہماری آیتوں کا مگر ہر وہ شخص جو غدار (اور) ناشکرا ہے۔

خَتَّارٍ بروزن فعال مبالغہ کا صیغہ ہے اس کا معنی بیان کرتے ہوئے امام شوکانی فرماتے ہیں کہ خَتَر کا معنی ہے بہت بڑا دھوکہ دینا۔[2]

شعر جاہلی سے استشہاد

اعشیٰ نے کہا: **بالابلق الفرد من تیماء منزله حصن حصین و جار غیر ختار**[3]

ترجمہ (سموئل بن عادیا کا) مقام تیماء پر ابلق فرد (کے نام سے) مضبوط قلعہ ہے جس کے پڑوس میں کوئی غدار موجود نہیں ہے۔

وجہ استشہاد

اعشیٰ نے جو قصیدہ سموئل بن عادیا کے بیٹے شریح کو مخاطب کر کے لکھا اس کا ایک شعر یہ ہے۔ سموئل بن عادیا امانت داری میں ضرب المثل بنا جس اس نے امانت کی حفاظت کے بدلے اپنا بیٹا ذبح کروا دیا لیکن امانت میں خیانت نہ کی۔ اس کا قلعہ جن کا نام ابلق تھا اسے ابلق فرد بھی کہا جاتا تھا۔ مقام تیماء پر واقع تھا اس کی خاصیت بیان کرتے ہوئے اعشیٰ کہتا ہے کہ ایسا قلعہ ہے جس کے پڑوس میں کوئی غدار نہیں ہے اس معنی کے اظہار کیلئے شاعر نے غیر ختار کا لفظ استعمال کیا۔ گویا ختار کا معنی غدار ہے۔ یہی لوگ اللہ کی آیتوں کا انکار کرنے والے ہیں۔ پیر کرم شاہ صاحب نے ترجمہ کرتے ہوئے غدار کا معنی ہی اختیار کیا۔[4]

1۔ لقمان:32

2۔ الشوکانی، **فتح القدیر**، 4/293

3۔ الاعشیٰ، **دیوان الاعشیٰ الکبیر**، ص179

4۔ الازہری، محمد کرم شاہ، **ضیاء القرآن**، 3/617

فصل سوم: علم معانی سے متعلق جاہلی شاعری سے استشہاد

علم معانی کا مفہوم

وہ علم ہے جس میں متکلم کو مخاطب کی ذہنی صلاحیت اور مقتضی حال کے مطابق کلام کرنے کے قواعد سکھائے جاتے ہیں، نیز کسی عبارت سے حقیقی معنی کے علاوہ قرائن اور سیاق وسباق سے جو اور معانی، مفہوم ومستنبط ہوتے ہیں ان کی تشریح کی جاتی ہے۔

"ھوعلم یعرف بہ احوال اللفظ العربی التی بھا یطابق مقتضی الحال"۔([1])

ترجمہ: علم المعانی سے مراد ایسا علم ہے جس میں عربی لفظ کے احوال کو مقتضی حال کے مطابق جانا جاتا ہے۔

علم معانی اپنے مفہوم کے دائرہ کار کے اعتبار سے آٹھ ابواب سے تعلق رکھتا ہے جس سے اس علم کی اقسام اور ان کی نوعیت کا بخوبی اندازہ ہوتا ہے وہ آٹھ ابواب درج ذیل ہیں:

"احوال الاسناد الخبری، احوال المسند الیہ، احوال المسند، احوال متعلقات الفعل، القصر، الانشاء، الفصل والوصل، الاعجاز والاطناب والمساواۃ"۔([2])

ترجمہ: اسناد خبری، مسند الیہ، مسند، متعلقات فعل، قصر، انشاء، فصل اور وصل، اعجاز واطناب اور مساوات کے احوال۔(یہ آٹھ ابواب ہیں جو علم معانی کے ضمن میں بیان کیے جاتے ہیں۔)

قاضی شوکانی نے اپنی تفسیر میں جابجا دور جاہلیت کی شاعری سے استفادہ کرتے ہوئے ایسے اشعار کو نقل کیا ہے جن کا تعلق علم معانی سے ہے۔ اور یہ امر الفاظ کی صحیح تعبیر اور تفسیر کے لیے معاون ثابت ہوتا ہے۔

خبر کا حذف کیا جانا

اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿وَمَآ اَمۡوَالُكُمۡ وَلَآ اَوۡلَادُكُمۡ بِالَّتِیۡ تُقَرِّبُكُمۡ عِنۡدَنَا زُلۡفٰۤی﴾ ([3])

ترجمہ: اور تمہارے اموال اور تمہاری اولاد ایسی چیزیں نہیں ہیں جو تم کو ہمارا مقرب بنادیں۔

آیت میں ما اور لا حروف نفی ہیں۔ اَمۡوَالُكُمۡ اور اَوۡلَادُكُمۡ دونوں مضاف، مضاف الیہ ملکر عطف کے ساتھ مبتدا واقع ہوئے ہیں اور بِالَّتِیۡ تُقَرِّبُكُمۡ عِنۡدَنَا زُلۡفٰۤی اس کی خبر واقع ہو رہا ہے اب التی کا تعلق اَمۡوَالُكُمۡ اور اَوۡلَادُكُمۡ دونوں کے ساتھ ہے یا کسی ایک کے ساتھ اس میں اختلاف ہے۔ امام شوکانی فرماتے ہیں کہ فراء کے بقول "التی" کا

1۔القزوینی، محمد بن عبد الرحمٰن، **تلخیص المفتاح**، ص10

2۔ایضا

3۔سبا:37

تعلق اموال اور اولاد دونوں کے ساتھ ہے جبکہ زجاج کے بقول خبر کا تعلق اَوْلَادُکُمْ کے ساتھ ہے۔ اَمْوَالُکُمْ کی خبر یہی ہے لیکن محذوف ہے ان کے نزدیک تقدیری عبارت یوں ہے:

وما اموالکم بالتی تقربکم عندنا زلفیٰ ولا اولادکم بالشئی یقربکم عندنا زلفیٰ

اب سوال پیدا ہوا کہ اگر خبر کا تعلق اولادکم کے ساتھ ہے تو اموالکم کی خبر کا حذف کیوں ہو رہا ہے؟ اس کا جواب امام شوکانی نے یہ دیا کہ یہاں پہلے اس کی خبر کو حذف اس لئے کیا گیا کہ دوسرے اسم کی خبر اس پر دلالت کر رہی ہے[1]

شعر جاہلی سے تائید

امام شوکانی نے زجاج کے قول کی تائید میں یہ شعر بیان کیا:

نحن بما عندنا و انت بما عن دک راض والرای مختلف[2]

ترجمہ ہمارے پاس جو ہے (ہم اس پر راضی ہیں) اور جو تمہارے پاس سے تم اس پر خوش ہو۔ اور (ہماری باہمی) رائے مختلف ہے۔

تجزیہ

شعر کی تقدیری عبارت یوں ہے:

نحن بما عندنا رضوان و انت بما عندک راض

پہلے جملہ میں نحن کی خبر "راضون" محذوف ہے۔ حذف کی وجہ یہ ہے کہ دوسرے جملے کی خبر "راض" اس پر دلالت کر رہی ہے۔ گویا جملہ ثانیہ کی خبر وہی ہے جو جملہ اولیٰ کی خبر ہے تو جملہ ثانیہ میں ذکر کر کے جملہ اولیٰ سے اس کا حذف کلام عرب میں رائج تھا۔ اسی طرح آیت میں اموالکم کی خبر حذف کی گئی ہے اور چونکہ اس کی خبر وہی ہے جو اولادکم کی ہے تو دلالت کی وجہ سے اس کا حذف جائز ہے۔

امام قرطبی نے بھی یہی بحث ذکر کی اور مذکورہ شعر سے یہی استشہاد کیا۔[3]

جواب شرط کا خذف (حذف ایجاز)

قیامت کے دن فرشتے اہل تقویٰ کو جنت میں کس اعزاز و اکرام کے ساتھ لے جائیں گے اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں:

1۔ الشوکانی، **فتح القدیر**، 4/394

2۔ صیفی الاسلت، **دیوان صیفی الاسلت**، ص 82

3۔ القرطبی، **الجامع لاحکام القرآن**، 14/305

﴿وَسِيْقَ الَّذِيْنَ اتَّقَوْا رَبَّهُمْ اِلَى الْجَنَّةِ زُمَرًا۔ حَتّٰى اِذَا جَآءُوْهَا وَفُتِحَتْ اَبْوَابُهَا﴾(1)

ترجمہ:۔ اور لے جایا جائیگا انہیں جو ڈرتے تھے (عمر بھر) اپنے رب سے جنت کی طرف گروہ در گروہ حتیٰ کہ جب وہ وہاں پہنچیں گے اور جنت کے دروازے پہلے ہی کھول دیئے گئے ہوں گے۔

اس آیت کی تفسیر میں امام شوکانی رقم طراز ہیں:

"جواب اذا محذوف' قال المبرد تقدیرہ: سعدوا و فتحت"(2)

ترجمہ:۔ اذا حرف شرط کا جواب محذوف ہے جیسے امام مبرد کا قول ہے کہ اس کی تقدیری عبارت یوں ہے " **سعدوا و فتحت**"

اس عبارت میں سعدوا کا کلمہ حذف کیا گیا ہے جو کہ حذف ایجاز ہے یعنی جب اہل تقویٰ وہاں پہنچیں گے تو وہ سعادت مند ہوں گے اور ان کی سعادت مندی کی وجہ سے ان کیلئے جنت کے دروازے کھول دیے جائیں گے۔ امام شوکانی نے اس کی تائید میں امرؤالقیس کا یہ شعر نقل کیا ہے:

فلو انها نفس تموت جمیعة   لکهنا نفس تساقط أنفساً(3)

ترجمہ:۔ کل کاش یہ (میرا) سانس ایک ہی بار نکل جاتا لیکن یہ جان ایسی ہے جو کئی جانوں کی طرح نکل رہی ہے۔

وجہ استشہاد:

جب امرؤالقیس اپنے باپ کے انتقام کیلئے قیصر روم کے پاس گیا اور قیصر نے اسے ایک لشکر دے کر بنو اسد سے انتقام لینے کیلئے بھیجا تو ابھی امرؤالقیس راستے میں ہی تھا کہ قیصر روم کو کسی نے کہا کہ امرؤالقیس نے تمہاری بیٹی کو ورغلایا ہے اور اس کی محبت میں شعر خوانی کرتا رہا ہے۔ قیصر روم نے ناراض ہو کر امرؤالقیس کی طرف اپنا زہر آلود کرتا بھیجا اور کہا کہ اسے زیب تن کر لو جب امرؤالقیس نے اسے پہنا تو اس کے بدن کی چمڑی گرنے لگی اس موقع پر اس نے قصیدہ لکھا" **الماعلی الربع القدیم بعسعسا**"

یہ شعر اسی قصیدے کا ہے اس شعر میں لو کے بعد شرط موجود ہے لیکن جواب شرط کو خذف کر دیا گیا ہے اصل جملہ یوں ہے" **لو أن نفسی تموت جمیعاً لهان الامر**"(4)

1۔ الزمر:73

2۔ الشوکانی، **فتح القدیر**، 4/478

3۔ ایضاً

4۔ ہنداوی، حسن، **سر صناعة الاعراب**، 2/648

یہ حذف ایجاز ہے اسی طرح آیت میں بھی اذا حرف شرط کے بعد شرط موجود ہے لیکن جواب شرط "سعدوا" محذوف ہے امام شوکانی کی بیان کردہ تفسیر کا دیگر کتب تفاسیر سے تجزیہ کیا جائے تو یہ بحث سامنے پر آتی ہے کہ دیگر مفسرین نے بھی اس نوعیت کی بحث کی ہے علامہ زمخشری لکھتے ہیں:

"والجملة المحكية بعدها فی الشرطية الا ان جزاءها محذوف"[1]

ترجمہ:۔ جملہ جس کی اس کے بعد حکایت کی گئی ہے شرطیہ ہے اور اس کی جزا محذوف ہے۔

امام آلوسی نے بھی امام شوکانی کی طرح نقل کیا ہے:

"حيث جئی بواو فی الجملة الثانية وحذف الجواب"[2]

ترجمہ:۔ دوسرے جملہ کو واؤ سے شروع کیا گیا اور جواب کو حذف کیا گیا۔

خلاصہ بحث یہ ہے کہ امام شوکانی نے اس آیت کی تفسیر میں جو حذف ایجاز کو نقل کیا ہے اور بطور تائید امرؤالقیس کا شعر بھی نقل کیا دیگر مفسرین نے بھی اس مقام پر حذف کی بحث کی ہے۔

1۔ الزمخشری، جاراللہ محمود، **تفسیر الکشاف**، (بیروت۔ لبنان: دار المعرفۃ، الطبعۃ الثالثۃ، 1430ھ)، ص948

2۔ الآلوسی، **روح المعانی**، (بیروت: موسسۃ الرسالۃ، الطبعۃ الاولیٰ، 1431ھ۔2010ء)، 23/504

خاتمہ بحث

خلاصہ بحث

نتائج بحث

سفارشات

فہارس

خلاصہ بحث

مقالہ ہذا مقدمہ، چار ابواب، خلاصۃ البحث، نتائج وسفاشات اور فہارس پر مشتمل ہے۔

یہ مقالہ تفسیر فتح القدیر میں جاہلی شواہد شعریہ سے متعلق ہے۔ اس لحاظ سے مذکورہ تفسیر کا اختصاصی مطالعہ کیا گیا ہے دوران تحقیق استخراجی اور تجزیاتی طریقہ تحقیق اختیار کیا گیا ہے۔ امام شوکانی 28 ذیقعدہ 1133 ہجری کو شوکان نامی قصبے میں پیدا ہوئے جس کی نسبت سے شوکانی کہلائے۔ ابتدا میں زیدیہ مکتبہ فکر سے تعلق رکھتے تھے بعد ازاں منہج اہل سنت اختیار کیا۔ آپ کی تفسیر تفسیر بالماثور اور تفسیر بالرائے دونوں کا مجموعہ ہے۔ امام شوکانی نے تفسیر کے دوران لغوی'صرفی'نحوی اور بلاغی معنی کا استشہاد کرتے ہوئے دلیل کے طور پر اشعار ذکر کیے ہیں ان اشعار میں ایک بڑی تعداد ان اشعار کی ہے جو زمانہ جاہلیت کے شعراء کے ہیں مقالہ نگاری کے دوران سب سے پہلے جاہلی اشعار کو غیر جاہلی سے الگ کیا گیا ہے صرف ان اشعار کی استشہادی حیثیت واضح کی گئی ہے جو جاہلی شعراء کے تھے امام شوکانی نے زیادہ تر اشعار بغیر انتساب کے ذکر کیے ہیں البتہ جن اشعار کا انتساب شعراء کی طرف کیا ہے ان کی تخریج کی گئی اور ما سوائے چند اشعار کے تمام کا انتساب درست تھا شاذ و نادر ایسا بھی ہوا کہ امام شوکانی نے دو اشعار کو خلط ملط کر دیا پہلے شعر کے ایک مصرع کو دوسرے شعر کے ایک مصرع سے جوڑ دیا لیکن ایسا بہت کم ہوا۔ جس لفظ کی وضاحت کے لیے امام شوکانی نے شعر ذکر کیا ضروری نہیں کہ وہ مرادی معنی بھی ہو کبھی ایسا بھی ہوا کہ امام شوکانی نے ایک ایسے لفظ کے معنی کے استشہاد کے لیے شعر ذکر کیا جو مختلف معنی کا احتمال رکھتا تھا لیکن شعر کا ذکر غیر مرادی معنی کے لیے کیا اس کی وضاحت کے لیے اردو مترجمین کے ترجمے کا حوالہ دیا گیا۔

باب دوم'سوم اور چہارم میں انہی تمام باتوں کو الگ الگ عنوان کے تحت ذکر کیا گیا باب دوم میں تفسیر میں لغوی معنی کے استشہاد کی نوعیت کی وضاحت کی گئی ہے اس عنوان کے تحت تین فصول قائم کی گئی ہیں پہلی فصل میں علم الصرف سے متعلق جاہلی اشعار سے استشہاد ہے اس میں صیغہ کی بناوٹ اس کے مادہ مجرد ثلاثی مجرد اور مزید فیہ میں معنوی تبدیلی کے حوالے سے اشعار ذکر کیے گئے ہیں۔ دوسری فصل علم القراءت سے متعلق ہے اس کے تحت قراءت کے اختلاف سے معنی میں اختلاف کے وقوع کا شعر جاہلی سے استشہاد کیا گیا ہے۔ تیسری فصل علم الدلالت سے متعلق ہے۔ امام شوکانی نے سب سے زیادہ اشعار کا تذکرہ علم الدلالت کے اعتبار سے کیا ہے۔

باب سوم میں جاہلی شاعری سے نحوی استشاد ذکر کیا گیا ہے۔ علم النحو کی ابحاث کو تین فصول میں تقسیم کیا گیا۔ پہلی فصل مرفوعات سے متعلق ہے دوسری منصوبات اور تیسری فصل کا تعلق مجرورات سے ہے

باب چہارم کا تعلق علم البلاغت سے ہے بلاغی استشہاد کو بھی تین فصول میں تقسیم کیا گیا ہے پہلی فصل علم البیان سے متعلق ہے دوسری علم البدیع اور تیسری کا تعلق علم المعانی سے ہے۔

اس بات کا حتی الامکان خیال رکھا گیا ہے کہ تفسیر فتح القدیر کے نصف آخر میں موجود تمام اشعار جاہلیہ کی تخریج ان کے مستند ماخذ سے ہو چونکہ بعض شعراء کے کلام تاحال مطبوع نہیں ہیں اس لیے ان کے اشعار کے لیے لغت اور ادب کی مستند کتب کا حوالہ پیش کیا گیا۔ پھر استشہاد کے دوران مستند تفاسیر 'کتب احادیث' کتب لغت اور کتب ادب سے بھی بھرپور استفادہ کیا گیا۔ شعراء اور دیگر شخصیات کے سوانح نگاری کے لیے تراجم کی امہات الکتب کی طرف رجوع کیا گیا۔ اماکن کی مناسب وضاحت کی گئی مقالہ کے اختتام پر انتہائی باریک بینی کے ساتھ نتائج و سفارشات مرتب کی گئی۔ مقالہ کی تیاری میں یونیورسٹی کے اصول وضوابط کو ملحوظ خاطر رکھا گیا اللہ کریم کی بارگاہ میں التجا ہے کہ اس کاوش کو قبول فرمائے۔ آمین۔

نتائج/Conclusions

1- قرآن مجید کی تفسیر میں اشعار عرب سے استشہاد ایک مسلمہ اور معتبر روش کے طور پر مفسرین کے ہاں تسلیم شدہ ہے جو بالخصوص لغوی' نحوی اور بلاغی پہلوؤں کی توضیح کے لیے اختیار کی گئی، امام شوکانی نے اسی روش کو اختیار کرتے ہوئے اشعار عرب سے لغوی، نحویاور بلاغی استشہاد کیا ہے۔

2- علمائے تفسیر کے ہاں شعرائے جاہلیت اور شعرائے مخضرمین کے کلام استشہاد کو اتفاق رائے سے معتبر سمجھا گیا ہے جبکہ شعرائے اسلام کے کلام سے استشہاد میں بعض مفسرین نے تحفظات کا اظہار کیا ہے البتہ مؤلدین کے کلام سے استشہاد بالاتفاق ممنوع ہے۔

3- فتح القدیر امام شوکانی کی ایک جامع تفسیری تصنیف ہے جو روایت و درایت دونوں پہلوؤں کو اپنے دامن میں سمیٹے ہوئے ہے جیسا کہ خود اس کے عنوان "فتح القدیر الجامع بین فنی الروایہ والدرایہ من علم التفسیر" سے بھی واضح ہے۔ امام شوکانی کا اشعار سے استشہاد درایتی پہلو ہے۔

4- تفسیر فتح القدیر میں جاہلی شاعری کے متعدد اشعار بطور لغوی و تفسیری سند پیش کیے گئے ہیں۔ اس سے واضح ہوتا ہے کہ امام شوکانی قرآن کریم کے الفاظ کی اصل مراد اور سیاق متعین کرنے کے لیے شعری متون کو ایک تحقیقی و اصولی طریقہ کار پر برتتے ہیں۔

5- اسلامی تعلیمات میں شاعری کی مطلق ممانعت کا تصور موجود نہیں ہے بلکہ متعدد صحابہ کرام رضی اللہ عنہم شعر و ادب سے وابستہ تھے جن میں حضرت حسان بن ثابت' عبد اللہ بن رواحہ اور کعب بن مالک جیسے معروف شعراء شامل ہیں۔

6- امام شوکانی نے تفسیر فتح القدیر میں لغوی مفہوم کی وضاحت کے لیے جاہلی شاعری کو نہایت فنی مہارت سے استعمال کیا ہے۔ خصوصا الفاظ کے اشتقاق' دلالت معنوی اور علم قراءات جیسے مباحث میں شعری شواہد کا انتخاب اس امر کا غماز ہے کہ وہ قرآن فہمی میں عربی زبان کے کلاسیکی سرمایہ بالخصوص جاہلی شاعری کو معتبر لغوی اور نحوی معیار تسلیم کرتے ہیں۔

7- تفسیر فتح القدیر میں جاہلی شاعری کے متعدد اشعار کو بطور لغوی اور تفسیری سند ذکر کیا گیا ہے جس سے واضح ہوتا ہے کہ امام شوکانی قرآن کریم کے الفاظ کی اصل مراد اور سیاق وسباق کو متعین کرنے کے لیے شعری متون کو ایک تحقیقی اور اصولی طریقہ کار کے طور پر بروئے کار لاتے ہیں۔

8- امام شوکانی نے تفسیر فتح القدیر میں آیات قرانی کی نحوی ساخت کی توضیح کے لیے جاہلی شاعری سے بھرپور استشہاد کیا ہے رفعی' نصبی اور جری حالتوں کی نحوی توجیہات میں شعری شواہد کو بطور دلیل پیش کیا جانا اس بات کی واضح دلیل

ہے کہ امام شوکانی نحو عربی کے اصولوں کو سمجھنے اور قرآنی ترکیب کو درست سیاق میں پرکھنے کے لیے قدیم شعری متون کو ایک قابل اعتماد اور معیاری ذریعہ تصور کرتے ہیں۔

9س- تفسیر فتح القدیر کے مطالعے سے یہ واضح ہوتا ہے کہ امام شوکانی نے قرآنی بلاغت کی توضیح و تشریح میں جاہلی شاعری کو ایک موثر علمی وسیلہ کے طور پر استعمال کیا ہے علم بیان' علم بدیع اور علم معانی جیسے فنون بلاغت کی توضیح کے لیے انہوں نے جاہلی اشعار کو بطور استشہاد پیش کر کے یہ ثابت کیا کہ عربی بلاغت کے اسرار و رموز سمجھنے میں قدیم شعری متون بنیادی کردار ادا کرتے ہیں۔

10- مجموعی طور پر امام شوکانی کا منہج اس امر کی دلیل ہے کہ انہوں نے عربی زبان کے کلاسیکی سرمائے بالخصوص اشعار جاہلیت کو قرآن فہمی میں ایک معتبر لغوی و نحوی معیار کے طور پر تسلیم کیا ہے۔ جس سے ان کی تفسر کو ایک منفرد علمی مقام حاصل ہے۔

سفارشات / Recommendations

1. تفسیر فتح القدیر میں شامل اشعارِ عرب کے لسانی و نحوی پہلوؤں پر مزید تحقیقی مطالعہ کیا جائے، تا کہ امام شوکانی کے لسانی منہج کی باریکیوں کو بہتر طور پر سمجھا جا سکے۔

2. آثارِ جاہلیہ کے ساتھ ساتھ اسلامی دور کے شعراء کے جن اشعار کو امام شوکانی نے نقل کیا ہے، ان کی استشہادی نوعیت اور تفسیر میں ان کے کردار پر تفصیلی تحقیق کی جائے۔

3. مفسرین کے ہاں شعری استشہاد کے ماخذات کی نشاندہی کے لیے تتبعی (comparative) تحقیق کی ضرورت ہے، تا کہ واضح ہو سکے کہ مفسرین نے اشعارِ عرب کن کن قدیم مصادر یا تفاسیر سے اخذ کیے ہیں۔

4. امام شوکانی کی مسلکی تبدیلی (از زیدیہ الی اہل السنۃ) کے تفسیر قرآن پر اثرات کا تقابلی مطالعہ کیا جائے، تا کہ ان کی فکری و تفسیری تطور (intellectual evolution) کو بہتر طور پر سمجھا جا سکے۔

5. تفسیر فتح القدیر کے آخری دو پاروں کا اردو ترجمہ مکمل ہو چکا ہے؛ باقی حصے کا بھی ترجمہ کیا جائے تا کہ اردو داں طبقہ اس علمی سرمائے سے بھرپور استفادہ کر سکے۔

6. تخریجِ فتح القدیر پر منظم تحقیقی کام کیا جائے، تا کہ احادیث، آثار اور اشعار کے حوالہ جات کی درستگی یقینی بنائی جا سکے اور یہ تفسیر ایک مستند علمی حوالہ کے طور پر محفوظ ہو۔

7. امام شوکانی کے شعری استشہاد کے منہج کو دیگر مفسرین (جیسے طبری، زمخشری، قرطبی) کے ساتھ تقابلی انداز میں پرکھا جائے، تا کہ اس کی انفرادیت اور اشتراکات نمایاں ہوں۔

8. عربی بلاغت، نحو اور لغت میں دلچسپی رکھنے والے محققین کے لیے ضروری ہے کہ وہ جاہلی شاعری کے مطالعے کو تفسیر قرآن کی لسانی اساس کے طور پر مزید اجاگر کریں۔

9. اس نوعیت کا تحقیقی کام دیگر جامع تفاسیر (مثلاً روح المعانی، البحر المحیط وغیرہ) پر بھی کیا جائے، تا کہ عربی ادب اور قرآنی فہم کے مابین ربط زیادہ نمایاں ہو سکے۔

10. مستقبل کے محققین کے لیے یہ بھی موزوں ہو گا کہ اشعارِ عرب کے استعمال سے احکام القرآن کے فہم میں جو گہرائیاں پیدا ہوتی ہیں، ان پر الگ تحقیقی مطالعہ ترتیب دیا جائے۔

فہارس

فہرست آیات

فہرست احادیث

فہرست اصطلاحات

فہرست اعلام

فہرست مصادر و مراجع

فہرست قرآنی آیات

نمبر شمار	آیات	سورۃ	آیت نمبر	صفحہ نمبر
1.	﴿فَاِنْ اٰمَنُوْا بِمِثْلِ مَآ اٰمَنْتُمْ بِهٖ﴾	البقرۃ	137	265
2.	﴿ وَجَعَلَ الظُّلُمٰتِ وَالنُّوْرَ ﴾	الانعام	01	256
3.	﴿مَا هٰذَا بَشَرًا ۔ اِنْ هٰذَآ اِلَّا مَلَكٌ كَرِيْمٌ﴾	یوسف	31	264
4.	﴿اَوْ يَاْخُذَهُمْ عَلٰى تَخَوُّفٍ ؕ فَاِنَّ رَبَّكُمْ لَرَءُوْفٌ رَّحِيْمٌ ﴾	النحل	47	02
5.	﴿وَّ رَبَطْنَا عَلٰى قُلُوْبِهِمْ اِذْ قَامُوْا فَقَالُوْا رَبُّنَا رَبُّ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ ﴾	الکھف	14	221
6.	﴿وَاصْبِرْ نَفْسَكَ مَعَ الَّذِيْنَ يَدْعُوْنَ رَبَّهُمْ بِالْغَدٰوةِ وَالْعَشِيِّ﴾	الکھف	28	252
7.	﴿وَقُلِ الْحَقُّ مِنْ رَّبِّكُمْ ۔ فَمَنْ شَآءَ فَلْيُؤْمِنْ وَّ مَنْ شَآءَ فَلْيَكْفُرْ ﴾	الکھف	29	85
8.	﴿ اَوْ يُصْبِحَ مَآؤُهَا غَوْرًا﴾	الکھف	41	86
9.	﴿وَاضْرِبْ لَهُمْ مَّثَلَ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا كَمَآءٍ اَنْزَلْنٰهُ مِنَ السَّمَآءِ﴾	الکھف	45	87
10.	﴿وَرَبُّكَ الْغَفُوْرُ ذُو الرَّحْمَةِ لَوْ يُؤَاخِذُهُمْ بِمَا كَسَبُوْا لَعَجَّلَ لَهُمُ الْعَذَابَ﴾	الکھف	58	222
11.	﴿حَتّٰٓى اِذَا بَلَغَ مَغْرِبَ الشَّمْسِ وَجَدَهَا تَغْرُبُ فِيْ عَيْنٍ حَمِئَةٍ﴾	الکھف	86	59
12.	﴿قَالَ مَا مَكَّنِّيْ فِيْهِ رَبِّيْ خَيْرٌ فَاَعِيْنُوْنِيْ بِقُوَّةٍ﴾	الکھف	95	88
13.	﴿اٰتُوْنِيْ زُبَرَ الْحَدِيْدِ ۔ حَتّٰٓى اِذَا سَاوٰى بَيْنَ الصَّدَفَيْنِ﴾	الکھف	96	90
14.	﴿قَالَ هٰذَا رَحْمَةٌ مِّنْ رَّبِّيْ ۔ فَاِذَا جَآءَ وَعْدُ رَبِّيْ جَعَلَهٗ دَكَّآءَ﴾	الکھف	98	91
15.	﴿قُلْ لَّوْ كَانَ الْبَحْرُ مِدَادًا لِّكَلِمٰتِ رَبِّيْ لَنَفِدَ الْبَحْرُ﴾	الکھف	109	240
16.	﴿قَالَ رَبِّ اِنِّيْ وَهَنَ الْعَظْمُ مِنِّيْ وَاشْتَعَلَ الرَّاْسُ شَيْبًا﴾	مریم	04	253
17.	﴿يٰيَحْيٰى خُذِ الْكِتٰبَ بِقُوَّةٍ ۔ وَاٰتَيْنٰهُ الْحُكْمَ صَبِيًّا ﴾	مریم	12	60
18.	﴿فَخَرَجَ عَلٰى قَوْمِهٖ مِنَ الْمِحْرَابِ فَاَوْحٰٓى اِلَيْهِمْ اَنْ سَبِّحُوْا بُكْرَةً وَّعَشِيًّا﴾	مریم	11	91
19.	﴿وَّحَنَانًا مِّنْ لَّدُنَّا وَزَكٰوةً ۔ وَكَانَ تَقِيًّا ﴾	مریم	13	60
20.	﴿فَاَجَآءَهَا الْمَخَاضُ اِلٰى جِذْعِ النَّخْلَةِ﴾	مریم	23	93
21.	﴿قَالَ اَرَاغِبٌ اَنْتَ عَنْ اٰلِهَتِيْ يٰٓاِبْرٰهِيْمُ لَئِنْ لَّمْ تَنْتَهِ لَاَرْجُمَنَّكَ وَاهْجُرْنِيْ مَلِيًّا﴾	مریم	46	93

.22	﴿فَوَرَبِّکَ لَنَحْشُرَنَّهُمْ وَالشَّيٰطِيْنَ ثُمَّ لَنُحْضِرَنَّهُمْ حَوْلَ جَهَنَّمَ جِثِيًّا﴾	مریم	68	94
.23	﴿وَاِنْ مِّنْكُمْ اِلَّا وَارِدُهَا كَانَ عَلٰى رَبِّکَ حَتْمًا مَّقْضِيًّا﴾	مریم	71	95
.24	﴿اَفَرَءَيْتَ الَّذِیْ كَفَرَ بِاٰيٰتِنَا وَقَالَ لَاُوْتَيَنَّ مَالًا وَّوَلَدًا﴾	مریم	77	57
.25	﴿طٰهٰ 0 مَآ اَنْزَلْنَا عَلَيْکَ الْقُرْاٰنَ لِتَشْقٰٓى﴾	طٰہٰ	2-1	97
.26	﴿اِنَّ السَّاعَةَ اٰتِيَةٌ اَكَادُ اُخْفِيْهَا لِتُجْزٰى كُلُّ نَفْسٍ ۢبِمَا تَسْعٰى﴾	طٰہٰ	15	39
.27	﴿اِذْهَبْ اَنْتَ وَاَخُوْکَ بِاٰيٰتِیْ وَلَا تَنِيَا فِیْ ذِكْرِیْ﴾	طٰہٰ	42	98
.28	﴿فَلَنَاْتِيَنَّکَ بِسِحْرٍ مِّثْلِهٖ فَاجْعَلْ بَيْنَنَا وَبَيْنَکَ مَوْعِدًا﴾	طٰہٰ	58	63
.29	﴿قَالُوْٓا اِنْ هٰذٰنِ لَسٰحِرٰنِ يُرِيْدٰنِ اَنْ يُّخْرِجٰكُمْ مِّنْ اَرْضِكُمْ بِسِحْرِهِمَا﴾	طٰہٰ	63	225
.30	﴿قَالَ اٰمَنْتُمْ لَهٗ قَبْلَ اَنْ اٰذَنَ لَكُمْ ۔ اِنَّهٗ لَكَبِيْرُكُمُ الَّذِیْ عَلَّمَكُمُ السِّحْرَ﴾	طٰہٰ	71	241
.31	﴿يَّوْمَ يُنْفَخُ فِی الصُّوْرِ وَنَحْشُرُ الْمُجْرِمِيْنَ يَوْمَئِذٍ زُرْقًا﴾	طٰہٰ	102	254
.32	﴿وَيَسْــَٔلُوْنَکَ عَنِ الْجِبَالِ فَقُلْ يَنْسِفُهَا رَبِّیْ نَسْفًا﴾	طٰہٰ	105	98
.33	﴿فَيَذَرُهَا قَاعًا صَفْصَفًا﴾	طٰہٰ	106	98
.34	﴿يَوْمَئِذٍ يَّتَّبِعُوْنَ الدَّاعِیَ لَا عِوَجَ لَهٗ﴾	طٰہٰ	108	99
.35	﴿وَمَنْ اَعْرَضَ عَنْ ذِكْرِیْ فَاِنَّ لَهٗ مَعِيْشَةً ضَنْكًا﴾	طٰہٰ	124	100
.36	﴿لَوْ اَرَدْنَآ اَنْ نَّتَّخِذَ لَهْوًا لَّاتَّخَذْنٰهُ مِنْ لَّدُنَّآ اِنْ كُنَّا فٰعِلِيْنَ﴾	الانبیاء	17	101
.37	﴿لَوْ كَانَ فِيْهِمَآ اٰلِهَةٌ اِلَّا اللّٰهُ لَفَسَدَتَا فَسُبْحٰنَ اللّٰهِ رَبِّ الْعَرْشِ عَمَّا يَصِفُوْنَ﴾	الانبیاء	22	213
.38	﴿وَاِذَا رَاٰکَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا اِنْ يَّتَّخِذُوْنَکَ اِلَّا هُزُوًا﴾	الانبیاء	36	41
.39	﴿وَلَئِنْ مَّسَّتْهُمْ نَفْحَةٌ مِّنْ عَذَابِ رَبِّکَ لَيَقُوْلُنَّ يٰوَيْلَنَآ اِنَّا كُنَّا ظٰلِمِيْنَ﴾	الانبیاء	46	102
.40	﴿وَعَلَّمْنٰهُ صَنْعَةَ لَبُوْسٍ لَّكُمْ لِتُحْصِنَكُمْ مِّنْ بَاْسِكُمْ﴾	الانبیاء	80	103
.41	﴿وَحَرٰمٌ عَلٰى قَرْيَةٍ اَهْلَكْنٰهَآ اَنَّهُمْ لَا يَرْجِعُوْنَ﴾	الانبیاء	95	103
.42	﴿حَتّٰٓى اِذَا فُتِحَتْ يَاْجُوْجُ وَمَاْجُوْجُ وَهُمْ مِّنْ كُلِّ حَدَبٍ يَّنْسِلُوْنَ﴾	الانبیاء	96	214
.43	﴿وَاقْتَرَبَ الْوَعْدُ الْحَقُّ فَاِذَا هِیَ شَاخِصَةٌ اَبْصَارُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا﴾	الانبیاء	97	214

95	101	الانبیاء	﴿اِنَّ الَّذِیْنَ سَبَقَتْ لَهُمْ مِّنَّا الْحُسْنٰی اُولٰٓئِکَ عَنْهَا مُبْعَدُوْنَ﴾	.44
226	05	الحج	﴿یٰاَیُّهَا النَّاسُ اِنْ کُنْتُمْ فِیْ رَیْبٍ مِّنَ الْبَعْثِ فَاِنَّا خَلَقْنٰکُمْ مِّنْ تُرَابٍ﴾	.45
105	12	الحج	﴿یَدْعُوْا مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ مَا لَا یَضُرُّهٗ وَمَا لَا یَنْفَعُهٗ﴾	.46
105	13	الحج	﴿یَدْعُوْا لَمَنْ ضَرُّهٗٓ اَقْرَبُ مِنْ نَّفْعِهٖ لَبِئْسَ الْمَوْلٰی وَلَبِئْسَ الْعَشِیْرُ﴾	.47
106	26	الحج	﴿وَاِذْ بَوَّاْنَا لِاِبْرٰهِیْمَ مَکَانَ الْبَیْتِ اَنْ لَّا تُشْرِکْ بِیْ شَیْئًا﴾	.48
241	25	الحج	﴿اِنَّ الَّذِیْنَ کَفَرُوْا وَیَصُدُّوْنَ عَنْ سَبِیْلِ اللّٰهِ﴾	.49
215	35	الحج	﴿الَّذِیْنَ اِذَا ذُکِرَ اللّٰهُ وَجِلَتْ قُلُوْبُهُمْ وَالصّٰبِرِیْنَ عَلٰی مَآ اَصَابَهُمْ﴾	.50
107	36	الحج	﴿وَالْبُدْنَ جَعَلْنٰهَا لَکُمْ مِّنْ شَعَآئِرِ اللّٰهِ لَکُمْ فِیْهَا خَیْرٌ﴾	.51
227	40	الحج	﴿الَّذِیْنَ اُخْرِجُوْا مِنْ دِیَارِهِمْ بِغَیْرِ حَقٍّ اِلَّآ اَنْ یَّقُوْلُوْا رَبُّنَا اللّٰهُ﴾	.52
110	45	الحج	﴿فَکَاَیِّنْ مِّنْ قَرْیَةٍ اَهْلَکْنٰهَا وَهِیَ ظَالِمَةٌ فَهِیَ خَاوِیَةٌ عَلٰی عُرُوْشِهَا﴾	.53
111	12	المؤمنون	﴿وَلَقَدْ خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ مِنْ سُلٰلَةٍ مِّنْ طِیْنٍ﴾	.54
112	14	المؤمنون	﴿فَتَبٰرَکَ اللّٰهُ اَحْسَنُ الْخٰلِقِیْنَ﴾	.55
61	20	المؤمنون	﴿وَشَجَرَةً تَخْرُجُ مِنْ طُوْرِ سَیْنَآءَ تَنْبُتُ بِالدُّهْنِ وَصِبْغٍ لِّلْاٰکِلِیْنَ﴾	.56
112	52	المؤمنون	﴿وَاِنَّ هٰذِهٖٓ اُمَّتُکُمْ اُمَّةً وَّاحِدَةً وَّاَنَا رَبُّکُمْ فَاتَّقُوْنِ﴾	.57
243	61	المؤمنون	﴿اُولٰٓئِکَ یُسٰرِعُوْنَ فِی الْخَیْرٰتِ وَهُمْ لَهَا سٰبِقُوْنَ﴾	.58
42	99	المؤمنون	﴿حَتّٰٓی اِذَا جَآءَ اَحَدَهُمُ الْمَوْتُ قَالَ رَبِّ ارْجِعُوْنِ﴾	.59
113	01	النور	﴿سُوْرَةٌ اَنْزَلْنٰهَا وَفَرَضْنٰهَا وَاَنْزَلْنَا فِیْهَآ اٰیٰتٍۢ بَیِّنٰتٍ لَّعَلَّکُمْ تَذَکَّرُوْنَ﴾	.60
254	04	النور	﴿وَالَّذِیْنَ یَرْمُوْنَ الْمُحْصَنٰتِ ثُمَّ لَمْ یَاْتُوْا بِاَرْبَعَةِ شُهَدَآءَ فَاجْلِدُوْهُمْ ثَمٰنِیْنَ جَلْدَةً﴾	.61
59	15	النور	﴿اِذْ تَلَقَّوْنَهٗ بِاَلْسِنَتِکُمْ وَتَقُوْلُوْنَ بِاَفْوَاهِکُمْ﴾	.62
33-64	22	النور	﴿وَلَا یَاْتَلِ اُولُوا الْفَضْلِ مِنْکُمْ وَالسَّعَةِ﴾	.63
114	30	النور	﴿قُلْ لِّلْمُؤْمِنِیْنَ یَغُضُّوْا مِنْ اَبْصَارِهِمْ وَیَحْفَظُوْا فُرُوْجَهُمْ﴾	.64
115	31	النور	﴿وَقُلْ لِّلْمُؤْمِنٰتِ یَغْضُضْنَ مِنْ اَبْصَارِهِنَّ وَیَحْفَظْنَ فُرُوْجَهُنَّ﴾	.65

66.	﴿مَثَلُ نُوْرِهٖ كَمِشْكٰوةٍ فِيْهَا مِصْبَاحٌ۔ اَلْمِصْبَاحُ فِيْ زُجَاجَةٍ﴾	النور	35	265-116
67.	﴿وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا اَعْمَالُهُمْ كَسَرَابٍ م بِقِيْعَةٍ يَّحْسَبُهُ الظَّمْاٰنُ مَآءً﴾	النور	39	257
68.	﴿اِذَآ اَخْرَجَ يَدَهٗ لَمْ يَكَدْ يَرٰهَا﴾	النور	40	36
69.	﴿اَلَمْ تَرَ اَنَّ اللّٰهَ يُزْجِيْ سَحَابًا ثُمَّ يُؤَلِّفُ بَيْنَهٗ﴾	النور	43	118
70.	﴿ثَلٰثُ عَوْرٰتٍ لَّكُمْ﴾	النور	58	216
71.	﴿طَوّٰفُوْنَ عَلَيْكُمْ بَعْضُكُمْ عَلٰى بَعْضٍ﴾	النور	58	48
72.	﴿لَيْسَ عَلَيْكُمْ جُنَاحٌ اَنْ تَاْكُلُوْا جَمِيْعًا اَوْ اَشْتَاتًا﴾	النور	61	229
73.	﴿وَاتَّخَذُوْا مِنْ دُوْنِهٖٓ اٰلِهَةً لَّا يَخْلُقُوْنَ شَيْئًا وَّهُمْ يُخْلَقُوْنَ﴾	الفرقان	03	121
74.	﴿اِذَا رَاَتْهُمْ مِّنْ مَّكَانٍ م بَعِيْدٍ سَمِعُوْا لَهَا تَغَيُّظًا وَّزَفِيْرًا﴾	الفرقان	12	230
75.	﴿وَقَالَ الَّذِيْنَ لَا يَرْجُوْنَ لِقَآءَنَا لَوْلَآ اُنْزِلَ عَلَيْنَا الْمَلٰٓئِكَةُ﴾	الفرقان	21	258
76.	﴿يَوْمَ يَرَوْنَ الْمَلٰٓئِكَةَ لَا بُشْرٰى يَوْمَئِذٍ لِّلْمُجْرِمِيْنَ﴾	الفرقان	22	121
77.	﴿وَقَوْمَ نُوْحٍ لَّمَّا كَذَّبُوا الرُّسُلَ اَغْرَقْنٰهُمْ﴾	الفرقان	37	123
78.	﴿وَّعَادًا وَّثَمُوْدَاْ وَاَصْحٰبَ الرَّسِّ وَقُرُوْنًام بَيْنَ ذٰلِكَ كَثِيْرًا﴾	الفرقان	38	123
79.	﴿اَلَمْ تَرَ اِلٰى رَبِّكَ كَيْفَ مَدَّ الظِّلَّ۔ وَلَوْ شَآءَ لَجَعَلَهٗ سَاكِنًا﴾	الفرقان	45	124
80.	﴿اَلرَّحْمٰنُ فَسْئَلْ بِهٖ خَبِيْرًا﴾	الفرقان	59	243
81.	﴿وَهُوَ الَّذِيْ جَعَلَ الَّيْلَ وَالنَّهَارَ خِلْفَةً لِّمَنْ اَرَادَ اَنْ يَّذَّكَّرَ اَوْ اَرَادَ شُكُوْرًا﴾	الفرقان	62	125
82.	﴿وَالَّذِيْنَ يَبِيْتُوْنَ لِرَبِّهِمْ سُجَّدًا وَّقِيَامًا﴾	الفرقان	64	126
83.	﴿وَالَّذِيْنَ يَقُوْلُوْنَ رَبَّنَا اصْرِفْ عَنَّا عَذَابَ جَهَنَّمَ۔ اِنَّ عَذَابَهَا كَانَ غَرَامًا﴾	الفرقان	65	127
84.	﴿قُلْ مَا يَعْبَؤُا بِكُمْ رَبِّيْ لَوْلَا دُعَآؤُكُمْ فَقَدْ كَذَّبْتُمْ فَسَوْفَ يَكُوْنُ لِزَامًا﴾	الفرقان	77	65
85.	﴿اِنْ نَّشَاْ نُنَزِّلْ عَلَيْهِمْ مِّنَ السَّمَآءِ اٰيَةً فَظَلَّتْ اَعْنَاقُهُمْ لَهَا خٰضِعِيْنَ﴾	الشعراء	04	230
86.	﴿فَاْتِيَا فِرْعَوْنَ فَقُوْلَآ اِنَّا رَسُوْلُ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ﴾	الشعراء	16	210
87.	﴿فَاَخْرَجْنٰهُمْ مِّنْ جَنّٰتٍ وَّعُيُوْنٍ﴾	الشعراء	57	128

128	58	الشعراء	﴿وَكُنُوْزٍ وَّمَقَامٍ كَرِيْمٍ﴾	.88
129	63	الشعراء	﴿فَاَوْحَيْنَآ اِلٰى مُوْسٰٓى اَنِ اضْرِبْ بِّعَصَاكَ الْبَحْرَ﴾	.89
259	84	الشعراء	﴿وَاجْعَلْ لِّيْ لِسَانَ صِدْقٍ فِي الْاٰخِرِيْنَ﴾	.90
130	129	الشعراء	﴿وَتَتَّخِذُوْنَ مَصَانِعَ لَعَلَّكُمْ تَخْلُدُوْنَ﴾	.91
130	146	الشعراء	﴿اَتُتْرَكُوْنَ فِيْ مَا هٰهُنَآ اٰمِنِيْنَ﴾	.92
130	147	الشعراء	﴿فِيْ جَنّٰتٍ وَّعُيُوْنٍ﴾	.93
130	148	الشعراء	﴿وَّزُرُوْعٍ وَّنَخْلٍ طَلْعُهَا هَضِيْمٌ﴾	.94
131	153	الشعراء	﴿قَالُوْٓا اِنَّمَآ اَنْتَ مِنَ الْمُسَحَّرِيْنَ﴾	.95
133	168	الشعراء	﴿قَالَ اِنِّيْ لِعَمَلِكُمْ مِّنَ الْقَالِيْنَ﴾	.96
134	170	الشعراء	﴿فَنَجَّيْنٰهُ وَاَهْلَهٗٓ اَجْمَعِيْنَ﴾	.97
134	171	الشعراء	﴿اِلَّا عَجُوْزًا فِي الْغٰبِرِيْنَ﴾	.98
67	184	الشعراء	﴿وَاتَّقُوا الَّذِيْ خَلَقَكُمْ وَالْجِبِلَّةَ الْاَوَّلِيْنَ﴾	.99
64	224	الشعراء	﴿وَالشُّعَرَآءُ يَتَّبِعُهُمُ الْغَاوٗنَ ط اَلَمْ تَرَ اَنَّهُمْ فِيْ كُلِّ وَادٍ يَّهِيْمُوْنَ﴾	.100
137	16	النمل	﴿وَوَرِثَ سُلَيْمٰنُ دَاوٗدَ وَقَالَ يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ عُلِّمْنَا مَنْطِقَ الطَّيْرِ﴾	.101
45	17	النمل	﴿وَحُشِرَ لِسُلَيْمٰنَ جُنُوْدُهٗ مِنَ الْجِنِّ وَالْاِنْسِ وَالطَّيْرِ فَهُمْ يُوْزَعُوْنَ﴾	.102
135	72	النمل	﴿قُلْ عَسٰٓى اَنْ يَّكُوْنَ رَدِفَ لَكُمْ بَعْضُ الَّذِيْ تَسْتَعْجِلُوْنَ﴾	.103
137	11	القصص	﴿وَقَالَتْ لِاُخْتِهٖ قُصِّيْهِ فَبَصُرَتْ بِهٖ عَنْ جُنُبٍ وَّهُمْ لَا يَشْعُرُوْنَ﴾	.104
138	20	القصص	﴿وَجَآءَ رَجُلٌ مِّنْ اَقْصَا الْمَدِيْنَةِ يَسْعٰى﴾	.105
46	18	القصص	﴿فَاَصْبَحَ فِي الْمَدِيْنَةِ خَآئِفًا يَّتَرَقَّبُ فَاِذَا الَّذِي اسْتَنْصَرَهٗ بِالْاَمْسِ يَسْتَصْرِخُهٗ﴾	.106
138-95	23	القصص	﴿وَلَمَّا وَرَدَ مَآءَ مَدْيَنَ﴾	.107
47	34	القصص	﴿وَاَخِيْ هٰرُوْنُ هُوَ اَفْصَحُ مِنِّيْ لِسَانًا فَاَرْسِلْهُ مَعِيَ رِدْاً يُّصَدِّقُنِيْٓ﴾	.108
67	42	القصص	﴿وَاَتْبَعْنٰهُمْ فِيْ هٰذِهِ الدُّنْيَا لَعْنَةً وَّيَوْمَ الْقِيٰمَةِ هُمْ مِّنَ الْمَقْبُوْحِيْنَ﴾	.109
139	45	القصص	وَلٰكِنَّآ اَنْشَاْنَا قُرُوْنًا فَتَطَاوَلَ عَلَيْهِمُ الْعُمُرُ﴾	.110

68	51	القصص	﴿ وَلَقَدْ وَصَّلْنَا لَهُمُ الْقَوْلَ لَعَلَّهُمْ يَتَذَكَّرُوْنَ ﴾	111.
231	71	القصص	﴿قُلْ اَرَءَيْتُمْ اِنْ جَعَلَ اللّٰهُ عَلَيْكُمُ الَّيْلَ سَرْمَدًا اِلٰى يَوْمِ الْقِيٰمَةِ﴾	112.
231	72	القصص	﴿قُلْ اَرَءَيْتُمْ اِنْ جَعَلَ اللّٰهُ عَلَيْكُمُ النَّهَارَ سَرْمَدًا اِلٰى يَوْمِ الْقِيٰمَةِ﴾	113.
232	73	القصص	﴿وَمِنْ رَّحْمَتِهٖ جَعَلَ لَكُمُ الَّيْلَ وَالنَّهَارَ لِتَسْكُنُوْا فِيْهِ وَلِتَبْتَغُوْا مِنْ فَضْلِهٖ﴾	114.
232	82	القصص	﴿وَاَصْبَحَ الَّذِيْنَ تَمَنَّوْا مَكَانَهٗ بِالْاَمْسِ﴾	115.
233	88	القصص	﴿وَلَا تَدْعُ مَعَ اللّٰهِ اِلٰهًا اٰخَرَ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ﴾	116.
50	12	الروم	﴿وَيَوْمَ تَقُوْمُ السَّاعَةُ يُبْلِسُ الْمُجْرِمُوْنَ ﴾	117.
141	15	الروم	﴿ فَاَمَّا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ فَهُمْ فِيْ رَوْضَةٍ يُّحْبَرُوْنَ ﴾	118.
234	24	الروم	﴿وَمِنْ اٰيٰتِهٖ يُرِيْكُمُ الْبَرْقَ خَوْفًا وَّطَمَعًا وَّيُنَزِّلُ مِنَ السَّمَآءِ مَآءً﴾	119.
142	30	الروم	﴿فَاَقِمْ وَجْهَكَ لِلدِّيْنِ حَنِيْفًا﴾	120.
142	31	الروم	﴿مُنِيْبِيْنَ اِلَيْهِ وَاتَّقُوْهُ وَاَقِيْمُوا الصَّلٰوةَ وَلَا تَكُوْنُوْا مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ﴾	121.
69	18	لقمان	﴿وَلَا تُصَعِّرْ خَدَّكَ لِلنَّاسِ﴾	122.
279	32	لقمان	﴿وَمَا يَجْحَدُ بِاٰيٰتِنَآ اِلَّا كُلُّ خَتَّارٍ كَفُوْرٍ﴾	123.
70	10	السجده	﴿وَقَالُوْٓا ءَاِذَا ضَلَلْنَا فِي الْاَرْضِ ءَاِنَّا لَفِيْ خَلْقٍ جَدِيْدٍ﴾	124.
140	05	العنکبوت	﴿مَنْ كَانَ يَرْجُوْا لِقَآءَ اللّٰهِ فَاِنَّ اَجَلَ اللّٰهِ لَاٰتٍ ۔ وَهُوَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ﴾	125.
236	11	الاحزاب	﴿هُنَالِكَ ابْتُلِيَ الْمُؤْمِنُوْنَ وَزُلْزِلُوْا زِلْزَالًا شَدِيْدًا﴾	126.
143	19	الاحزاب	﴿فَاِذَا ذَهَبَ الْخَوْفُ سَلَقُوْكُمْ بِاَلْسِنَةٍ حِدَادٍ اَشِحَّةً عَلَى الْخَيْرِ﴾	127.
217	22	الاحزاب	﴿وَلَمَّا رَاَ الْمُؤْمِنُوْنَ الْاَحْزَابَ قَالُوْا هٰذَا مَا وَعَدَنَا اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ﴾	128.
144	23	الاحزاب	﴿مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ رِجَالٌ صَدَقُوْا مَا عَاهَدُوا اللّٰهَ عَلَيْهِ﴾	129.
145	26	الاحزاب	﴿وَاَنْزَلَ الَّذِيْنَ ظَاهَرُوْهُمْ مِّنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ مِنْ صَيَاصِيْهِمْ﴾	130.
146	60	الاحزاب	﴿لَئِنْ لَّمْ يَنْتَهِ الْمُنٰفِقُوْنَ وَالَّذِيْنَ فِيْ قُلُوْبِهِمْ مَّرَضٌ وَّالْمُرْجِفُوْنَ فِي الْمَدِيْنَةِ لَنُغْرِيَنَّكَ بِهِمْ﴾	131.
147	10	سبا	﴿يٰجِبَالُ اَوِّبِيْ مَعَهٗ﴾	132.

133.	﴿اَنِ اعْمَلْ سٰبِغٰتٍ وَّقَدِّرْ فِی السَّرْدِ وَاعْمَلُوْا صَالِحًا﴾	سبا	11	148
134.	﴿یَعْمَلُوْنَ لَهٗ مَا یَشَآءُ مِنْ مَّحَارِیْبَ﴾	سبا	13	150
135.	﴿فَلَمَّا قَضَیْنَا عَلَیْهِ الْمَوْتَ مَا دَلَّهُمْ عَلٰی مَوْتِهٖۤ اِلَّا دَآبَّةُ الْاَرْضِ﴾	سبا	14	72
136.	﴿لَقَدْ كَانَ لِسَبَاٍ فِیْ مَسْكَنِهِمْ اٰیَةٌ﴾	سبا	15	74
137.	﴿وَاَسَرُّوا النَّدَامَةَ لَمَّا رَاَوُا الْعَذَابَ﴾	سبا	33	263
138.	﴿وَمَاۤ اَمْوَالُكُمْ وَلَاۤ اَوْلَادُكُمْ بِالَّتِیْ تُقَرِّبُكُمْ عِنْدَنَا زُلْفٰۤی﴾	سبا	37	151
139.	﴿اسْتِكْبَارًا فِی الْاَرْضِ وَمَكْرَ السَّیِّئِ- وَلَا یَحِیْقُ الْمَكْرُ السَّیِّئُ اِلَّا بِاَهْلِهٖ﴾	فاطر	43	75
140.	﴿اِنَّا جَعَلْنَا فِیْۤ اَعْنَاقِهِمْ اَغْلٰلًا فَهِیَ اِلَی الْاَذْقَانِ فَهُمْ مُّقْمَحُوْنَ﴾	یٰسین	08	152
141.	﴿وَجَعَلْنَا مِنْۢ بَیْنِ اَیْدِیْهِمْ سَدًّا وَّمِنْ خَلْفِهِمْ سَدًّا فَاَغْشَیْنٰهُمْ فَهُمْ لَا یُبْصِرُوْنَ﴾	یٰسین	09	153
142.	﴿قَالَ یٰقَوْمِ اتَّبِعُوا الْمُرْسَلِیْنَ﴾	یٰسین	20	123
143.	﴿وَنُفِخَ فِی الصُّوْرِ فَاِذَا هُمْ مِّنَ الْاَجْدَاثِ اِلٰی رَبِّهِمْ یَنْسِلُوْنَ﴾	یٰسین	51	76
144.	﴿قَالُوْا یٰوَیْلَنَا مَنْۢ بَعَثَنَا مِنْ مَّرْقَدِنَا﴾	یٰسین	52	77
145.	﴿اِنَّا خَلَقْنٰهُمْ مِّنْ طِیْنٍ لَّازِبٍ﴾	الصافات	03	73
146.	﴿لَا فِیْهَا غَوْلٌ وَّلَا هُمْ عَنْهَا یُنْزَفُوْنَ﴾	الصافات	47	155
147.	﴿وَعِنْدَهُمْ قٰصِرٰتُ الطَّرْفِ عِیْنٌ- كَاَنَّهُنَّ بَیْضٌ مَّكْنُوْنٌ﴾	الصافات	48،49	156
148.	﴿طَلْعُهَا كَاَنَّهٗ رُءُوْسُ الشَّیٰطِیْنِ﴾	الصافات	65	264
149.	﴿كَمْ اَهْلَكْنَا مِنْ قَبْلِهِمْ مِّنْ قَرْنٍ فَنَادَوْا وَّلَاتَ حِیْنَ مَنَاصٍ﴾	ص	03	218-157
150.	﴿اَمْ لَهُمْ مُّلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَمَا بَیْنَهُمَا- فَلْیَرْتَقُوْا فِی الْاَسْبَابِ﴾	ص	10	158
151.	﴿وَمَا یَنْظُرُ هٰۤؤُلَآءِ اِلَّا صَیْحَةً وَّاحِدَةً مَّا لَهَا مِنْ فَوَاقٍ﴾	ص	15	159
152.	﴿وَقَالُوْا رَبَّنَا عَجِّلْ لَّنَا قِطَّنَا قَبْلَ یَوْمِ الْحِسَابِ﴾	ص	16	160
153.	اِنَّا سَخَّرْنَا الْجِبَالَ مَعَهٗ یُسَبِّحْنَ بِالْعَشِیِّ وَالْاِشْرَاقِ	ص	18	148
154.	﴿اِذْ عُرِضَ عَلَیْهِ بِالْعَشِیِّ الصّٰفِنٰتُ الْجِیَادُ﴾	ص	31	161-107
155.	﴿وَالشَّیٰطِیْنَ كُلَّ بَنَّآءٍ وَّغَوَّاصٍ- وَّاٰخَرِیْنَ مُقَرَّنِیْنَ فِی الْاَصْفَادِ﴾	ص	37،38	162

.156	﴿ اَسۡتَكۡبَرۡتَ اَمۡ كُنۡتَ مِنَ الۡعَالِيۡنَ ﴾	ص	75	51
.157	﴿وَاَنۡذِرۡهُمۡ يَوۡمَ الۡاٰزِفَةِ﴾	غافر	18	167
.158	﴿وَاِذَا مَسَّ الۡاِنۡسَانَ ضُرٌّ دَعَا رَبَّهٗ مُنِيۡبًا اِلَيۡهِ﴾	الزمر	8	52
.159	﴿اَللّٰهُ نَزَّلَ اَحۡسَنَ الۡحَدِيۡثِ كِتٰبًا مُّتَشَابِهًا مَّثَانِيَ﴾	الزمر	23	53
.160	﴿ اَلَيۡسَ فِيۡ جَهَنَّمَ مَثۡوًى لِّلۡكٰفِرِيۡنَ ﴾	الزمر	32	54
.161	﴿ وَسِيۡقَ الَّذِيۡنَ اتَّقَوۡا رَبَّهُمۡ اِلَى الۡجَنَّةِ زُمَرًا ﴾	الزمر	73	282
.162	يُدَبِّرُ الۡاَمۡرَ مِنَ السَّمَآءِ اِلَى الۡاَرۡضِ ثُمَّ يَعۡرُجُ اِلَيۡهِ فِيۡ يَوۡمٍ كَانَ مِقۡدَارُهٗۤ اَلۡفَ سَنَةٍ	فصلت	05	264
.163	﴿اِنَّ الَّذِيۡنَ اٰمَنُوۡا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ لَهُمۡ اَجۡرٌ غَيۡرُ مَمۡنُوۡنٍ﴾	فصلت	08	168
.164	فَذُوۡقُوۡا بِمَا نَسِيۡتُمۡ لِقَآءَ يَوۡمِكُمۡ هٰذَا اِنَّا نَسِيۡنٰكُمۡ	فصلت	14	265
.165	﴿وَيَوۡمَ يُنَادِيۡهِمۡ اَيۡنَ شُرَكَآءِيۡ قَالُوۡۤا اٰذَنّٰكَ مَا مِنَّا مِنۡ شَهِيۡدٍ﴾	فصلت	47	166
.166	﴿وَاِذَاۤ اَنۡعَمۡنَا عَلَى الۡاِنۡسَانِ اَعۡرَضَ وَنَاٰ بِجَانِبِهٖ﴾	فصلت	51	167
.167	﴿لَيۡسَ كَمِثۡلِهٖ شَيۡءٌ وَهُوَ السَّمِيۡعُ الۡبَصِيۡرُ﴾	الشوریٰ	11	265
.168	﴿ اَوۡ يُوۡبِقۡهُنَّ بِمَا كَسَبُوۡا وَيَعۡفُ عَنۡ كَثِيۡرٍ ﴾	الشوریٰ	34	55
.169	﴿بَلۡ قَالُوۡۤا اِنَّا وَجَدۡنَاۤ اٰبَآءَنَا عَلٰۤى اُمَّةٍ وَّاِنَّا عَلٰۤى اٰثٰرِهِمۡ مُّهۡتَدُوۡنَ﴾	الزخرف	22	168
.170	﴿وَمَنۡ يَّعۡشُ عَنۡ ذِكۡرِ الرَّحۡمٰنِ نُقَيِّضۡ لَهٗ شَيۡطٰنًا فَهُوَ لَهٗ قَرِيۡنٌ﴾	الزخرف	36	169
.171	﴿فَمَا بَكَتۡ عَلَيۡهِمُ السَّمَآءُ وَالۡاَرۡضُ وَمَا كَانُوۡا مُنۡظَرِيۡنَ﴾	الدخان	29	266
.172	﴿فَتَوَلّٰى بِرُكۡنِهٖ وَقَالَ سٰحِرٌ أَوۡ مَجۡنُوۡنٌ﴾	الذاریات	39	171
.173	﴿يَوۡمَ تَمُوۡرُ ٱلسَّمَآءُ مَوۡرًا ﴾	الطور	09	56
.174	﴿اَمۡ لَهُمۡ سُلَّمٌ يَّسۡتَمِعُوۡنَ فِيۡهِ ﴾	الطور	38	241
.175	﴿مَا ضَلَّ صَاحِبُكُمۡ وَمَا غَوٰى﴾	النجم	02	172
.176	﴿أَلَكُمُ ٱلذَّكَرُ وَلَهُ ٱلۡأُنثَىٰ﴾	النجم	21	73
.177	﴿تِلۡكَ إِذًا قِسۡمَةٌ ضِيزَىٰ﴾	النجم	22	78
.178	﴿وَأَنَّهُ خَلَقَ ٱلزَّوۡجَيۡنِ ٱلذَّكَرَ وَٱلۡأُنثَىٰ ۔ مِن نُّطۡفَةٍ إِذَا تُمۡنَىٰ﴾	النجم	45	173
.179	﴿مِن نُّطۡفَةٍ إِذَا تُمۡنَىٰ﴾	النجم	46	173

219	02	القمر	﴿وَإِن يَرَوْا ءَايَةً يُعْرِضُوا وَيَقُولُوا سِحْرٌ مُّسْتَمِرٌّ﴾	.180
237	07	القمر	﴿ خُشَّعًا أَبْصَـٰرُهُمْ يَخْرُجُونَ مِنَ ٱلْأَجْدَاثِ كَأَنَّهُمْ جَرَادٌ مُّنتَشِرٌ﴾	.181
174	12	الرحمٰن	﴿وَٱلْحَبُّ ذُو ٱلْعَصْفِ وَٱلرَّيْحَانُ﴾	.182
175	17	الواقعہ	﴿يَطُوفُ عَلَيْهِمْ وِلْدَٰنٌ مُّخَلَّدُونَ﴾	.183
176	73	الواقعہ	﴿نَحْنُ جَعَلْنَـٰهَا تَذْكِرَةً وَمَتَـٰعًا لِّلْمُقْوِينَ﴾	.184
177	86	الواقعہ	﴿فَلَوْلَآ إِن كُنتُمْ غَيْرَ مَدِينِينَ﴾	.185
177	87	الواقعہ	﴿تَرْجِعُونَهَآ إِن كُنتُمْ صَـٰدِقِينَ﴾	.186
79	13	الحدید	﴿ يَوْمَ يَقُولُ ٱلْمُنَـٰفِقُونَ وَٱلْمُنَـٰفِقَـٰتُ لِلَّذِينَ ءَامَنُوا ٱنظُرُونَا نَقْتَبِسْ مِن نُّورِكُمْ﴾	.187
238	05	الجمعہ	﴿ مَثَلُ الَّذِيْنَ حُمِّلُوا التَّوْرٰىةَ ثُمَّ لَمْ يَحْمِلُوْهَا كَمَثَلِ الْحِمَارِ يَحْمِلُ اَسْفَارًا﴾	.188
178	23	الحشر	﴿هُوَ اللّٰهُ الَّذِىْ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ اَلْمَلِكُ الْقُدُّوْسُ السَّلٰمُ الْمُؤْمِنُ﴾	.189
267	42	القلم	﴿ يَوْمَ يُكْشَفُ عَنْ سَاقٍ وَّ يُدْعَوْنَ اِلَى السُّجُوْدِ فَلَا يَسْتَطِيْعُوْنَ﴾	.190
161	19	الحاقۃ	﴿فَاَمَّا مَنْ اُوْتِىَ كِتٰبَهٗ بِيَمِيْنِهٖ ﴾	.191
161	25	الحاقۃ	﴿وَاَمَّا مَنْ اُوْتِىَ كِتٰبَهٗ بِشِمَالِهٖ﴾	.192
179	19	المعارج	﴿ اِنَّ الْاِنْسَانَ خُلِقَ هَلُوْعًا﴾	.193
179	20	المعارج	﴿اِذَا مَسَّهُ الشَّرُّ جَزُوْعًا﴾	.194
179	21	المعارج	﴿وَّاِذَا مَسَّهُ الْخَيْرُ مَنُوْعًا﴾	.195
180	37	المعارج	﴿عَنِ الْيَمِيْنِ وَعَنِ الشِّمَالِ عِزِيْنَ﴾	.196
80-35	01	المزمل	﴿يٰاَيُّهَا الْمُزَّمِّلُ﴾	.197
80-35	02	المزمل	﴿قُمِ الَّيْلَ اِلَّا قَلِيْلًا﴾	.198
181	08	المزمل	﴿وَاذْكُرِ اسْمَ رَبِّكَ وَتَبَتَّلْ اِلَيْهِ تَبْتِيْلًا﴾	.199
268	04	المدثر	﴿وَثِيَابَكَ فَطَهِّرْ﴾	.200
182	19	المدثر	﴿فَقُتِلَ كَيْفَ قَدَّرَ﴾	.201
183	04	القیامہ	﴿بَلٰى قٰدِرِيْنَ عَلٰٓى اَنْ نُّسَوِّىَ بَنَانَهٗ﴾	.202

203.	﴿يَقُوْلُ الْاِنْسَانُ يَوْمَئِذٍ اَيْنَ الْمَفَرُّ﴾	القیامہ	10	81
204.	﴿كَلَّا لَا وَزَرَ﴾	القیامہ	11	184
205.	﴿اِلٰى رَبِّهَا نَاظِرَةٌ﴾	القیامہ	23	245
206.	﴿فَلَا صَدَّقَ وَلَا صَلّٰى﴾	القیامۃ	31	57
207.	﴿ اِنَّا اَعْتَدْنَا لِلْكٰفِرِيْنَ سَلٰسِلَا وَاَغْلٰلًا وَّسَعِيْرًا ﴾	الدھر	04	82
208.	﴿اِنَّ الْاَبْرَارَ يَشْرَبُوْنَ مِنْ كَاْسٍ كَانَ مِزَاجُهَا كَافُوْرًا﴾	الدھر	05	185
209.	﴿قُلُوْبٌ يَّوْمَئِذٍ وَّاجِفَةٌ﴾	النازعات	08	186
210.	﴿وَالْاَرْضَ بَعْدَ ذٰلِكَ دَحٰهَا﴾	النازعات	30	187
211.	﴿وَالَّيْلِ اِذَا عَسْعَسَ﴾	التکویر	17	188
212.	﴿وَالصُّبْحِ اِذَا تَنَفَّسَ﴾	التکویر	18	188
213.	﴿كِتٰبٌ مَّرْقُوْمٌ﴾	المطففین	09	189
214.	﴿وَاللّٰهُ اَعْلَمُ بِمَا يُوْعُوْنَ﴾	الانشقاق	23	190
215.	﴿قُتِلَ اَصْحٰبُ الْاُخْدُوْدِ﴾	البروج	04	270
216.	﴿وَالسَّمَآءِ وَالطَّارِقِ﴾	الطارق	01	191
217.	﴿يَخْرُجُ مِنْ بَيْنِ الصُّلْبِ وَالتَّرَآئِبِ﴾	الطارق	07	192
218.	﴿وَالَّذِىْٓ اَخْرَجَ الْمَرْعٰى﴾	الاعلیٰ	04	194
219.	﴿فَجَعَلَهٗ غُثَآءً اَحْوٰى﴾	الاعلیٰ	05	194
220.	﴿ اِنَّ اِلَيْنَآ اِيَابَهُمْ﴾	الغاشیہ	25	194
221.	﴿ثُمَّ اِنَّ عَلَيْنَا حِسَابَهُمْ﴾	الغاشیہ	26	194
222.	﴿اَلَمْ تَرَ كَيْفَ فَعَلَ رَبُّكَ بِعَادٍ﴾	الفجر	06	195
223.	﴿اِرَمَ ذَاتِ الْعِمَادِ﴾	الفجر	07	195
224.	﴿فَصَبَّ عَلَيْهِمْ رَبُّكَ سَوْطَ عَذَابٍ﴾	الفجر	13	196
225.	﴿وَتَاْكُلُوْنَ التُّرَاثَ اَكْلًا لَّمًّا﴾	الفجر	19	197
226.	﴿لَقَدْ خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ فِىْ كَبَدٍ﴾	البلد	04	199
227.	﴿وَهَدَيْنٰهُ النَّجْدَيْنِ﴾	البلد	10	199

57	11	البلد	﴿ فَلَا اقْتَحَمَ الْعَقَبَةَ ﴾	228.
57	17	البلد	﴿ثُمَّ كَانَ مِنَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا ﴾	229.
201	08	الضحٰی	﴿وَوَجَدَکَ عَآئِلًا فَاَغْنٰی﴾	230.
202	07	التین	﴿فَمَا يُكَذِّبُکَ بَعْدُ بِالدِّيْنِ﴾	231.
203	15	العلق	﴿كَلَّا لَئِنْ لَّمْ يَنْتَهِ لَنَسْفَعًا بِالنَّاصِيَةِ﴾	232.
243	05	الزلزال	﴿بِاَنَّ رَبَّکَ اَوْحٰی لَهَا﴾	233.
204	07	الزلزال	﴿فَمَنْ يَّعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ خَيْرًا يَّرَه﴾	234.
204	08	الزلزال	﴿وَمَنْ يَّعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ شَرًّا يَّرَه﴾	235.
205	01	العادیات	﴿وَالْعٰدِيٰتِ ضَبْحًا﴾	236.
206	01	التکاثر	﴿اَلْهٰكُمُ التَّكَاثُرُ﴾	237.
271	02	الکافرون	﴿لَا اَعْبُدُ مَا تَعْبُدُوْنَ﴾	238.
271	03	الکافرون	﴿وَلَا اَنْتُمْ عٰبِدُوْنَ مَا اَعْبُدُ﴾	239.
271	04	الکافرون	وَلَا اَنَا عَابِدٌ مَّا عَبَدْتُّمْ﴾	240.
271	05	الکافرون	وَلَا اَنْتُمْ عٰبِدُوْنَ مَا اَعْبُدُ﴾	241.
83	04	الاخلاص	﴿وَلَمْ يَكُنْ لَّه كُفُوًا اَحَدٌ﴾	242.
207	01	الفلق	﴿قُلْ اَعُوْذُ بِرَبِّ الْفَلَقِ﴾	243.
208	04	الفلق	﴿وَمِنْ شَرِّ النَّفّٰثٰتِ فِی الْعُقَدِ﴾	244.

فہرست احادیث

نمبر شمار	احادیث	کتاب	صفحہ نمبر
1.	((أَشْعَرُ كَلِمَةٍ تَكَلَّمَتْ بِهَا الْعَرَبُ كَلِمَةُ لَبِيدٍ: أَلَا كُلُّ شَيْءٍ مَا خَلَا اللَّهَ بَاطِلُ))	صحیح البخاری	15
2.	((اَلشعْرُ بِمَنزِلَةِ الكَلَامِ))	الادب المفرد	16
3.	((إِنَّ مِن الشِّعْرِ حِكْمَةً))	صحیح البخاری	13
4.	((اهجُوا قَرَيشاً فإِنَهُ أشدُ عَلَيهَا مِن رِشقٍ بِالنَبِل))	صحیح مسلم	16
5.	((اهْجُهُمْ أَوْ قَالَ هَاجِهِمْ وَجِبْرِيلُ مَعَک))	صحیح البخاری	16
6.	((خَرَجَ عَلَيْنَا رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَيْلَةَ الْبَدْرِ، فَقَالَ: إِنَّكُمْ سَتَرَوْنَ رَبَّكُمْ يَوْمَ الْقِيَامَةِ))	صحیح البخاری	245
7.	((خَيْرُكُمْ مَنْ تَعَلَّمَ الْقُرْآنَ وَعَلَّمَهُ))	صحیح البخاری	03
8.	((قَالَ: لِسُرَادِقِ النَّارِ أَرْبَعَةُ جُدُرٍ كِثَف كل جِدَار مسيرَة أَرْبَعِينَ سنة))	جامع الترمذی	85
9.	((لَأَنْ يَمْتَلِئَ جَوْفُ الرَّجُلِ قَيْحًا يَرِيهِ، خَيْرٌ مِنْ أَنْ يَمْتَلِئَ شِعْرًا))	صحیح مسلم	13
10	((مَا مِنْ مُؤْمِنٍ إِلَّا وَلَهُ بَابَانِ بَابٌ يَصْعَدُ مِنْهُ عَمَلُهُ، وَبَابٌ يَنْزِلُ مِنْهُ رِزْقُهُ))	جامع الترمذی	267
11	((يقولُ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم لحسَّانَ بنِ ثابتٍ: (إنَّ رُوحَ القُدُسِ لا يزالُ يُؤَيِّدُک ما نافَحتَ عنِ اللهِ وعن رسولِه))	صحیح البخاری	15
12	((يَقُولُ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم: يَكْشِفُ رَبُّنَا عَنْ سَاقِهِ، فَيَسْجُدُ لَهُ كُلُّ مُؤْمِنٍ وَمُؤْمِنَةٍ))	صحیح البخاری	268

فہرست اصطلاحات

نمبر شمار	اصطلاح	صفحہ نمبر
1	اصحاب الاخدود	270
2	افک	64
3	بسوس	202
4	رائے	25
5	زیدیہ	32
6	سبا	74
7	سرد	152
8	عنس	65
9	فرقدان	234
10	ماثورہ	25

فہرست اعلام

صفحہ نمبر	اعلام	نمبر شمار
54	الاصمعی	01
39	الانباری	02
13	امرؤالقیس	03
74	امیہ بن ابی الصلت	04
54	البکری	05
59	تبع حمیری	06
12	جاحظ	07
47	ابوجعفر	08
48	حاتم طائی	09
71	حطیئہ	10
125	حمید بن ثور	11
104	الخنساء	12
86	ابوذؤیب الہذلی	13
53	زہیر بن ابی سلمٰی	14
45	زیاد بن معاویہ الذبیانی	15
46	سلامۃ بن جندل	16
120	الشماس الذبیانی	1
02	الطبری	18
72	طرفہ بن العبد	19
54	ابوعبید الہروی	20
50	عجاج بن روبہ	21
24	عدی بن ربیعہ	22
79	عمرو بن ابی کلثوم	23
89	عنترہ بن شداد	24
30	ابن المبرد	25
70	متلمس، جریر بن عبد المسیح	26
97	متمم بن نویرہ	27
30	معمر بن مثنٰی	28

29	مہلہل بن ربیعہ	94
30	میمون بن قیس البکری المعروف الاعشیٰ الاکبر	54
31	نابغہ الجعدی	62
32	نابغہ الذبیانی	45
33	نافع بن ازرق	02
34	نافع بن عبدالرحمٰن	47
35	نعمان بن منذر	49

فہرست اماکن

نمبر شمار	مقام کا نام	صفحہ نمبر
01	شبیر	75
02	جوران	211
03	حوران	211
04	خطی	43
05	راکس	212
06	صنعاء	10
07	مجمع البحرین	33
08	مشرف	269
09	یمن	10

فہرست مصادر و مراجع

القران الکریم

عربی کتب

الآلوسی، روح المعانی،(بیروت: موسسۃ الرسالۃ، الطبعۃ الاولیٰ، 1431ھ-2010ء)
احمد بن ابراہیم، جواھر الادب و انشاء لغۃ العرب،(بیروت: مؤسسۃ المعارف، س ط ندارد)
الاسد، ناصر الدین، مصادر الشعر الجاھلی،(مصر: دار المعارف، 1988ء)
الاصفہانی، الراعب، المفردات،(دمشق، دار العلم، الطبعۃ الرابعۃ، 2009ء)
اعشیٰ، میمون بن قیس، **دیوان الاعشی الکبیر**، تحقیق: محمود ابراھیم،(قطر، وزارۃ الثقافۃ والفنون والتراث)
الاصمعی، ابوسعید عبدالملک بن قریب بن علی بن اصمع (م: 216ھ) **الاصمعیات**، طبعہ سابعہ 1993م- دارالمعارف / مصر
الافریقی، محمد بن مکرم، لسان العرب،(بیروت: دار صادر، س ط ندارد)
امرؤالقیس' امرؤالقیس بن حجر بن الحارث الکندی' **دیوان امرؤ القیس**' دارالمعرفہ بیروت' طبع ثانی 2004م)
امیہ بن ابی الصلت، **دیوان امیۃ بن الصلت**، تحقیق: الدکتور سجیع جمیل الجبیلی،(بیروت: دار صادر، طبع اولی ،1998م)
الانباری، ابو بکر محمد بن قاسم بن بشار الانباری (م: 328ھ) **شرح القصائد السبع الطوال الجاھلیات**- دارالمعارف / مصر
البخاری، محمد بن اسماعیل، الجامع الصحیح'(دمشق، بیروت: دار ابن کثیر، الطبعہ الاولی، 1423ھ، 200م)
البخاری، محمد بن اسماعیل، الادب المفرد،(بیروت: دار البشایر الاسلامیۃ، س ط ندارد)
بشر بن ابی حازم الاسدی، **دیوان بشر بن ابی حازم الاسدی**، تحقیق: مجید طراد(بیروت: دار الکتاب العربی، ط، 1415ھ)
البیضاوی، ناصر الدین ابو السعید عبد اللہ بن عمر، **انوار التنزیل و اسرار التاویل**(بیروت: دار احیا التراث العربی، ط، 1418ھ)
التبریزی، یحیی بن علی بن محمد الشیبانی التبریزی،(م:502ھ)، **شرح دیوان الحماسہ**، دار القلم بیروت)
جاحظ، عمرو بن بحر، کتاب الحیوان،(بیروت: دار الکتب العلمیۃ، ط2)

الجرجانی، علی بن محمد، کتاب التعریفات،(بیروت، لبنان: دارالکتب العلمیۃ، 1983ء)
الجوہری، اسماعیل بن حماد، الصحاح (تاج اللغۃ العربیہ)،(بیروت: دارالعلم، الطبعۃ الثانیہ، 1399ھ۔1979ء)
حاتم الطائی' حاتم بن عبداللہ بن سعد الطائی' **دیوان حاتم الطائی** '(تحقیق: احمد رشاد) دارالکتب العلمیہ بیروت')
حارث بن حلزہ، حارث بن حلزہ الیشکری، **دیوان حارث بن حلزہ الیشکری**، تحقیق: مروان الحطئیہ (دمشق: دارالامام النووی، طبع، 1415ھ)
ابن حداد' ابوعثمان سعید بن محمد المعافری' **کتاب الافعال**' مؤسسۃ دار الشعب للصحافۃ والطباعۃ والنشر' القاہرہ' ط:1975م')
حطیئہ، جرول بن اوس بن مالک، **دیوان الحطیئہ**، تحقیق: مفید محمد قمیحۃ،(بیروت: دارالکتب العلمیہ، ط1993م)
الحموی، یاقوت بن عبداللہ، معجم البلدان، بیروت: دار صادر، س ط ندارد)
حمید بن ثور الھلالی، **دیوان حمید بن ثور الھلالی**، تحقیق: استاد عبدالعزیز المیمنی (القاہرہ: دارالکتب المصریہ، طبع، 1381ھ)
حنبل، احمد بن محمد، المسند،(مؤسسۃ الرسالۃ، 2001ء)
الخالدی، صلاح عبدالفتاح، تعریف الدارسین بمناهج المفسرین، (دمشق: دارالقلم، الطبعۃ الثالثۃ، 1429ھ۔2008ء)
ابن درید، ابو بکر محمد بن الحسن بن درید الازدی (م: 321ھ) دارالعلم۔بیروت، طبعہ اولیٰ 1987م)
ابوذویب الھذلی، **دیوان الھذلیین**، تحقیق: محمد محمود الشنقیطی،(القاہرہ: دارالقومیہ، ط1385ھ)
الذبیانی' ابوامامہ زیاد بن معاویہ الذبیانی' **دیوان نابغہ الذبیانی**'(بیروت: دارالکتب العلمیہ' ط:1996م)
الذہبی، محمد حسین، التفسیر والمفسرون،(القاہرہ: مکتبہ وہبۃ، س ط ندارد)
رازی، زین الدین بو خبر اللہ، محمد بن ابی بکر بن عبدالقادر الحنفی الرازی، مختار الصحاح،(بیروت: المکتبۃ العصریۃ)
الرومی، فہد بن عبدالرحمٰن، بحوث فی اصول التفسیر،(مکتبہ التوبۃ، س ط ندارد)
الزرکلی، خیر الدین، الاعلام،(بیروت: دارالعلم، الطبعۃ الخامسۃ، 2002ء)
الزمخشری، جاراللہ محمود، تفسیر الکشاف،(بیروت۔لبنان: دارالمعرفۃ، الطبعۃ الثالثۃ، 1430ھ)
زہیر بن ابی سلمیٰ، **دیوان زہیر بن ابی سلمی**، تحقیق: حمد طماس (بیروت: دارالمعرفۃ، ط1426ھ)
ابن سعد' ابوعبداللہ محمد بن سعد بن منیع الہاشمی' **الطبقات الکبری**' مکتبۃ العلوم المدینہ' طبع ثانیہ 1408ھ)
سعد رستم، الفرق والمذاهب الاسلامیۃ،(دمشق: الاوائل، الطبعۃ الثالثۃ، 2005ء)

سلامۃ بن جندل، **دیوان سلامۃ بن جندل**، تحقیق: محمد بن حسن الاحول (بیروت: دار الکتاب العربی، طبع اولیٰ 1414ھ)

السلمی، عباس بن مرداس، **دیوان عباس بن مرداس السلمی**، تحقیق: الدکتور یحییٰ الحبوری (بغداد، دار الجمہوریہ، ط1388ھ)

السیوطی، عبد الرحمٰن بن ابی بکر، **الاتقان فی علوم القرآن**، (لبنان: دار الفکر، 1996ء)

الشوکانی، محمد بن علی، **البدر الطالع**، (القاہرۃ: دار الکتاب الاسلامی، س ط ندارد

الشوکانی، محمد بن علی، **فتح القدیر (مقدمہ)**، (الکویت: دار النوادر، تاندارد)

الشوکانی، محمد بن علی، **قطر الولی علی حدیث الولی 'مقدمۃ التحقیق**: ڈاکٹر ابراہیم، (دار الکتب، س ط ندارد)

الشہری، عبد الرحمٰن بن معاضۃ، **الشاہد الشعری فی تفسیر القرآن الکریم و أھمینہ و أثرہ**، (الریاض: مکتبۃ دار المنہاج، الطبعۃ الاولیٰ، 1431ھ)

الصابونی، محمد علی، **البیان فی علوم القرآن**، (کراتشی، مکتبۃ البشریٰ، الطبعۃ الحدیدۃ، 1432ھ)

ابو طالب، ابو طالب بن عبد المطلب، **دیوان ابی طالب**، تحقیق: الدکتور محمد الثونجی، (بیروت: دار الکتاب العربی، طبع اولیٰ، 1414ھ)

طرفۃ بن عبد، **دیوان طرفۃ بن العبد**، تحقیق: مھدی محمد ناصر الدین، (بیروت: دار الکتب العلمیہ)

عبد القادر بن عمر البغدادی، (م: 1093ھ) **خزانۃ الادب**، مکتبۃ الخانجی)

عدی بن ربیعہ، **دیوان المہلہل**، (بیروت: دار صادر، ط، 1432ھ)

ابن عقیل، عبد اللہ بن عبد الرحمٰن، العقیلی، **شرح ابن عقیل علی الفیۃ ابن مالک**، (القاھرہ: دار التراث، ط 1400ھ)

علی الجندی، **فی تاریخ الادب الجاہلی**، مکتبہ دار التراث، طبعہ اول 1412ھ)

عمرو بن کلثوم بن مالک، **دیوان عمرو بن کلثوم**، تحقیق: الدکتور بدیع یعقوب، (بیروت: دار الکتاب العربی، طبع اولیٰ، 1991م)

عنترہ، عنترہ بن شداد العبسی، **دیوان عنتر** (بیروت: المکتبۃ الجامعۃ، ط، 1893م)

الفحل، علقمہ بن عبدۃ الفحل، **دیوان علقمہ بن عبدۃ الفحل**، تحقیق: الدکتور حنا ناصر الجستی (بیروت: دار الکتاب العربی، طبع اولیٰ، 1414ھ)

ابن قتیبہ الدینوری، ابو محمد عبد اللہ بن مسلم بن قتیبہ الدینوری (م: 276ھ) الجراثیم، وزارۃ الثقافۃ، دمشق)

ابن قتیبہ الدینوری،الشعر و الشعراء،ابن قتیبہ الدینوری، دارالحدیث، قاہرۃ،طباعت:1423ھ)

القرطبی، محمد بن احمد،الجامع لأحکام القرآن،(القاہرۃ: دارالکتب المصریۃ،س ط ندارد)

القشیری، مسلم بن حجاج،الجامع الصحیح،(الریاض: دارطیبہ للنشر والتوزیع،الطبعہ الاولی،1427ھ،2006م)

ابن کثیر،اسماعیل بن عمر،تفسیر القرآن العظیم، تحقیق:سامی بن محمد السلامۃ(الریاض: دارطیبہ للنشر والتوزیع، الطبعۃالثانیۃ1420ھ۔1999ء)

کعب بن زہیر،**دیوان کعب بن زہیر**، تحقیق:ابوالسعید السکری(الریاض: دارالشواف للنشر والطباعۃ، طبع،1410ھ)

لبید بن ربیعہ،**دیوان لبید بن ربیعہ**، تحقیق:حنانصر الحق(بیروت: دارالکتاب العربی، طبع،1414ھ)

متلمس،جریر بن عبدالمسیح،**دیوان شعر المتلمس الضبحی**، تحقیق:حسن کامل الصیرفی،(الشرکۃ المصریہ للطباعۃ والنشر،ط1970م)

محمد علی طہ الدرۃ، فتح الکبیر المتعال اعراب المعلقات العشر الطوال، طباعت:1989ھ۔ الناشر: مکتبۃ السوادی)

محمد بن محمد حسن شراب'**شرح الشواھد الشعریۃ**'مؤسسۃالرسالہ بیروت'ط:2007م)

المزی'ابوالحجاج یوسف بن عبدالرحمن المزی'**تھذیب الکمال**'مؤسسۃالرسالہ'بیروت'ط:1980م)

مساعد مسلم آل جعفر،مناھج المفسرین،(دارالمعرفہ،الطبعۃالاولیٰ1980)

مصطفی مسلم،مناھج المفسرین،(الریاض، مطبوعۃدارالمسلم،الطبعۃالاولیٰ،1415ھ)

الموسیٰ، سعد بن موسیٰ،تاریخ الحیاۃالعلمیۃ فی المدینۃ النبویۃ خلال القرن الثانی الھجری،(دارالقاسم، 2007ء)

الھروی،ابومنصور محمد بن احمد الازہری الھروی،(م:370ھ)تہذیب اللغۃ،ج2،ص66،داراحیاء التراث العربی، بیروت۔طبعہ اولیٰ:2001م)

یحییٰ مراد،تراجم الشعراء،(قاہرۃ: دارالحدیث،س2006ء)

اردو کتب

الازہری، پیر کرم شاہ'**ضیاء القرآن**'(ضیاء القران پبلی کیشنز لاہور'ط:1402ھ)

ابوالاعلیٰ،سید مودودی، تفہیم القرآن،

اصلاحی،امین احسن **تدبر قرآن**،(لاہور: فاران فاؤنڈیشن،ط2009)

ارشد خان، ''تفسیر فتح القدیر میں جاھلی شاعری سے استشھاد: (پارہ اول کا تجزیاتی مطالعہ)، مجلہ العروبۃ۔ مجلہ:3، العدد:3(یولیو۔2022)

بلیلاوی، عبد الحفیظ، مصباح اللغات، (لاہور: مکتبۃ الخلیل، س ط ندارد)

تھانوی، اشرف علی، **بیان القرآن**، (لاہور: مکتبہ رحمانیہ، س ط ندارد)

سعیدی، غلام رسول، **تبیان القرآن**،

کاندھلوی، محمد بن ادریس، **معارف القرآن**، (سندھ شداد پور: مکتبۃ المعارف)

مفتی، محمد شاد ،الاستشھاد بالشعر فی التفسیر و آراءہ العلماء فیہ"راحت القلوب، جلد 6، شمارہ: 2(جولائی۔ دسمبر2022ء)

مفتی، محمد شفیع، معارف القرآن، (کراچی: ادارۃ المعارف، س ط ندارد)

نسیم اختر، امام شوکانی اور تفسیر فتح القدیر، (لاہور: شیخ محمد اشرف ناشران، اکتوبر1993)

تمت بالخیر بالعون الملك الوهاب